اسلام کی مظلوم شخصیات

جلد دوم

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبہ حبیب الامت

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا

اسلام کی مظلوم شخصیات

جلد دوم

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور اعظم گڈھ یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبہ حبیب الامت

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور اعظم گڈھ یوپی انڈیا

نام کتاب: اسلام کی مظلوم شخصیات (جلد دوم)

تالیف: حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صفحات: 492

تعداد اشاعت: 1100

قیمت: 490

سن شاعت: 1447ھ، مطابق 2025ء

ناشر: مکتبہ حبیب الامت، جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور
پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

ملنے کا پتہ

مکتبہ حبیب الامت

جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی

رابطہ نمبر: 7054136788, 9450546400 +91+

بسم الله الرحمن الرحيم

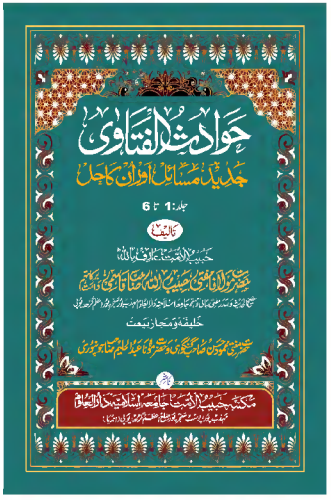
حوادث الفتاوی
جدید مسائل اور ان کا حل
جلد: 1 تا 6
تالیف
حضرت الاقدس مفتی الٰہی بخش صاحب
مفتی اعظم پاکستان
خلیفہ و مجاز بیعت
حضرت مولانا صوفی محمد حسن صاحب گنگوہی
و حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری
مکتبہ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم

اصول فقہیہ
جلد: 1 تا 4
تالیف
حضرت الاقدس مفتی الٰہی بخش صاحب
مفتی اعظم پاکستان
خلیفہ و مجاز بیعت
حضرت مولانا صوفی محمد حسن صاحب گنگوہی
و حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری
مکتبہ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم

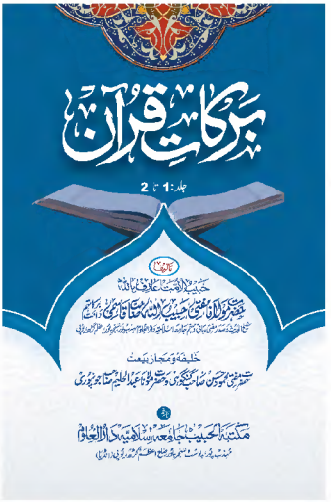
برکات قرآن
جلد: 1 تا 2
تالیف
حضرت الاقدس مفتی الٰہی بخش صاحب
مفتی اعظم پاکستان
خلیفہ و مجاز بیعت
حضرت مولانا صوفی محمد حسن صاحب گنگوہی
و حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری
مکتبہ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم

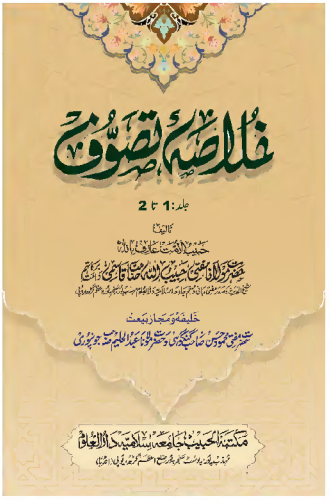
خلاصہ تصوف
جلد: 1 تا 2
تالیف
حضرت الاقدس مفتی الٰہی بخش صاحب
مفتی اعظم پاکستان
خلیفہ و مجاز بیعت
حضرت مولانا صوفی محمد حسن صاحب گنگوہی
و حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری
مکتبہ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم

فہرست

پیش لفظ		21
-1	سنہ 21 ہجری کے اہم واقعات	25
-2	معرکہ نہاوند اور شہادتِ حضرت نعمان بن مقرنؓ	28
-3	آذربائیجان کی فتح اور رعایا کی نجات	30
-4	فارس کے شہداء اور مظلوم مجاہدین	33
-5	مصر کی فتوحات اور قبطی عوام کا سکون	36
-6	طرابلس (لیبیا) کی فتوحات اور شہداء	39
-7	سجستان وخراسان کی فتوحات اور شہداء	42
-8	رَیّا اور آرمینیہ کی فتوحات اور شہداء	45
-9	ماوراء النہر کی فتوحات اور مظلوم شہداء	49
-10	سندھ کی ابتدائی فتوحات اور شہداء	51
-11	افریقہ (شمالی) کی فتوحات اور مظلوم شہداء	54
-12	سنہ 21ھ کے مظلومینِ اسلام ایک مجموعی جائزہ	57

-13	سنہ 22ھ کے اہم واقعات (محرم 22ھ: حضرت عمر فاروقؓ کا آخری حج اور دعائے شہادت)	61
-14	ربیع الاول 22ھ: شہادتِ حضرت سہل بن عدیؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ	64
-15	رمضان 22ھ: حضرت عمرؓ کی اسلام دشمنوں کے خلاف سخت تاکید	67
-16	سنہ 22ھ، ماہِ صفر کا اہم واقعہ (شہادتِ حضرت عمار بن یاسرؓ اور عراق کے محاذ پر مجوسیوں کی سازشیں)	70
-17	ربیع الثانی 22ھ: نہاوند کے بعد ایرانی محاذ پر صحابہ کی شہادتیں	72
-18	جمادی الاولی 22ھ (شہادتِ مجاہدینِ نہاوند کے بعد ایرانی بغاوتوں کا کچلنا)	75
-19	جمادی الاخری 22ھ: اصطخر کی بغاوت اور مظلوم صحابہ کی شہادت	77
-20	رجب المرجب 22ھ: کابل کی مہم اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ و رفقاء کی مظلوم شہادت	80
-21	شعبان المعظم 22ھ: مصر کے محاذ پر بغاوت اور صحابۂ کرامؓ کی مظلوم شہادت	82
-22	شوال المکرّم 22ھ: مکران کی مہم اور مظلوم شہداء کی داستان	85
-23	ذوالقعدہ 22ھ: فتح رَی اور اس کے مظلوم شہداء	87

-24	ذوالحجہ 22ھ: آرمینیہ کے شہداء اور اہلِ عہد کی عہد شکنی	90
-25	سنہ 23 ہجری ماہ محرم الحرام کا اہم واقعہ (حضرت عمر فاروقؓ کی دعائے شہادت اور ظلم کی سازشوں کا آغاز)	92
-26	سنہ 23 ہجری ماہِ ربیع الاول کا اہم واقعہ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز)	95
-27	سنہ 23ھ، ماہِ جمادی الاولیٰ کا اہم واقعہ (حضرت سعید بن عامر جمحیؓ عدل و دیانت کی علامت اور مظلومیت کا استعارہ)	98
-28	سنہ 23ھ، ماہ جمادی الثانیہ کا اہم واقعہ (شہادتِ عمار بن یاسرؓ کے بھائی حویطب اور دیگر صحابہؓ سا سانیوں کی بغاوت اور مظلوم شہداء)	101
-29	سنہ 23ھ، ماہ رجب المرجب کا اہم واقعہ (شہادتِ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مظلومیت کی ایک عظیم مثال)	104
-30	سنہ 23 ہجری ماہ شعبان المعظم کا اہم واقعہ (حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ کی مظلوم شہادت)	106
-31	حضرت سعد بن عبادہؓ کی شہادت کے مختلف اقوال اور ان پر تحقیقی تنقید	109
-32	سنہ 23ھ ذوالقعدہ: حضرت عمرو بن سعید الاشدق کے والد سعید بن عاص کا سانحہ اور مدینہ کے انصار پر ظلم	111

-33	سنہ 23ھ ذوالحجہ: شہادتِ فاروقِ اعظمؓ	113
-34	سنہ 24ھ، صفر المظفر :حضرت ابوذر غفاریؓ کی جلاوطنی اور مظلومیت	116
-35	اسلامی سنہ 25 ہجری: ماہ محرم الحرام کا اہم واقعہ (حضرت زبیر بن عوامؓ کی مظلومیت اور قربانی)	119
-36	اسلامی سنہ 25ھ کے سیاسی وانتظامی حالات کا تحقیقی وتنقیحی جائزہ	121
-37	اسلامی سنہ 25ھ کے اوسط ایام کا تحقیقی وتنقیحی جائزہ (ربیع الآخر تا جمادی الاخری)	125
-38	اسلامی سنہ 25ھ کے اواخر ایام کا تحقیقی وتنقیحی مطالعہ (رجب، شعبان، رمضان 25ھ)	129
-39	سنہ 25ھ کے آخری سہ ماہی انتظامی واقعات (بصرہ وکوفہ کی ولایات، مرکزِ خلافت کے فیصلے اور رعایا کی مظلومیت کے ابتدائی آثار)	133
-40	سنہ 25ھ: خلافتِ عثمانؓ کے اہم شخصیات ومناصب (اداریاتی استحکام اور سرحدی فتوحات کا تحقیقی جائزہ)	138
-41	سنہ 26ھ کے سیاسی، عسکری اور انتظامی واقعات	142
-42	سنہ 26ھ کے درمیانی مہینوں (ربیع الآخر تا جمادی الاخری) کے سیاسی، عسکری اور انتظامی واقعات	146

-43	سنہ 26ھ کے اواخر (رجب تا رمضان) فتوحات، ظلم کی نوعیت، اور مظلوم طبقات کی حالت	151
-44	اسلامی سنہ 26ھ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے واقعات	155
-45	فتوحاتِ افریقہ اور مقامی قبائل کی مظلومیت (سنہ 27 ہجری، ماہ رجب وشعبان خلافتِ سیدنا عثمانِ غنیؓ کا ایک پہلو)	159
-47	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مظلومیت میں اضافہ (سنہ 27 ہجری، خلافتِ عثمانی کا ایک تلخ پہلو)	162
-48	سنہ 27ھ: اہلِ کوفہ کی شکایات اور محرومیت	165
-49	سنہ 27ھ: اہلِ مصر پر والی کے ظلم کا تسلسل	167
-50	سنہ 28 ہجری کے اہم واقعات (ماہ محرم الحرام فتوحاتِ قبرص اور مقامی آبادیوں کی مظلومیت)	170
-51	سنہ 28 ہجری: ماہ ربیع الاول (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علمی گوشہ گیری)	172
-52	سنہ 28 ہجری: ماہ شعبان (اہلِ مصر پر جبر اور ظلم)	174
-53	سنہ 28 ہجری: ماہ ذوالحجہ (اہلِ ایمان کے لیے عبرت)	176
-54	سنہ 29 ہجری: ماہِ شعبان (عدل وانصاف کی خلاف ورزی)	178

-55	سنہ 29 ہجری: ماہِ ذوالحجہ (اہلِ ایمان کے لیے عبرت)	180
-56	سنہ 30ھ: ماہِ جمادی الاخری (علمی و مذہبی حلقوں پر قدغنیں)	182
-57	سنہ 30ھ: ماہِ رجب (وفودِ ولایات کا مرکز تک نہ پہنچنا اور واپسی پر سختی)	186
-58	ماہِ ذوالقعدہ 30ھ: ولایتی ترجیحات (شام کو فوقیت)	188
-59	محرم الحرام، سنہ 31ھ: فتحِ استخر اور مظلوم اہلِ فارس	191
-60	صفر، سنہ 31ھ: صوبائی تقرّرات اور مظلوم عوام	194
-61	ربیع الاول و ربیع الثانی، سنہ 31ھ: عدالتی و انتظامی بحران: مقامی شکایات اور مظلوم عوام	197
-62	جمادی الاولی تا شعبان، سنہ 31ھ: مقامی احتجاجات اور سخت انتظامی ردِعمل	200
-63	اسلامی سنہ 31ھ: رمضان المبارک تا شوال المکرّم (فتوحاتِ مسلسل اور تقسیمِ مالِ غنیمت کے معاملات)	203
-64	اسلامی سنہ 31ھ: ذوالقعدہ تا ذوالحجہ (سالِ ختمی جائزہ بیرونی فتوحات کی کامیابیاں اور داخلی بے چینی کے آثار)	205
-65	سنہ 32ھ کے اہم واقعات: ماہِ محرم عہدِ خلافتِ عثمانی کا پس منظر	208
-66	اہم واقعہ: ماہِ محرم، سنہ 32ھ وفاتِ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	209

67-	ابوذر غفاریؓ کی مظلومیت	210
68-	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مظلومیت (قرآن وفقہ میں مقام کوفہ میں ایذائیں مظلومانہ وفات)	213
69-	شعبان ورمضان 32ھ: بحری مہمات اوران کے اثرات	216
70-	دیگر واقعاتِ 32ھ (بحری مہمات اور ان پر اعتراضات دیگر صحابہ وتابعین کی وفیات)	218
71-	ذوالقعدہ ذوالحجہ 32ھ: دیگر صحابہ وتابعین کی وفیات	221
72-	محرم 33ھ کے واقعات فتوحات کا تسلسل اور فوجی دباؤ	223
73-	ربیع الاول 33ھ: حضرت ابوہریرہؓ کی گورنری سے معزولی	225
74-	ربیع الثانی 33ھ: صحابہ کرامؓ پر کڑی نگرانی	227
75-	جمادی الاولیٰ 33ھ: (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علمی اثرات اوران کے مکتب پر دباؤ)	230
76-	شعبان 33ھ: بحری فتوحات اوراعتراضات کی سرکوبی	232
77-	رمضان 33ھ: بعض اکابر تابعین کی شہادت اور مظلومیت	235
78-	ذوالحجہ 33ھ کے اہم واقعات دیگر وفیات وشہادتیں اوران کی مظلومیت	237
79-	محرم سنہ 34ھ کے اہم واقعات	239

-80	صفر 34ھ: اہلِ کوفہ کی بے چینی اور اہلِ علم پر پابندیاں	241
-81	ربیع الاول 34ھ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پر اعتراضات اور ان کی مظلومیت	244
-82	ربیع الثانی 34ھ: مصر میں اضطراب اور اہلِ حق کی مظلومیت	246
-83	جمادی الاولیٰ 34ھ: بیت المال کے معاملات پر اختلاف اور مستحقین کی محرومی	248
-84	جمادی الثانیہ 34ھ: تابعین کی گرفتاری اور اظہارِ رائے کی پابندی	251
-85	رجب 34ھ: حضرت ابوذر غفاریؓ کے افکار کی بازگشت اور ان کے متبعین پر دباؤ	253
-86	شعبان 34ھ: بحری مہمات میں سختیاں اور عوامی مشکلات	256
-87	رمضان 34ھ: اکابر تابعین کی شہادتیں اور ان کے اثرات	259
-88	ذوالقعدہ 34ھ: اہلِ مدینہ کی بے چینی اور اہلِ حق کا موقف	261
-89	ذوالحجہ 34ھ: اکابر صحابہ و تابعین کی وفیات اور ان کی مظلومیت	264
-90	سنہ 35 ہجری کے اہم واقعات (محرم 35ھ: فتوحات کے تسلسل میں انتظامی بے چینی اور مظلومیت کا پس منظر)	266
-91	صفر 35ھ: مصر و کوفہ کے شاکیان اور مظلومیت کا پس منظر	269

-92	ربیع الاول 35ھ (حضرت عثمان ذوالنورینؓ پر بڑھتی ہوئی تنقید اور اس کے پس منظر)	272
-93	ربیع الثانی 35ھ: اکابر صحابہؓ پر بڑھتا ہوا دباؤ اور فتنہ انگیز سازشیں	275
-94	جمادی الاولیٰ 35ھ (مصر سے واپسی کا واقعہ اور حضرت عثمانؓ پر جھوٹے الزامات)	278
-95	جمادی الاخری 35ھ: مدینہ کا محاصرہ اور حضرت عثمان غنیؓ کی مظلومیت	281
-96	رجب 35ھ: پانی اور ملاقاتوں پر پابندی: حضرت عثمان غنیؓ کی مظلومیت	283
-97	رمضان 35ھ: شہادتِ عثمان غنیؓ: مظلومیت کی انتہا	286
-98	ذوالقعدہ 35ھ: شہادتِ عثمان غنیؓ کے بعد مدینہ میں انتشار	289
-99	ذوالحجہ 35ھ: خلافتِ علیؓ کی بیعت اضطراری حالات میں ایک عظیم امتحان	291
-100	محرم تا ربیع الاول 36ھ کے اہم واقعات عصرِ فتنہ اور مظلومیتِ خلافتِ علیؓ	294
-101	بصرہ 15 جمادی الاولی 36ھ: معرکۂ جمل: مظلومیتِ صحابہ وامت	297
-102	36ھ بعد معرکۂ جمل بصرہ کے بعد نظم ونسق اور مظلومیت کا پس منظر	300
-103	رجب 36ھ: دارالخلافہ کی منتقلی: مدینہ سے کوفہ تک	303

104-	ذوالقعدہ تا ذوالحجہ 36ھ: صوبوں میں احتجاجات اور بغاوتیں	306
105-	محرم الحرام 37ھ: جنگِ صفین کی تیاری اور امتِ مسلمہ کا امتحان	309
106-	صفر 37ھ: جنگِ صفین کا آغاز اور امتِ مسلمہ کا عظیم المیہ	312
107-	ربیع الاول 37ھ: لیلۃ الہریر صفین کی عظیم اور خونریز رات	315
108-	ربیع الآخر 37ھ: حکمین کا فیصلہ اور امت کا فکری و روحانی المیہ	318
109-	ربیع الآخر 37ھ: حکمین کا فیصلہ حقیقت، پس منظر اور نتائج	321
110-	جمادی الاولی و جمادی الاخری 37ھ (خوارج کا ظہور اور امت پر اس کے اثرات)	324
111-	اسلامی سنہ 37ھ کے تناظر میں ایک تحقیقی مطالعہ (فتنۂ خوارج: بانی اور عقائد)	327
112-	رجب تا رمضان 37ھ صوبوں میں شورشیں اور امت کی آزمائش	330
113-	شوال تا ذوالحجہ 37ھ امت کی مظلومیت کا منظر نامہ	333
114-	خلاصہ واقعات 37ھ	336
115-	محرم الحرام تا ذوالحجہ 38ھ کے اہم واقعات	338
116-	محرم الحرام 38ھ: حکمین کی ناکامی اور سیاسی بحران	340
117-	صفر 38ھ: خوارج کی مسلح بغاوت اور امت کی مظلومیت	342

118-	ربیع الاول 38ھ: نہروان کی تیاری اور امت کی مظلومیت	344
119-	ربیع الاخر 38ھ: نہروان کی جنگ اور امت کی مظلومیت	346
120-	جمادی الاولی تا جمادی الاخری 38ھ (مصر وشام کی سیاسی کشمکش اور عوامی مظلومیت)	348
121-	رجب تا رمضان 38ھ (عدالتی نظام اور انتظامی مسائل عوامی مشکلات اور مظلومیت)	351
122-	شوال تا ذوالحجہ 38ھ: امت کی مجموعی حالت اور مظلوم عوام کا بوجھ	354
123-	سنہ 38ھ کے واقعات کا مختصر خلاصہ مع حوالہ جات	357
124-	محرم الحرام تا ذوالحجہ سنہ 39ھ کے اہم واقعات	358
125-	محرم الحرام 39ھ مصر کی صورتحال اور حضرت محمد بن ابی بکرؓ کی شہادت	362
126-	حضرت محمد بن ابی بکرؓ (شخصیت، سیرت، اور خلافتِ علیؓ کے ساتھ تعلق)	364
127-	صفر 39ھ (حضرت علیؓ کا مصر پر غم واندوہ اور محمد بن ابی بکرؓ کی مظلوم شہادت)	368
128-	ربیع الاول 39ھ (انبار پر خوارج کا حملہ اور عامۃ المسلمین کی مظلومیت)	370
129-	ربیع الآخر 39ھ: نہروان کے بعد خوارج کی بغاوتیں اور عام مسلمانوں کی مظلومیت	372

130-	جمادی الاولی تا جمادی الاخری 39ھ (شام وعراق کے تعلقات میں شدت اور عوام کی مظلومیت)	375
131-	فتنۂ شام وعراق پس منظر، اسباب اور اثرات	379
132-	رجب تا رمضان 39ھ: بیت المال کی کمزوری اور مالی بحران	382
133-	شوال تا ذوالحجہ 39ھ: امت میں فتنہ وانتشار کا تسلسل	384
134-	خلافتِ راشدہ کا اختتام اور حضرت علیؓ کی شہادت (40ھ)	387
135-	محرم الحرام تا رجب 40ھ (خوارج کی بڑھتی ہوئی شورشیں اور مظلوم عوام کی حالت)	389
136-	رجب 40ھ خوارج کا خفیہ منصوبہ (امت کے قائدین کو شہید کرنے کی سازش)	392
137-	رمضان المبارک 40ھ (حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت: تاریخِ اسلام کا المناک ترین باب)	395
138-	بعد از شہادتِ علیؓ (رمضان 40ھ)	398
139-	شوال تا ذوالحجہ 40ھ امت میں مسلسل انتشار اور خانہ جنگی	401
140-	سنہ 41ھ کے اہم واقعات (محرم وصفر 41ھ: خلافتِ علیؓ کے بعد اضطراب اور اہلِ بیت کی مظلومیت)	404

141-	سنہ 41ھ: ربیع الاول و ربیع الآخر کے واقعات (صلح کی ابتدائی گفت وشنید اور اس کے اثرات)	407
142-	جمادی الاولی و جمادی الاخری 41ھ (کوفہ و بصرہ میں اموی اثر کا غلبہ اور علوی وفاداروں کی محرومی)	409
143-	رجب وشعبان 41ھ: امام حسنؓ پر قاتلانہ حملے اور مظلومیت کے سنگین لمحات	412
144-	رمضان 41ھ: صلح امام حسنؓ اور خلافت سے دستبرداری	414
145-	شوال و ذیقعدہ 41ھ (حضرت معاویہؓ کی سیاسی گرفت اور علوی حامیوں کی محرومیت)	417
146-	ذوالحجہ 41ھ: سَنَۃُ الجماعۃ اور اہلِ بیتؓ کی مظلومیت	419
147-	خلاصۂ مظلومیت: سنہ 41ھ کے حالات کا جامع جائزہ	421
148-	سنہ 41ھ: صلح، اجتماعِ امت اور مظلومیتِ اہلِ بیتؓ	424
149-	محرم وصفر اسلامی سنہ 42ھ کے اہم واقعات (سیاسی حالات کی تشکیل)	427
150-	ربیع الاول و ربیع الآخر 42ھ (انتظامی تبدیلیاں اور مظلومیت کے اثرات)	429
151-	جمادی الاولی و جمادی الاخری 42ھ (فوجی سرگرمیاں اور اہلِ عراق کی مظلومیت)	432

152-	رجب وشعبان 42ھ داخلی سیاست اور اہلِ بیت کی مظلومیت	434
153-	رمضان المبارک 42ھ (حکومتی اقدامات اور اہلِ بیت کے وفاداروں کی محرومی)	436
154-	شوال و ذوالقعدہ 42ھ (سیاسی گرفت کی مضبوطی اور اہلِ بیتؓ کے حامیوں کی مظلومیت)	439
155-	ذوالحجہ 42ھ: حج کے ایام میں اہلِ بیتؓ پر نگرانی اور مظلومیت کا باب	441
156-	سنہ 42ھ کا مجموعی جائزہ (اموی اقتدار کا استحکام اور اہلِ بیت اطہارؓ کی مظلومیت)	443
157-	محرم وصفر اسلامی سنہ 43ھ کے اہم واقعات	446
158-	ربیع الاول وربیع الآخر 43ھ: امام حسنؓ اور اہلِ بیت کی نگرانی	448
159-	جمادی الاولی و جمادی الاخری 43ھ: مصر میں سیاسی کشمکش	451
160-	رجب وشعبان 43ھ: فوجی اقدامات اور سیاسی ترجیحات	453
161-	رمضان المبارک 43ھ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا کردار اور کوفہ کی کیفیت	455
162-	شوال و ذوالقعدہ 43ھ (حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا وصال اور اہلِ بیتؓ کی مظلومیت کا نیا باب)	458
163-	ذوالحجہ 43ھ: حج کے ایام اور اہلِ بیتؓ کی نگرانی	461

164-	خلاصہ ونتائج (اسلامی سنہ 43ھ) (خلافتِ معاویہؓ کی مضبوطی اور اہلِ بیتؓ کی مظلومیت)	463
165-	سنہ 44ھ کے اہم واقعات کا مختصر خاکہ (اموی استقرار اور اہلِ بیت کی مظلومیت)	466
166-	محرم وصفر 44ھ: اہلِ بیت کی مظلومیت اور اموی سیاست کی سختیاں	469
167-	ربیع الاول وربیع الآخر 44ھ (اموی انتظامی اصلاحات اور اہلِ بیت کی مظلومیت)	472
168-	جمادی الاولی و جمادی الاخری 44ھ (اموی فتوحات اور اہلِ بیت کے جانثاروں کی مظلومیت)	475
169-	رجب وشعبان 44ھ (اہلِ بیتِ اطہار کی مظلومیت اور امام حسن مجتبیٰؓ پر بڑھتی ہوئی سختیاں)	478
170-	رمضان المبارک 44ھ (بیت المال کی مرکزیت اور اہلِ بیت کی معاشی مظلومیت)	481
171-	شوال وذوالقعدہ 44ھ (اہلِ بیت کے وفاداروں پر سخت انتظامی اقدامات اور مظلومیت)	484
172-	ذوالحجہ 44ھ: موسمِ حج میں اہلِ بیتؓ پر سخت نگرانی اور مظلومیت	487
173-	خلاصۂ مظلومیتِ اہلِ بیت واصحاب وفادار (44ھ)	490

أحكام يوم الشك
تالیف
مکتبہ حکیم الامت

المساعی المرغوبہ
فی
الدعاء بعد المکتوبہ
مکتبہ حکیم الامت

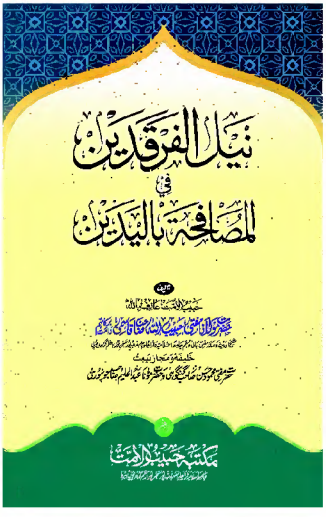
نیل الفرقدین
فی
المصافحۃ بالیدین
مکتبہ حکیم الامت

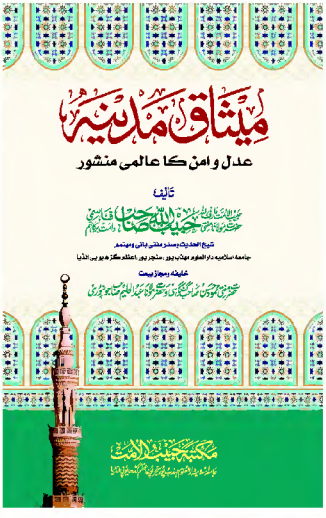
میثاق مدینہ
عدل و امن کا عالمی منشور
تالیف
مکتبہ حکیم الامت

افتتاحیہ

(اسلام کی مظلوم شخصیات جلد دوم)

(سنہ 21ھ تا 44ھ کے سیاسی، عسکری اور اخلاقی المیوں پر ایک ادبی و محققانہ مقدمہ)

مسلمانو! ہم وہ قوم ہیں جس نے اپنے زخموں سے تاریخ لکھی، کبھی نیزوں کی اَنیاں، کبھی اپنوں کی جفائیں! ''اسلام کی ابتدائی نصف صدی، ظاہراً فتوحات کا دور تھی، مگر باطناً ایسے طوفانوں سے لبریز کہ جن کے ورق پلٹتے ہوئے دل دہل جاتا ہے۔ یہی تاریخی زلزلے، یہی داخلی طغیانیاں، اور یہی بے آواز سسکیاں اس کتاب ''**اسلام کی مظلوم شخصیات جلد دوم**'' کا بنیادی محور ہیں۔ **یہ جلد سنہ 21ھ تا 44ھ کے وہ چوبیس سال سمیٹے ہوئے ہے**، جن میں بظاہر خلافت کی چمک تھی، مگر درونِ خانہ ظلم، سازشوں، سیاسی کھچاؤ اور خونِ مسلم کی ارزانی اپنے عروج پر تھی، یہ وہ دور ہے جب امّت کے دامن پر ایسے دھبّے لگے جنہیں پڑھ کر انسان کو یہ جملہ کہنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے: ''**اسلام کو جتنا نقصان خود مسلمانوں نے پہنچایا، دشمنانِ اسلام بھی اتنا نہ پہنچا سکے!**'' مظالم کی سنگینی اموی اقتدار کی چھاؤں میں کچلے گئے انسان فتوحات کی چمک دمک کے پیچھے وہ ستم بھی دفن تھے جو عام مسلمانوں، اہلِ بیتِ اطہارؓ اور ان کے محبین پر ڈھائے گئے۔ یہ صرف تاریخ نہیں؛ یہ عہدِ مظلومیت کی وہ داستانیں ہیں جو صفحوں پر

نہیں، انسانیت کے جگر پر لکھی گئیں۔ شاعر کے الفاظ میں:

ستم کی دھوپ میں جلتے رہے بدن کتنے خموش رہ کے بھی لکھ دی گئی فغاں کتنی!

حضرت عمرؓ کی شہادت سے حضرت عثمانؓ کی خلافت تک: آغازِ بحران: سنہ 23ھ میں حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد امت ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی۔ خلافت سیدنا عثمان غنیؓ کے سپرد کی گئی جنہوں نے بارہ برس عدالت وسخاوت کے چراغ روشن رکھے۔ لیکن فتنے کے بادل گھلنے لگے، **جب مروان بن حکم کو حضرت عثمانؓ کا مشیر اور کاتب مقرر کیا گیا۔** تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ: خطوط، احکام اور انتظامی فیصلے بعض اوقات خلیفۂ وقت تک صحیح نہ پہنچتے، بڑے بڑے معاملات دارالخلافہ سے پوشیدہ رکھے گئے، اور مروان اپنی سیاسی چالوں میں لگا رہا۔ یہی وہ راستہ تھا جو بالآخر 35ھ کے المناک سانحے تک جا پہنچا، جب گھر کے محاصرے کے بعد قرآن پڑھتے ہوئے حضرت عثمان بن عفانؓ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ایسے وقت میں وہی شعر بے ساختہ لبوں پر آتا ہے: ''چلی تھیں سازشیں جب اہلِ خانہ ہی سے، ستم یہ کس نے کیا؟ کس نے رہنمائی کی؟

عبداللہ بن سبا فتنہ کی پہلی چنگاری: سنہ 32ھ سے یہ منافق، یہود النسل ملعون مختلف علاقوں میں گھوم کر صحابہ کے خلاف پروپیگنڈہ، نئی فکری گمراہیاں، اور سیاسی انتشار کے بیج بوتا رہا۔ تاریخ نے اسے ناکام کہا، مگر اس کا پھیلایا ہوا زہر امت کو آج تک بھگتنا پڑ رہا ہے۔

حضرت علیؓ کا دور شمشیروں کی آگ میں جلتی خلافت: حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت حضرت علی مرتضیٰؓ کو منتقل ہوئی، مگر: نہ اپنوں نے سکون دیا، نہ غیروں نے موقع دیا، اور نہ حالات نے فرصت دی۔ مدینہ چھوڑ کر کوفہ منتقل ہونا پڑا؛ جنگِ جمل و صفین کے معرکے ہوئے؛ دس ہزار سے زیادہ مسلمان شہید کیے گئے؛ اور امت کی تاریخ خون سے رنگ گئی۔ آخر کار 19 رمضان 40ھ کو خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے زہریلی تلوار سے وہ ضرب لگائی جس کا اثر 21 رمضان کو شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ کیا دل نہیں لرز جاتا جب سنیں؟

وہ پیشانی جس کو دیکھ کر رحمت بھی ناز کرے اسی پہ ضرب لگی اور امت تڑپ کے رہ گئی!

حضرت حسنؓ صلح کا تاج اور امت کی بے وفائی: رسول اللہ ﷺ کے نواسے، صلح کے وارث، حلم و حکمت کے امیر لیکن امت نے ان کے ساتھ بھی وہی کیا جو تاریخ آج تک شرمندہ ہو کر لکھتی ہے۔ انہیں مجبور کیا گیا، دھوکے دیے گئے، اور بالآخر خلافت سے دستبردار ہونا پڑا تاکہ خونِ مسلم رک جائے۔

شہداء و مظلومین وہ نام جو آنسوؤں سے لکھے جاتے ہیں: اس جلد میں آپ پڑھیں گے کہ: سیدنا محمد بن ابی بکر صدیقؓ کو کیسے بے دردی سے شہید کیا گیا؟ کس کے اشارے پر ان کی لاش کو گدھے کی کھال میں لپیٹ کر جلایا گیا؟ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی پر کیا ظلم ہوئے؟ سیدنا ابوذر غفاریؓ کو کن حالات میں ربذہ کے ریگستان میں تنہا چھوڑا گیا؟ کس طرح سعد بن عبادہؓ کا قتل سیاسی پردوں کے پیچھے گم

کردیا گیا؟ خوارج کا فتنہ کیسے پروان چڑھا؟ جنگِ نہروان کے خونی مناظر کیا تھے؟ اور پھر وہ لرزہ خیز شب لیلۃ الہریر جس کی ہولناکی سنبھالے نہیں سنبھلتی! یہ سب کچھ پڑھتے ہوئے دل پر پتھر رکھنا پڑتا ہے۔

نتیجہ یہ تاریخ نہیں، آئینہ ہے: یہ جلد صرف ظلم کی داستانیں نہیں، بلکہ یہ امت کو جگانے کا سامان ہے۔ یہ وہ آئینہ ہے جس میں ہم اپنی کمزوریوں، اپنے داخلی زخموں اور اپنے باہمی اختلافات کی تباہ کاریوں کو پہچان سکتے ہیں۔ بزرگ شاعر نے کیا سچ کہا تھا:

تاریخ کے اوراق پہ لکھی ہوئی سطریں انساں کے لہو سے یہ کتابیں بھیگیں!

پس ان حقائق کو جاننا، سمجھنا، اور ان سے سبق لینا ہر مسلمان کا فریضہ ہے تاکہ امت دوبارہ وہی غلطیاں نہ دہرائے جو کبھی اسے بکھیر کر رکھ گئیں۔ یہ افتتاحیہ اس جلد کے لئے ایک دروازہ ہے، ایک ایسا دروازہ جو پڑھنے والے کو ان مظلوم روحوں کی طرف لے جاتا ہے، جنہوں نے اسلام کے نام پر سب کچھ قربان کیا، مگر تاریخ نے جنہیں انصاف نہ دیا۔ **اللھم ارحمھم، واغفر لھم، وسکنھم فی الجنۃ یا ارحم الراحمین آمین.**

حررہ

مفتی حبیب اللہ قاسمی

خادم الحدیث والافتاء، مؤسس ورئیس

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور اعظم گڑھ یوپی انڈیا

تاریخ: 24/جمادی الاولی 1447ھ مطابق: 16/نومبر 2025ء، یوم الاحد (یکشنبہ)

سنہ 21 ہجری کے اہم واقعات

خلافتِ فاروقی کے سنہری ایام: اسلامی تاریخ کے سنہری ابواب میں خلافتِ فاروقیؓ (13ھ 23ھ) کا دور اپنی عظمت و شان، عدل و انصاف، اور فتوحات و اصلاحات کے اعتبار سے نمایاں اور ناقابلِ فراموش ہے۔ یہی وہ ایام تھے جن میں اسلام کی کرنیں مشرق و مغرب میں پھیلیں، ظلم و جبر کے ایوان لرز گئے اور مظلوم انسانیت نے عدل و رحمت کا سایہ پایا۔ مگر انہی فتوحات اور معرکوں میں وہ عظیم ہستیاں بھی جلوہ گر ہوئیں جنہوں نے اپنے خونِ ناحق سے تاریخِ اسلام کے اوراق کو سرخ کیا، اور اسلام کی مظلوم شخصیات کے طور پر قیامت تک یادگار بن گئیں۔

خلافت فاروقیؓ کی جھلک: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت وہ مبارک دور ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إن الله جعل الحق على لسان عمر وقلبه** (ترمذی، حدیث: 3682)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان اور دل پر حق جاری فرمایا۔ اسی حق گوئی اور عدل گستری کا نتیجہ تھا کہ محض دس برسوں میں اسلامی سلطنت جزیرۂ عرب سے نکل کر ایران، شام، مصر اور روم کے وسیع و عریض علاقوں تک پھیل گئی۔ لیکن یہ توسیع محض عسکری فتح نہ تھی، بلکہ ظالم طاقتوں کے جبر سے مظلوم رعایا کو نجات اور عدلِ فاروقیؓ کے زیرِ سایہ ایک نئی زندگی دینے کا عمل تھا۔

سنہ 21 ھجری کے اہم واقعات: اس سال کئی معرکے اور فتوحات پیش آئیں جن میں اسلامی لشکر نے جان و مال کی عظیم قربانیاں دیں۔ ان میں سب سے نمایاں یہ ہیں:

1-معرکہ نہاوند (ذی القعدہ 21ھ) جسے فتح الفتوح کہا گیا۔ اس جنگ میں اسلامی لشکر کے عظیم سپہ سالار حضرت نعمان بن مقرنؓ شہید ہوئے۔ (تاریخ طبری، ج4، ص112؛ البدایہ والنہایہ، ج7، ص47)۔

2-فتح آذربائیجان (ذی الحجہ 21ھ) حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی قیادت میں۔ یہاں کے عوام صدیوں سے حکمرانوں کے ظلم و استبداد کا شکار تھے، مگر معاہدۂ اسلام کے تحت انہیں امن و عدل نصیب ہوا (فتوح البلدان، ص293؛ الکامل فی التاریخ، ج3، ص110)۔

3-فارس کے مختلف علاقوں میں جھڑپیں (ذی الحجہ 21ھ تا ربیع الاول 22ھ) نہاوند کے بعد ایرانی افواج نے جگہ جگہ مسلمانوں پر حملے کیے، جن میں بے شمار جانثار مجاہدین شہید ہوئے۔ یہ سب مظلومینِ اسلام تھے جو کلمۂ حق کی خاطر اپنی جانیں قربان کر گئے (الکامل، ج3، ص109)۔

4-مصر کی فتوحات (اواخر 21ھ تا اوائل 22ھ) حضرت عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں۔ یہاں رومیوں کے جابرانہ ٹیکس اور مذہبی ظلم کے ستائے ہوئے قبطی عیسائیوں کو اسلام کے زیرِ سایہ راحت ملی (الکامل، ج3، ص118)۔

مظلوم اور ظالم کا تقابل: ظالم: ساسانی سلطنت، رومی سلطنت، مقامی حکمران

اور مذہبی پیشوا، جنہوں نے عوام پر ٹیکس، غلامی اور مذہبی جبر کی انتہا کر رکھی تھی۔

مظلوم: 1- وہ مقامی عوام جو ان سامراجی قوتوں کے ظلم تلے پس رہے تھے۔

2- وہ جانثار مجاہدین و صحابہ کرامؓ جو اسلام کے پیغامِ عدل و مساوات کی خاطر اپنی جانیں قربان کرتے رہے، جیسے حضرت نعمان بن مقرنؓ۔

شہداء کی مظلومیت اور اسلام کی سربلندی: معرکہ نہاوند میں حضرت نعمان بن مقرنؓ کی شہادت تاریخِ اسلام میں ایک روشن باب ہے۔ انہوں نے اپنے خون سے ثابت کیا کہ اسلام کی سربلندی صرف وعظ و تلقین سے نہیں بلکہ مظلومیت کے زخم سہنے اور جان کی قربانی دینے سے ہوتی ہے۔ آپ کے متعلق ابن کثیر لکھتے ہیں: **كانت وقعة نهاوند فتح الفتوح، وفيها استشهد الأمير نعمان بن مقرن** (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 47)۔ یعنی نہاوند کا معرکہ فتح الفتوح تھا اور اسی میں سپہ سالار حضرت نعمان بن مقرنؓ شہید ہوئے۔

نتیجہ: یوں سنہ 21 ہجری خلافت فاروقیؓ کا ایک ایسا سال ہے جس میں ظالم قوتوں کے ایوان ٹوٹے۔ مظلوم عوام کو نجات ملی۔ اور اسلام کی مظلوم شخصیات، خصوصاً حضرت نعمان بن مقرنؓ اور دیگر شہداء نے اپنے خون سے تاریخ کو سرخ کر دیا۔ یہی وہ مظلومیت ہے جس نے اسلام کو عروج دیا اور انسانیت کو عدل و انصاف کے سایہ میں سکون عطا کیا۔

مستند مصادر: 1- تاریخ الطبری (ج 4، ص 120-112)۔ 2- البدایہ

والنہایہ، ابن کثیر (ج 7، ص 52-47)۔ 3- الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر (ج 3، ص 118-109)۔ 4- فتوح البلدان، بلاذری (ص 300-290)۔

معرکہ نہاوند اور شہادتِ حضرت نعمان بن مقرنؓ

پس منظر: ایران کی ساسانی سلطنت کئی صدیوں سے اپنی رعایا پر ظلم و جبر اور طبقاتی استبداد کی چکی چلا رہی تھی۔ آتش پرست مذہبی پیشوا، جابرانہ ٹیکس، غلامی اور استحصالی نظام نے عوام کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ خلافت فاروقی کے عہد میں جب اسلامی لشکر عدل و مساوات کا پیغام لے کر ایران کی سرزمین پر داخل ہوا تو اہلِ فارس نے یہ سمجھ لیا کہ اب ان کے جبر و استبداد کے دن گنے جا چکے ہیں۔ اسی پس منظر میں ذی القعدہ (21ھ 642ء) میں نہاوند کے مقام پر ایک عظیم معرکہ پیش آیا، جسے تاریخ میں فتح الفتوح کہا گیا (تاریخ طبری، ج 4، ص 112، مطبوعہ دار التراث، بیروت 1387ھ)۔

لشکرِ اسلام کی روانگی: امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب یہ خبر سنی کہ ایرانی سلطنت اپنی باقی ماندہ قوت کو جمع کر کے مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ کی تیاری کر رہی ہے تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ ایک عظیم لشکر تیار کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا جائے۔ اس لشکر کی قیادت ایک جلیل القدر صحابی، اہلِ بدر میں شامل، بہادر مجاہد حضرت نعمان بن مقرن المزنیؓ کے سپرد کی گئی (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 47، مطبوعہ دار الفکر، بیروت 1407ھ)۔

معرکہ نہاوند: جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو مسلمانوں کی تعداد تقریباً 30 ہزار تھی جبکہ ایرانی فوج کی تعداد ایک لاکھ سے زائد بیان کی گئی ہے (الکامل فی التاریخ، ج3، ص109، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت 1415ھ)۔ حضرت نعمانؓ نے معرکہ سے قبل لشکر کو خطبہ دیا اور فرمایا: اے مسلمانو! آج تمہارے لیے جنت کے دروازے کھلنے والے ہیں، اگر میں شہید ہو جاؤں تو قیادت فوراً حضرت حذیفہؓ کے سپرد کرنا (تاریخ طبری، ج4، ص113)۔ جنگ کا آغاز ہوا، دونوں طرف سے تیروں کی بارش ہوئی، تلواریں ٹکرائیں اور ایک وقت ایسا آیا کہ دشمن پسپا ہونے لگا۔ لیکن اسی اثناء میں حضرت نعمانؓ آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے ذی القعدہ 21ھ میں شہید ہو گئے (البدایہ والنہایہ، ج7، ص47)۔

شہادتِ نعمان بن مقرنؓ: آپ کی شہادت نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ مظلومیت کی لازوال داستان ہے۔ آپ ایک ایسے وقت میں شہید ہوئے جب اسلام فیصلہ کن کامیابی کے قریب تھا۔ آپ نے اپنی جان قربان کر کے اس فتح کو امر کر دیا۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: **کانت وقعة نهاوند فتح الفتوح، وفيها استشهد الأمير نعمان بن مقرن** (الکامل، ج3، ص109)۔ یعنی نہاوند کا معرکہ فتح الفتوح تھا اور اسی میں امیر لشکر حضرت نعمان بن مقرنؓ شہید ہوئے۔

نتیجۂ معرکہ: مسلمانوں کو عظیم فتح حاصل ہوئی۔ ایران کی ساسانی سلطنت کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اس کے بعد وہ کبھی طاقتور ہو کر کھڑی نہ ہو سکی۔ رعایا نے صدیوں کے ظلم سے نجات پائی اور اسلامی عدل و انصاف کے زیرِ سایہ نئی زندگی حاصل

کی۔حضرت عمر فاروقؓ کو جب حضرت نعمانؓ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ رو پڑے اور فرمایا: اللہ کی قسم! نعمان جیسے سپاہی کم پیدا ہوتے ہیں (البدایہ والنہایہ، ج7،ص48)۔

خلاصہ و نتائج: 1-معرکہ نہاوند خلافت فاروقی کے عظیم معرکوں میں سے ہے، جسے فتح الفتوح کہا گیا۔2-اس میں اسلام کے عظیم مجاہد اور مظلوم شہید حضرت نعمان بن مقرنؓ نے اپنی جان قربان کی۔3-یہ شہادت اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام کی سربلندی مظلومیت کے زخم سہنے اور خون دینے سے ہوئی۔4-ایرانی عوام ساسانی جبر وظلم سے نجات پا کر اسلامی عدل وانصاف کے زیر سایہ آ گئے۔5-سنہ 21ھ تاریخِ اسلام میں ایک ایسا سال ہے جس نے اسلام کے مظلوم شہداء کو قیامت تک کے لیے امر کر دیا۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، ابن جریر طبری، ج4،ص 113-112، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر دمشقی، ج 7،ص 48-47، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری، ج 3،ص 110-109، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ۔4-فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ بلاذری،ص 295-293، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت، 1988ء۔

آذربائیجان کی فتح اور رعایا کی نجات

پس منظر: آذربائیجان کا علاقہ قفقاز کے سلسلہ کوہ اور بحیرہ قزوین کے

کنارے ایک زرخیز خطہ تھا، جو اس وقت ساسانی سلطنت کے زیر اثر تھا۔ یہاں کے حکمران عوام پر بھاری ٹیکس عائد کرتے، زرعی پیداوار اور تجارت پر سخت جزیہ لیتے اور رعایا کو غلاموں کی طرح جکڑ کر رکھتے تھے۔ عوام ظلم و استبداد کی چکی میں پس رہے تھے اور نجات کی راہ دیکھ رہے تھے۔ جب معرکہ نہاوند (ذی القعدہ 21ھ) میں مسلمانوں کو فیصلہ کن کامیابی حاصل ہوئی تو اس کے فوراً بعد آذربائیجان کی طرف لشکر روانہ کیا گیا تاکہ وہاں کے عوام کو ظالمانہ نظام سے آزاد کیا جائے (تاریخ طبری، ج4، ص122، مطبوعہ دار التراث، بیروت 1387ھ)۔

لشکرِ اسلام کی روانگی: امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو حکم دیا کہ وہ آذربائیجان کی طرف متوجہ ہوں اور وہاں کے حکمرانوں سے عدل و انصاف پر مبنی معاہدہ کریں۔ ان کے ساتھ کئی جلیل القدر صحابہؓ شامل تھے۔ یہ لشکر ذی الحجہ 21ھ میں وہاں پہنچا (فتوح البلدان، ص293، مطبوعہ دار و مکتبۃ الہلال، بیروت 1988ء)۔

اہلِ آذربائیجان کی حالت: بلاذری اور ابن اثیر لکھتے ہیں کہ اہلِ آذربائیجان مسلسل ظلم و ستم کے تحت زندگی گزار رہے تھے۔ کاشتکاروں سے پیداوار کا بڑا حصہ جبراً چھین لیا جاتا۔ مذہبی آزادی سلب تھی، جو زرتشتی مذہبی پیشوا چاہیں حکم دیتے۔ مقامی عوام کو محض فوجی قوت اور حکمرانوں کے مفاد کے لیے استعمال کیا جاتا (الکامل فی التاریخ، ج3، ص111، دار الکتب العلمیۃ، بیروت 1415ھ)۔ ایسے حالات میں اسلامی لشکر کو محض فاتح

فوج نہیں بلکہ نجات دہندہ قوت کے طور پر دیکھا گیا۔

معاہدۂ عدل وانصاف: حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے اہلِ آذربائیجان سے صلح کی اور ایک تحریری معاہدہ طے کیا، جس میں درج ذیل نکات شامل تھے: 1- رعایا پر ظلم اور ناجائز ٹیکس ختم کیے جائیں گے۔ 2- جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے گی۔ 3- ان کی زمین اور جائیداد انہی کی ملکیت میں رہے گی۔ 4- محض مناسب اور مقررہ خراج لیا جائے گا، جو رعایا کی استطاعت کے مطابق ہوگا (فتوح البلدان، ص294؛ البدایہ والنہایہ، ج7، ص51)۔ یہ معاہدہ اسلامی عدل وانصاف کی روشن مثال ہے۔ رعایا نے اسلام کے اس سلوک کو رومیوں اور ساسانیوں کے ظلم سے بالکل مختلف پایا، اور دلوں میں اطمینان محسوس کیا۔

مظلوم رعایا کی نجات: اس فتح کے نتیجے میں آذربائیجان کے عوام صدیوں کے جبر واستبداد سے آزاد ہوئے۔ انہیں مذہبی آزادی اور معاشی سکون نصیب ہوا۔ وہ اپنے آپ کو اسلام کے عدل وانصاف کے زیرسایہ ایک نئی زندگی کی طرف بڑھتا ہوا پانے لگے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: **دخل أهل أذربيجان في صلح المسلمين، فكانوا في أمن وعدل بعد ظلم وجور** (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 51)۔ یعنی اہلِ آذربائیجان مسلمانوں کے ساتھ صلح میں داخل ہوئے، اور وہ ظلم وجور کے بعد امن وعدل میں آ گئے۔

خلاصہ ونتائج: 1- آذربائیجان کی فتح اسلامی لشکر کے ہاتھوں ذی الحجہ 21ھ

میں مکمل ہوئی۔2-اس فتح میں خونریزی کے بجائے عدل پر مبنی معاہدہ طے پایا، جس نے عوام کو ظالمانہ نظام سے نجات دی۔3-یہ واقعہ اس حقیقت کا شاہد ہے کہ اسلام محض تلوار سے نہیں بلکہ عدل وانصاف اور رعایا کی خیر خواہی سے پھیلا۔4-صحابہ کرامؓ نے رعایا کے ساتھ مظلوموں کی طرح ہمدردی کی اور ان پر رحم فرمایا۔5-یہ واقعہ اسلام کی مظلوم شخصیات کے ضمن میں اس پہلو سے شامل ہے کہ یہاں کے عوام ظلم سہتے سہتے مظلوم بن چکے تھے، اور اسلام کے زیر سایہ انہیں حقیقی آزادی نصیب ہوئی۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، ابن جریر طبری، ج 4، ص 122، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر دمشقی، ج 7، ص 51، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری، ج 3، ص 111، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ۔4-فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ بلاذری، ص 293-294، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت، 1988ء۔

فارس کے شہداء اور مظلوم مجاہدین

پس منظر: معرکہ نہاوند (ذی القعدہ 21ھ) میں ساسانی سلطنت کی کمر ٹوٹ چکی تھی، اور ایران کا دار السلطنت مدائن پہلے ہی مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو چکا تھا۔ لیکن ساسانی سلطنت کے بچے کھچے جرنیل اور ان کے ہمراہ مقامی سردار ہزیمت کے بعد بھی ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ تھے۔ وہ بکھری ہوئی فوجوں کو جمع کرتے، قلعہ بند مقامات

پر مزاحمت کرتے اور کبھی کبھی اچانک حملے کر کے اسلامی لشکر کو شہید کرنے کی کوشش کرتے۔ یہی وہ ایام تھے جن میں اسلام کے کئی مظلوم مجاہدین شہید ہوئے اور اپنے خون سے تاریخ کے صفحات سرخ کر گئے۔

فارس میں جھڑپوں کا آغاز: ذی القعدہ میں نہاوند کی عظیم فتح کے بعد اسلامی لشکر آذربائیجان اور دیگر علاقوں کی طرف متوجہ ہوا، لیکن ذی الحجہ 21ھ سے ربیع الاول 22ھ تک فارس کے مختلف علاقوں میں چھوٹی بڑی جھڑپیں جاری رہیں۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: **بعد نهاوند لم تزل بقايا الفرس تثور هنا وهناک، فيقع بينهم وبين المسلمين وقائع استشهد فيها جماعة من الصحابة والتابعين** (الکامل فی التاریخ، ج3، ص113، دار الکتب العلمیۃ، بیروت 1415ھ)۔ یعنی نہاوند کے بعد فارس کے بچے کھچے لوگ یہاں وہاں بغاوت کرتے رہے، اور ان جھڑپوں میں کئی صحابہ اور تابعین شہید ہوئے۔

شہداء و مظلوم مجاہدین: ان جھڑپوں میں جن صحابہؓ اور مجاہدین نے اپنی جان قربان کی، وہ دراصل اسلام کی مظلوم شخصیات ہیں۔ ان کی شہادت کا پس منظر یہ ہے کہ: وہ مظلوم تھے کہ دشمن کثرت تعداد اور قلعہ بندی کے باوجود ان پر ٹوٹ پڑتے۔ وہ اپنے ایمان، توحید اور عدل کی دعوت کی پاداش میں اپنی جانیں قربان کرتے۔ انہوں نے صبر و ثبات کے ساتھ ظلم سہتے ہوئے جان دی اور اسلام کے پرچم کو بلند رکھا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: **وفي وقائع فارس بعد نهاوند استشهد كثير من**

المسلمین، و کانوا من خیار المجاهدین (البدایہ والنہایہ، ج7، ص52، دارالفکر، بیروت 1407ھ)۔ یعنی نہاوند کے بعد فارس کی جھڑپوں میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے، اور وہ سب بہترین مجاہدین میں سے تھے۔

ظالم اور مظلوم کا فرق: ظالم: ساسانی فوج کے وہ بچے کھچے جرنیل اور حکمران جو شکست کے باوجود رعایا کو ظلم میں جکڑے ہوئے تھے اور اسلامی عدل کو قبول نہ کر کے تلوار کے بل پر بغاوت کرتے رہے۔ **مظلوم:** صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے وہ لشکری جو عدل وانصاف کا پیغام لے کر نکلے تھے، مگر چھوٹے چھوٹے قلعہ بند حملوں میں جامِ شہادت نوش کر گئے۔

شہادت کی عظمت: اسلامی تاریخ کے یہ گمنام شہداء امت کے اصل سرمایہ ہیں۔ ان کا ذکر زیادہ تفصیل سے تاریخ کی کتب میں نہیں ملتا، لیکن یہ خاموش شہداء وہی ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید نے فرمایا: **وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا، بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ** (آل عمران:169)۔ یعنی اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ کی فکر: جب یہ خبریں مدینہ منورہ پہنچیں کہ نہاوند کے بعد فارس میں جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی جھڑپوں میں مسلمان شہید ہو رہے ہیں، تو حضرت عمر فاروقؓ رو پڑے اور فرمایا: **اللهم ارض عنهم، فقد كانوا أنصار الحق** (تاریخ طبری، ج4، ص125، دارالتراث، بیروت 1387ھ)۔ یعنی اے اللہ! ان سے راضی ہو جا، وہ حق کے سچے مددگار تھے۔

خلاصہ و نتائج: 1-معرکہ نہاوند کے بعد فارس میں چھوٹی بڑی جھڑپیں ہوئیں، جو ذی الحجہ 21ھ سے ربیع الاول 22ھ تک جاری رہیں۔ 2-ان جھڑپوں میں بے شمار صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ شہید ہوئے، جو اسلام کی مظلوم شخصیات ہیں۔ 3-یہ شہداء مظلوم تھے کہ قلیل تعداد میں بڑی فوجوں کے مقابل آ کر جان قربان کر گئے۔ 4-ان کی شہادت نے اسلام کے درخت کو خون سے سینچا اور عدل و توحید کا پیغام مضبوط کیا۔ 5-یہ واقعات اس حقیقت کی دلیل ہیں کہ اسلام کی سربلندی صرف بڑی فتوحات سے نہیں بلکہ مظلوم شہداء کی گمنام قربانیوں سے ہے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، ابن جریر طبری، ج 4، ص 125-122، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر دمشقی، ج 7، ص 52-51، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری، ج 3، ص 113-111، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ۔ 4-فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ بلاذری، ص 296-294، دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، 1988ء۔

مصر کی فتوحات اور قبطی عوام کا سکون

خلافتِ فاروقی کے سنہری دور میں اسلامی فتوحات صرف عسکری مظاہرہ نہ تھیں بلکہ عدل، مساوات اور رعایا کی بھلائی کے روشن نقوش بھی ساتھ لاتی تھیں۔ سنہ 21 ھجری (642ء) کا ایک درخشاں واقعہ مصر کی فتح ہے، جس کے نتیجے میں وہاں کی

مظلوم قبطی رعایا صدیوں کی رومی اور مقامی سرداروں کی غلامی اور ظلم سے نجات پا گئی۔

مصر کی فتح کا پس منظر: فارس کی عظیم فتوحات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے حکم پر حضرت عمرو بن العاصؓ (فاتح مصر) نے مصر کی طرف رخ کیا۔ اس وقت مصر رومی (بیزنطینی) سلطنت کے تسلط میں تھا اور قبطی عوام ظلم و جبر کی چکی میں پس رہے تھے۔ ابن کثیر بیان کرتے ہیں: **سار عمرو بن العاص إلى مصر في سنة عشرين، واستكمل فتحها في سنة إحدى وعشرين** (البدایہ والنہایہ، ج7، ص54، دار الفکر، بیروت 1407ھ)۔ یعنی حضرت عمرو بن العاصؓ سنہ 20ھ میں مصر کی طرف روانہ ہوئے اور 21ھ میں فتح مکمل کی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے ربیع الاول 20ھ میں لشکر کے ساتھ مصر میں قدم رکھا۔ اہم معرکہ عین شمس (Heliopolis) میں ہوا، جس میں رومی فوج کو شکست فاش ہوئی۔ ربیع الثانی 21ھ میں بابِ یرموک (بابلیون کا قلعہ) مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔ اسی سال کے وسط میں الاسکندریہ (Alexandria) بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور فتح مکمل ہوئی (تاریخ الطبری، ج4، ص148-145، دار التراث، بیروت 1387ھ)۔

قبطی عوام کی مظلومیت: قبطی عوام کی حالت مصر میں نہایت ابتر تھی: 1- رومی حکمرانوں نے ان پر ناقابلِ برداشت ٹیکس عائد کر رکھے تھے۔ 2- مذہبی آزادی سلب تھی، یہاں تک کہ قبطی پادریوں کو جلاوطن کیا گیا۔ 3. عام عوام کو غلاموں کی طرح استعمال کیا جاتا۔ ابن عبد الحکم لکھتے ہیں: **وكان القبط تحت الروم في بلاء شديد من ظلمهم، حتى جاء الله بالإسلام فأنقذهم** (فتوح مصر والمغرب،

ص132، دارالفکر، بیروت 1996ء)۔ یعنی قبطی رومیوں کے ظلم وستم میں مبتلا تھے، یہاں تک کہ اسلام آیا اور انہیں نجات ملی۔

فاتحین کی عدل پر مبنی پالیسی: حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر میں داخل ہو کر اعلان کیا کہ کسی پر ظلم نہ کیا جائے۔ ٹیکس (جزیہ) صرف استطاعت رکھنے والوں پر ہوگا، عورتوں، بچوں اور کمزوروں پر نہیں۔ قبطیوں کے گرجے محفوظ رہیں گے اور ان کے مذہب پر جبر نہیں ہوگا (الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، ج3، ص120، دارالکتب العلمیۃ، بیروت 1415ھ)۔

مظلوم مجاہدین کی قربانیاں: یہ فتح محض آسانی سے حاصل نہ ہوئی بلکہ اس میں کئی مظلوم صحابہ وتابعینؒ نے جانیں قربان کیں۔ عین شمس اور بابلیون کی لڑائیوں میں اسلامی لشکر کو شدید مزاحمت کا سامنا ہوا۔ کئی صحابہؓ نے اسلام کے علم کو بلند رکھنے کے لئے جامِ شہادت نوش کیا۔ یہ وہی اسلام کی مظلوم شخصیات ہیں جنہوں نے صبر وثبات کے ساتھ ظلم سہتے ہوئے بھی اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی جانیں قربان کیں۔

ظالم اور مظلوم کا فرق: ظالم: رومی حکمران اور ان کے گورنر جو قبطی رعایا پر ظلم ڈھاتے اور اسلامی لشکر پر بغاوت کرتے۔ **مظلوم:** ایک طرف قبطی عوام جو ظلم سے نجات کے متلاشی تھے۔ دوسری طرف وہ مجاہدین اسلام جنہوں نے عدل کے قیام کے لئے اپنی جانیں پیش کیں۔

قبطی عوام کا سکون: فتح کے بعد قبطیوں نے سکھ کا سانس لیا۔ تاریخ کے اوراق میں درج ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو نجات دہندہ قرار دیا۔ قبطیوں کے بزرگ پادری

نے کہا: **الحمد للہ الذی أنقذنا من الروم بکم** (فتوح مصر والمغرب، ابن عبدالحکم، ص133)۔ یعنی: اللہ کا شکر ہے جس نے تمہارے ذریعے ہمیں رومیوں سے نجات دی۔

خلاصہ و نتائج: 1-مصر کی فتح سنہ 21ھ میں مکمل ہوئی، جس کی قیادت حضرت عمرو بن العاصؓ نے کی۔ 2-قبطی عوام رومیوں کے ظلم و جبر سے نجات پا کر سکون و آزادی سے ہمکنار ہوئے۔ 3-اسلامی لشکر نے عدل، رواداری اور مذہبی آزادی کی بہترین مثال قائم کی۔ 4-کئی صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے جامِ شہادت نوش کر کے اسلام کی مظلوم شخصیات کا عملی نمونہ پیش کیا۔ .5 یہ فتح اسلام کی اس عالمگیر خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ مظلوموں کا سہارا اور ظالموں کے خلاف ڈھال ہے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، ابن جریر طبری، ج 4، ص 148-145، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر دمشقی، ج 7، ص 56-54، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری، ج 3، ص 122-120، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ۔ 4-فتوح مصر والمغرب، عبدالرحمٰن بن عبدالحکم، ص 136-132، دار الفکر، بیروت، 1996ء۔

طرابلس (لیبیا) کی فتوحات اور شہداء

اسلامی فتوحات کا مقصد زمین پر اللہ کے عدل کا قیام، ظلم کا خاتمہ اور مظلوموں کو نجات دینا تھا۔ خلافتِ فاروقی کے بابرکت عہد میں جہاں مشرق کی وسعتوں تک

اسلام کی روشنی پہنچی، وہیں مغرب کی جانب بھی اسلامی لشکر نے قدم رکھا۔ انہی فتوحات میں سنہ 21 ھجری کی نمایاں جھلک طرابلس (لیبیا) کی فتح ہے، جو نہ صرف ایک عسکری کامیابی تھی بلکہ وہاں کی رعایا کے لئے سکون و آزادی کا پیغام بھی تھی۔

طرابلس کی طرف پیش قدمی: حضرت عمر فاروقؓ کے حکم پر حضرت عمرو بن العاصؓ مصر کی فتح کے بعد مغرب کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ کئی جلیل القدر صحابہ کرامؓ بھی شریک تھے۔ ابن عبدالحکم لکھتے ہیں: **ثم مضى عمرو بن العاص من الإسكندرية يريد برقة وطرابلس، فافتتحهما في خلافة عمر** (فتوح مصر والمغرب، ص168، دارالفکر، بیروت 1996ء)۔ یعنی حضرت عمرو بن العاصؓ اسکندریہ سے برقہ اور پھر طرابلس کی طرف بڑھے اور ان دونوں کو حضرت عمرؓ کے عہد میں فتح کیا۔

برقہ کی فتح: اوائل 21ھ۔ طرابلس کی فتح: اسی سال کے اواخر میں (ربیع الآخر سے جمادی الاولیٰ 21ھ کے درمیان) (تاریخ الطبری، ج4، ص153، دارالتراث، بیروت 1387ھ)۔

قلعہ بند شہر اور مشکل معرکہ: طرابلس ایک ساحلی قلعہ بند شہر تھا۔ رومیوں نے اسے مضبوط دیواروں اور بحری بیڑوں کے ذریعے محفوظ بنا رکھا تھا۔ اسلامی لشکر کئی دن محاصرہ میں رہا۔ پانی اور کھانے کی قلت نے مجاہدین کو آزمائش میں ڈال دیا۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: **وأقام المسلمون على طرابلس شهوراً لا يقدرون عليها، حتى أتاهم رجل من البربر فدلهم على مدخل من البحر** (الکامل فی التاریخ، ج3، ص125، دارالکتب العلمیۃ، بیروت 1415ھ)۔ یعنی مسلمان کئی ماہ تک محاصرہ کرتے رہے،

پھر ایک بربری شخص نے انہیں سمندر کی طرف سے داخلے کا راستہ بتایا۔

شہداء اور مظلوم مجاہدین: محاصرے کے دنوں میں کئی صحابہ اور تابعین شہید ہوئے۔ بعض بھوک و پیاس کی شدت سے جان ہار گئے۔ یہ وہ اسلام کی مظلوم شخصیات ہیں جنہوں نے عدل و ایمان کی راہ میں اپنی جانیں قربان کیں۔ ابن کثیر فرماتے ہیں: **وفی حصار طرابلس استشهد جماعة من خيار أصحاب عمرو بن العاص** (البدایہ والنہایہ، ج7، ص60، دارالفکر، بیروت 1407ھ)۔

ظالم اور مظلوم: ظالم: رومی حکمران اور ان کے حواری، جنہوں نے طرابلس کے عوام پر ٹیکسوں اور جبری بیگار کا بوجھ ڈالا اور انہیں اپنے ظلم سے نجات نہ دی۔ **مظلوم:** ایک طرف مقامی عوام جو رومی جبر کے تلے پس رہے تھے۔ دوسری طرف اسلامی مجاہدین جو قلیل وسائل کے باوجود ظلم کے قلعے گرانے کے لئے اپنی جانیں قربان کر گئے۔

فتح اور رعایا کا سکون: بالآخر مسلمانوں نے ایک خفیہ راستے سے شہر میں داخل ہو کر فتح حاصل کی۔ فتح کے بعد نہ صرف ظلم کا بوجھ ہٹا بلکہ رعایا نے پہلی بار عدل کا ذائقہ چکھا۔ قبطی اور بربری باشندوں نے مسلمانوں کا استقبال اس طرح کیا جیسے وہ اپنے نجات دہندہ ہوں۔ ابن عبدالحکم کے الفاظ ہیں: **فلما دخلها المسلمون أقبل إليهم أهلها يسألون الأمان، فرضي عمرو عنهم وكتب لهم كتاباً بالأمان** (فتوح مصر والمغرب، ص169)۔ یعنی جب مسلمان شہر میں داخل ہوئے تو اہلِ طرابلس امان مانگنے آئے، حضرت عمروؓ نے انہیں امان دی اور تحریری معاہدہ کیا۔

خلاصہ ونتائج: 1-طرابلس کی فتح سنہ 21 ہجری میں ہوئی، حضرت عمرو بن العاصؓ اس کے فاتح تھے۔ 2-یہ معرکہ قلعہ بندی اور طویل محاصرے کے باعث نہایت سخت تھا۔ 3-کئی صحابہؓ اور تابعینؒ مظلومانہ طور پر شہید ہوئے، یہ اسلام کی مظلوم شخصیات ہیں۔ 4-ظالم رومی حکمرانوں کے ظلم سے رعایا کو آزادی ملی اور عدل قائم ہوا۔ 5-یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی فتوحات صرف زمین حاصل کرنے کے لئے نہ تھیں، بلکہ مظلوموں کے لئے سکون وآزادی کا ذریعہ تھیں۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ الطبری، ابن جریر طبری، ج 4، ص 155-153، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر دمشقی، ج 7، ص 60-59، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری، ج 3، ص 126-124، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ۔ 4-فتوح مصر والمغرب، عبد الرحمٰن بن عبد الحکم، ص 170-168، دار الفکر، بیروت، 1996ء۔

سجستان وخراسان کی فتوحات اور شہداء

خلافتِ فاروقی کے دور میں اسلامی فتوحات صرف مغرب (مصر وطرابلس) اور وسطی ایران تک محدود نہ رہیں، بلکہ مشرقی سمت میں بھی اسلامی لشکر نے پیش قدمی کی۔ انہی فتوحات میں سنہ 21 ہجری میں سجستان (سیستان) اور خراسان کی جانب ہونے والی مہمات اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ فتوحات دراصل نہ صرف جغرافیائی

وسعت کا مظہر تھیں بلکہ مظلوم رعایا کے لئے عدل وانصاف کی روشنی بھی تھیں۔

پس منظر: معرکہ نہاوند (21ھ) میں ایرانی سلطنت کی مرکزی قوت ٹوٹ گئی تھی۔اس شکست کے بعد مشرقی ایران کے صوبے سجستان، ہرات، نیشاپور اور مرو کے علاقے بھی اسلامی لشکر کے سامنے کھل گئے۔حضرت عمر فاروقؓ نے ان علاقوں کی طرف عبداللہ بن عامر بن کریزؓ (گورنر بصرہ) اور ان کے سردارانِ لشکر کو روانہ کیا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: **ثم وجه عمر بن الخطاب عبد الله بن عامر بن كريز إلى خراسان وسجستان، فافتتح مدناً كثيرة سنة إحدى وعشرين**

(البدایہ والنہایہ، ج7، ص61، دارالفکر، بیروت 1407ھ)۔

ماہ وسال کی تعیین: سجستان (سیستان): ذوالحجہ 21ھ میں وہاں کی بغاوت ختم ہوئی اور علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔خراسان (نیشاپور، مرو، طوس) فتح کے مراحل 21ھ کے آخر اور 22ھ کے اوائل میں مکمل ہوئے (تاریخ الطبری، ج 4، ص162-160، دارالتراث، بیروت 1387ھ)۔

فتوحات کی کیفیت: 1-سجستان (سیستان): یہ علاقہ سرکش حکمرانوں اور ڈاکو گروہوں کا گڑھ تھا۔اسلامی لشکر نے کئی دنوں تک محاصرہ کیا۔بالآخر شہر فتح ہوا اور وہاں کے عوام کو ظلم سے نجات ملی۔ **2-خراسان: نیشاپور:** یہاں کے لوگوں نے سخت مزاحمت کی مگر بالآخر صلح کے ذریعے شہر مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ **مرو:** بغاوت کرنے والوں کو شکست دی گئی اور اہلِ شہر نے معاہدے کے تحت امن قبول کیا۔

مظلوم مجاہدین اور شہداء: ان فتوحات میں اسلامی لشکر کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ کئی صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ بعض شہداء مظلومانہ طور پر قلعہ بندیوں میں بھوک پیاس سے جان ہار گئے، اور بعض دشمن کے بے رحمانہ حملوں میں شہید ہوئے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: **وكانت بخراسان وقائع كثيرة، استشهد فيها كثير من المسلمين، فكانوا شهداء مظلومين** (الکامل فی التاریخ، ج3، ص128، دار الکتب العلمیۃ، بیروت 1415ھ)۔

ظالم اور مظلوم: ظالم: مقامی حکمران اور ایرانی جرنیل، جنہوں نے اپنی رعایا کو جبر و ظلم کے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ وہ اسلامی لشکر کے خلاف بغاوت کرتے اور معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے۔ **مظلوم:** اسلامی مجاہدین جو عدل و توحید کا پیغام لے کر نکلے اور اپنی جانیں قربان کر گئے۔ مقامی عوام جنہیں اسلامی حکومت کے قیام سے پہلی بار عدل و سکون نصیب ہوا۔

رعایا کی نجات اور امن و سکون: جب خراسان اور سجستان اسلام کے زیر سایہ آئے تو رعایا نے ظلم سے نجات پائی۔ نہ صرف ٹیکسوں میں کمی کی گئی بلکہ مذہبی آزادی بھی دی گئی۔ جزیہ صرف طاقتور اور مالداروں پر عائد ہوا، کمزوروں کو معاف کیا گیا۔ بلاذری لکھتے ہیں: **وكان أهل خراسان يذكرون عدل المسلمين بعد جور الأكاسرة، ويعدون ذلك نعمة عظيمة** (فتوح البلدان، ص325، دار و مکتبۃ الہلال، بیروت 1988ء)۔ یعنی خراسان کے لوگ مسلمانوں کے عدل کو کسریٰ کے ظلم کے بعد بڑی نعمت سمجھتے تھے۔

خلاصہ ونتائج: 1-سجستان اور خراسان کی فتوحات سنہ 21 ہجری میں شروع ہوئیں اور 22ھ تک مکمل ہوئیں۔2-ان معرکوں میں اسلامی لشکر کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا، اور بے شمار صحابہؓ وتابعینؒ شہید ہوئے۔3-یہ شہداء دراصل اسلام کی مظلوم شخصیات ہیں، جنہوں نے ظلم سہتے ہوئے بھی ایمان کی شمع کو بجھنے نہ دیا۔4-ظالم حکمرانوں کی جگہ اسلامی عدل نے لے لی اور رعایا نے پہلی بار سکون اور انصاف کا ذائقہ چکھا۔ 5-ان فتوحات نے اسلام کے مشرقی دروازے کھولے اور بعد کے عظیم علمی ودینی مراکز (نیشاپور، مرو، بخارا) کی بنیاد رکھی۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ الطبری، ابن جریر طبری، ج 4، ص 162-160، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر دمشقی، ج 7، ص 63-61، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری، ج 3، ص 130-128، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ۔4-فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ بلاذری، ص 326-324، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت، 1988ء۔

رَیّا اور آرمینیہ کی فتوحات اور شہداء

سنہ 21 ہجری خلافتِ فاروقی کا وہ سنہ ہے جس میں اسلامی فتوحات نے نہ صرف عراق وایران بلکہ مشرق وشمال کی سرزمینوں تک بھی رسائی حاصل کی۔انہی مہمات میں رَیّا (ری) اور آرمینیہ (ارمینیا/ارمینستان) کی فتوحات خاص اہمیت

رکھتی ہیں۔ یہ علاقے طویل عرصہ ساسانی اور بازنطینی حکمرانوں کے ظلم و جبر کے تحت سسکتے رہے تھے۔ یہاں کے باشندے کثرتِ ٹیکس، جبری فوجی خدمات اور مذہبی استبداد کا شکار تھے۔ اسلام کے لشکر کی آمد ان کے لئے عدل و انصاف اور امن و سکون کا پیغام ثابت ہوئی، جبکہ مجاہدینِ اسلام نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے مظلوم شہداء کی تاریخ رقم کی۔

پس منظر: معرکہ نہاوند (فتح الفتوح، 21ھ) کے بعد ساسانی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حکم دیا کہ بقیہ مشرقی و شمالی علاقے بھی اسلامی حکومت میں شامل کئے جائیں۔

ریا (ری): یہ موجودہ ایران کے قریب ایک بڑا صوبہ اور تجارتی مرکز تھا۔

آرمینیہ: بازنطینی و ساسانی سلطنت کے درمیان کشمکش کا میدان، جس کے باشندے دونوں طاقتوں کے جبر سے تنگ آ چکے تھے۔

ریا کی فتح: طبری اور ابن کثیر کے مطابق یہ واقعہ ذی القعدہ 21 ہجری میں پیش آیا (تاریخ الطبری، ج4، ص165؛ البدایہ والنہایہ، ج7، ص65)۔

آرمینیہ کی فتح: معرکہ نہاوند کے فوراً بعد حضرت عمرؓ کے حکم سے 21ھ کے اواخر اور 22ھ کے اوائل میں مہم روانہ کی گئی اور متعدد قلعے فتح ہوئے (الکامل فی التاریخ، ج3، ص132؛ فتوح البلدان، ص330)۔

رَیّا (ری) کی فتح: عبداللہ بن عامرؓ نے حضرت عمرؓ کے حکم پر رَیّا کی طرف لشکر

روانہ کیا۔ اہلِ شہر نے ابتدا میں سخت مزاحمت کی لیکن شکست کے بعد صلح کی۔ صلح نامہ میں یہ درج تھا کہ عوام سے جزیہ وصول ہوگا مگر ان کے جان و مال، عبادت گاہیں اور مذہبی آزادی محفوظ رہے گی۔ کمزور، عورتیں اور راہب جزیہ سے مستثنیٰ ہوں گے۔ بلاذری لکھتے ہیں: **فأمن أهل الرّى على أنفسهم وأموالهم وكنائسهم، ودفعوا الجزية على ما شرط** (فتوح البلدان، ص328، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت 1988ء)۔

آرمینیہ کی فتح: حضرت عمرؓ نے آرمینیہ کی مہم کے لئے سراۃ بن عمرو العبدیؓ اور دیگر جرنیلوں کو بھیجا۔ یہاں کے مقامی حکمرانوں نے قیصرِ روم اور کسریٰ کی مدد سے بغاوت کی۔ مسلمانوں نے قلعہ در قلعہ فتح کیا۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: **ثم سير عمر بن الخطاب سراة بن عمرو إلى أرمينية، فافتتح مدناً وحصوناً، وكان فيها شهداء كثيرون من المسلمين** (الکامل فی التاریخ، ج3، ص132، دار الکتب العلمیۃ، بیروت 1415ھ)۔

مظلوم مجاہدین اور شہداء: ان مہمات میں اسلامی لشکر کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ رَیّا کی لڑائی میں درجنوں صحابہؓ و تابعینؒ شہید ہوئے۔ آرمینیہ میں قلعہ بندیوں کے دوران کئی مجاہدین بھوک اور پیاس سے مظلومانہ طور پر شہید ہوئے۔ دشمن کی غداری اور عہد شکنی کے باعث بھی مسلمان مظلوم بنے۔ یہی شہداء دراصل اسلام کی مظلوم شخصیات ہیں، جنہوں نے عدل و توحید کے پیغام کے لئے جانوں کی قربانی دی۔

ظالم اور مظلوم: ظالم: ساسانی و بازنطینی حکمران جو رعایا پر بے پناہ ٹیکس لگاتے اور ظلم کرتے تھے۔ وہ اسلامی لشکر کے ساتھ معاہدے کر کے توڑ دیتے اور غداری

کرتے۔ **مظلوم:** اسلامی مجاہدین جو عدل وایمان کی خاطر لڑے اور شہید ہوئے۔ مقامی عوام جو ظالم حکمرانوں سے نجات پا کر پہلی بار عدل کے سائے میں آئے۔

رعایا کا سکون اور عدل: اسلامی فتوحات کے بعد عوام نے پایا کہ ٹیکس منصفانہ ہو گئے۔ جان و مال محفوظ ہو گیا۔ مذہبی آزادی دی گئی۔ طبری کے مطابق: **وكان أهل أرمينية يعدّون عدل المسلمين رحمة بعد جور الأكاسرة والقيصر**

(تاریخ الطبری، ج4، ص170، دار التراث، بیروت 1387ھ)۔

خلاصہ و نتائج: 1- رَیّا اور آرمینیہ کی فتوحات سنہ 21 ھجری میں معرکہ نہاوند کے بعد وقوع پذیر ہوئیں۔ 2- ان مہمات میں اسلامی لشکر نے عظیم قربانیاں دیں اور بے شمار مجاہدین شہید ہوئے۔ 3- یہ شہداء مظلوم تھے کہ دشمنوں نے عہد شکنی اور غداری سے ان کا خون بہایا۔ 4- ان فتوحات سے عوام کو ظلم و جور سے نجات اور عدل و سکون نصیب ہوا۔ 5- یہ علاقے بعد میں اسلام کے عظیم علمی و تہذیبی مراکز بنے۔

مصادر و مراجع: 1- تاریخ الطبری، محمد بن جریر طبری، ج4، ص170-165، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر دمشقی، ج 7، ص 67-65، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 3- الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری، ج3، ص134-132، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ۔ 4- فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ بلاذری، ص330-328، دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، 1988ء۔

ماوراءالنہر کی فتوحات اور مظلوم شہداء

اسلامی فتوحات کا دائرہ خلافتِ فاروقیؓ میں جس تیزی سے وسعت اختیار کررہا تھا، وہ تاریخِ انسانی میں عدل وانصاف کے پھیلاؤ کی بےنظیر مثال ہے۔ایران وعراق کے بعد اسلامی لشکر نے اپنی نگاہیں مشرقی سرزمینوں پر ڈالی۔انہی مہمات میں ماوراءالنہر (یعنی دریائے جیحون کے پار کے علاقے موجودہ بخارا، سمرقند، فرغانہ وغیرہ) کی طرف پیش قدمی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہ خطہ قدیم تہذیبوں کا مرکز اور بدترین حکمرانوں کے جبر وظلم کا شکار تھا۔ وہاں کے باشندے بھاری خراج، جبری محنت اور مذہبی جبر میں جکڑے ہوئے تھے۔اسلام کا پیغام ان کے لیے زندگی اور آزادی کی نوید لے کر آیا، مگر اس راستے میں بےشمار مظلوم مجاہدین نے اپنی جانوں کی قربانی پیش کی۔

پس منظر: نہاوند کی فیصلہ کن فتح (ذی القعدہ 21ھ) کے بعد ساسانی سلطنت عملاً بکھر چکی تھی۔حضرت عمر فاروقؓ نے حکم دیا کہ مشرق کی سرحدی بستیوں کو بھی اسلام کے دائرہ میں شامل کیا جائے تاکہ رعایا ظلم سے نجات پاسکے۔اسی حکم کے تحت عبداللہ بن عامرؓ (والی بصرہ) نے اپنے کمانڈروں کو خراسان اور ماوراءالنہر کی طرف بھیجا، ماوراءالنہر کی ابتدائی مہمات کی ابتدا 21 ہجری کے اواخر (ذی الحجہ) میں ہوئی۔عملی فتوحات کا سلسلہ 22 ہجری کے اوائل تک جاری رہا (تاریخ الطبری، ج4، ص172؛ الکامل فی التاریخ، ج3، ص145)۔

ماوراءالنہر کی فتوحات: 1-مرو، ہرات اور بلخ کی فتوحات: حضرت الاحنف بن

قیسؓ کی قیادت میں اسلامی لشکر نے خراسان کے بڑے شہروں کو فتح کیا، جن میں مرو، ہرات، نیشاپور اور بلخ شامل تھے (البدایہ والنہایہ، ج7، ص72)۔

2- بخارا اور سمرقند کی مہم: اگرچہ یہ علاقے بعد میں (24ھ تا 30ھ) مکمل طور پر اسلام کے زیرِ نگیں آئے، لیکن ان کی ابتدائی مہمات کا آغاز حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہو چکا تھا۔ یہاں کے حکمرانوں نے عہد توڑے، مسلمانوں پر شب خون مارے، اور شہداء کی ایک بڑی تعداد وجود میں آئی (فتوح البلدان، ص341)۔

3- ظلم و غداری: ماوراء النہر کے مقامی حکمران مسلمانوں سے صلح کے بعد معاہدے توڑتے، کمین گاہوں میں چھپ کر حملے کرتے، اور اسیر مجاہدین کو شہید کرتے۔ یہی پہلو ان شہداء کو اسلام کی مظلوم شخصیات میں شامل کرتا ہے۔ **مظلوم شہداء:** حضرت عبداللہ بن حازم سلمیؓ کی قیادت میں ایک دستہ بخارا کے قریب دشمن کے گھیرے میں آ گیا، درجنوں مجاہدین شہید ہوئے، بلخ و ہرات کی لڑائیوں میں کئی تابعین شہید ہوئے، جن کے نام ابن کثیر و طبری نے ذکر کئے ہیں۔ یہ شہداء نہ صرف دشمن کے ظلم کا شکار ہوئے بلکہ ان کی شہادت اسلام کے پیغام کے لیے مظلومانہ قربانی کی علامت ہے۔

ظالم اور مظلوم: ظالم: ماوراء النہر کے مقامی جابر حکمران اور ان کے حواری، جو رعایا کو غلام بنائے رکھتے اور معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے۔ **مظلوم:** اسلامی مجاہدین و شہداء، جو ایمان، عدل اور دعوتِ توحید کے لئے اپنی جانیں قربان کر گئے۔ ساتھ ہی وہ عام عوام بھی مظلوم تھے جو حکمرانوں کے ظلم سے نجات کے لئے تڑپ رہے تھے۔

رعایا کا سکون اور اسلامی عدل: اسلامی فتوحات کے بعد: رعایا پر لگائے گئے

بھاری خراج اور جبر وتشدد ختم کیا گیا۔ مذہبی آزادی اور جان و مال کے تحفظ کی ضمانت دی گئی۔ مقامی لوگ عدل وانصاف دیکھ کر اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: **وكان أهل خراسان يعدّون عدل المسلمين رحمة بعد ما ذاقوا من عسف الأكاسرة** (البدایہ والنہایہ، ج7، ص73، دارالفکر، بیروت)۔

خلاصہ ونتائج: 1- ماوراء النہر کی فتوحات کی ابتدا سنہ 21ھ کے اواخر میں ہوئی۔ 2- اسلامی لشکر نے ہرات، مرو، بلخ اور سمرقند کے قریب علاقوں میں کامیابی حاصل کی۔ 3- مقامی حکمرانوں کی غداری سے کئی مجاہدین شہید ہوئے، جو اسلام کی مظلوم شخصیات میں شامل ہیں۔ 4- عوام نے اسلام کے عدل وانصاف کو غنیمت جانا اور ظلم و جور سے نجات پائی۔ 5- یہ خطہ بعد میں اسلام کے عظیم علمی وتہذیبی مراکز میں بدل گیا۔

مصادر ومراجع: 1- تاریخ الطبری، محمد بن جریر طبری، ج4، ص172-170، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج7، ص73-72، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 3- الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، ج3، ص145، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ۔ 4- فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ بلاذری، ص342-340، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت، 1988ء۔

سندھ کی ابتدائی فتوحات اور شہداء

سندھ برِّصغیر کی وہ سرزمین ہے جو قدیم تہذیبوں کا گہوارہ اور حکمرانوں کے

ظلم و جبر کا شکار رہی۔ یہاں کے لوگ ہندو راجاؤں اور مقامی سرداروں کے زیرِ تسلط سخت تکالیف اور معاشی جبر میں مبتلا تھے۔ خلافتِ فاروقی کے عہدِ زرّیں میں اسلامی لشکر جب اس خطے کی طرف متوجہ ہوا تو رعایا کو عدل و انصاف کی نوید ملی، اگرچہ سندھ کی مکمل فتح حضرت عمرؓ کے زمانے میں نہ ہو سکی، مگر ابتدائی معرکے اور فتوحات اسی سنہ میں شروع ہوئیں۔ ان میں کئی مجاہدین نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور شہداء کے قافلے میں شامل ہو کر اسلام کی مظلوم شخصیات کی تاریخ رقم کی۔

پس منظر: نہاوند (ذی القعدہ 21ھ) اور خراسان کی مہمات کے بعد خلافتِ فاروقی کی نگاہیں برِّصغیر کے مغربی دروازے سندھ کی طرف بھی اٹھیں۔ حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزوانؓ اور ان کے جانشینوں کو حکم دیا کہ دریائے سندھ تک کے علاقے میں اسلامی پیغام پہنچائیں۔ یعقوبی اور بلاذری کے مطابق حضرت عمرؓ نے سندھ کے حالات کا سن کر یہ فرمایا: **يا ليت بيننا وبين السند بحراً من نار، فما يبلغه إلينا شيء ولا نبلغه** (تاریخ الیعقوبی، ج2، ص149؛ فتوح البلدان، ص443)۔ اس فرمان میں حضرت عمرؓ کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ جب تک سرحدیں مضبوط نہ ہوں، بڑے معرکوں سے اجتناب کیا جائے۔ لیکن ابتدائی مہمات کا آغاز بہرحال اسی دور میں ہوا۔ سندھ کی طرف ابتدائی اسلامی مہمات کا آغاز 21 ہجری کے اواخر میں ہوا۔ عملی معرکے زیادہ تر 22ھ کے اوائل میں ہوئے (الکامل فی التاریخ، ج3، ص152؛ البدایہ والنہایہ، ج7، ص74)۔

ابتدائی فتوحات: 1- مکران اور دیبل کے قریب علاقے: حضرت عثمان بن

ابی العاصؓ نے اپنے بھائی حکم بن ابی العاص اور حکم بن ابی العاصؓ کے زیرِ کمان دستے روانہ کئے۔ ان دستوں نے مکران، توران اور دیبل کے قریب چھوٹے قلعے فتح کئے۔ اہلِ سندھ نے ابتدا میں سخت مزاحمت کی لیکن جب اسلامی لشکر نے عدل کی ضمانت دی تو کئی بستیوں نے صلح قبول کی (فتوح البلدان، ص 444)۔ **2-بحری مہمات:** بعض مؤرخین نے ذکر کیا کہ مسلمانوں نے پہلی بار عرب کے ساحل سے سندھ کے کنارے پر بحری بیڑا روانہ کیا، مگر وہ محدود تھا (تاریخ الیعقوبی، ج2، ص150)۔

شہداء اور مظلوم مجاہدین: سندھ کی ابتدائی مہمات میں کئی مسلمان شہید ہوئے، خصوصاً وہ دستے جو دیبل کے قریب گھات میں آ گئے۔ ان شہداء کے نام تفصیل سے کتبِ تاریخ میں محفوظ نہیں، لیکن ان کا ذکر بطور مظلوم مجاہدین ہوا ہے۔ دشمن کی غداری اور بدعہدی کے باعث کئی اسیر مجاہدین کو قید کر کے شہید کیا گیا۔ یہ پہلو ان کی مظلومیت کو اور زیادہ نمایاں کرتا ہے۔

ظالم اور مظلوم: ظالم: سندھ کے مقامی راجے اور سردار جو رعایا پر ٹیکسوں اور جبری مشقت کے بوجھ ڈالتے اور اسلامی لشکر سے عہد شکنی کرتے۔ **مظلوم:** اسلامی مجاہدین و شہداء، جنہوں نے عدل و انصاف کے پیغام کے لئے جانیں قربان کیں۔ مقامی رعایا بھی مظلوم تھی جو صدیوں سے ہندو سرداروں کے جبر میں دبی ہوئی تھی۔

رعایا کا سکون اور اسلامی عدل: اسلامی لشکر کے آنے کے بعد رعایا نے دیکھا کہ: انہیں مذہبی آزادی دی گئی۔ عورتوں اور بچوں کو محفوظ رکھا گیا۔ ٹیکس منصفانہ اور رعایا کی استطاعت کے مطابق مقرر ہوئے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: **وكان أهل السند**

یعدّون دخول المسلمین بشارة بالعدل بعد طول ما قاسوه من ظلم ملوکهم (الکامل فی التاریخ، ج3،ص153،دارالکتب العلمیۃ،بیروت)۔

خلاصہ ونتائج: 1-سندھ کی ابتدائی فتوحات کی ابتدا 21ھجری کے اواخر میں ہوئی۔ 2-مکران، دیبل اور دیگر چھوٹے قلعوں پر مسلمانوں نے قبضہ کیا۔ 3-ان مہمات میں متعدد مجاہدین شہید ہوئے جو اسلامی تاریخ کی مظلوم شخصیات ہیں۔ 4-رعایا نے ظلم و جور سے نجات پائی اور عدل و انصاف کی روشنی سے مانوس ہوئی۔ 5-اگرچہ سندھ کی مکمل فتح بعد کے ادوار میں (92ھ میں محمد بن قاسمؒ کے ہاتھوں) ہوئی،لیکن اس کے مقدمات خلافتِ فاروقی کے دور میں رکھے گئے۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ الطبری،محمد بن جریر طبری، ج4،ص174-172، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج7،ص74-73، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری، ج3،ص 153-152، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ۔4-فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ بلاذری،ص 444-443، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت، 1988ء۔ 5-تاریخ الیعقوبی،احمد بن ابی یعقوب،ج2،ص150-149،دار صادر،بیروت،1960ء۔

افریقہ (شمالی) کی فتوحات اور مظلوم شہداء

اسلامی فتوحات کی تاریخ میں شمالی افریقہ کی سرزمین (لیبیا،تونس،الجزائر و

مراکش) کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ خطہ قدیم رومی و بازنطینی تسلط کا مرکز تھا جہاں عوام مذہبی و معاشی جبر کا شکار تھے۔ خلافتِ فاروقی کے عہدِ زرّیں میں مجاہدین اسلام نے جب یہاں قدم رکھا تو ان مظلوم رعایا کے لیے عدل و انصاف کا نیا دروازہ کھلا۔ تاہم ان فتوحات کی راہ میں سخت معرکے، کٹھن امتحانات اور بے شمار شہداء کی قربانیاں پیش آئیں۔ یہ شہداء ہی اسلام کی مظلوم شخصیات ہیں جنہوں نے باطل کی ظلمتوں کے خلاف اپنی جانیں نچھاور کیں۔

پس منظر: رومی سلطنت (بازنطینی) کی افریقی شاخ طرابلس، برقا، اور تونس پر قابض تھی۔ عوام پر بھاری خراج، غلامی، اور مذہبی جبر مسلط تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے شام و مصر کی فتوحات کے بعد شمالی افریقہ کی طرف اسلامی لشکر روانہ کیا تاکہ ظلم و جبر کے اس حصار کو توڑا جا سکے۔ افریقہ کی ابتدائی فتوحات 21 ہجری کے وسط اور اواخر میں ہوئیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کو حضرت عمر فاروقؓ نے مصر کے ساتھ ساتھ برقا و طرابلس تک کے علاقے کی فتوحات کا حکم دیا۔ 21ھ کے ذوالحجہ میں اسلامی لشکر نے طرابلس اور اس کے نواحی علاقوں پر قبضہ کر کے رعایا کو آزاد کیا (الکامل فی التاریخ، ج3، ص 154؛ البدایہ والنہایہ، ج7، ص76)۔

فتوحات کی تفصیل: 1- برقا (لیبیا کا مشرقی حصہ) کی فتح: حضرت عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں اسلامی لشکر نے برقا کا رخ کیا۔ مقامی قبائل نے دیکھ کر کہ مسلمان عورتوں اور بچوں کو محفوظ رکھتے ہیں، خود صلح کر لی (فتوح البلدان، ص 231)۔

2-طرابلس (لیبیا کا ساحلی شہر) کی فتح: رومی لشکر اور مقامی عیسائی قبائل نے سخت مزاحمت کی۔ مسلمانوں نے طویل محاصرے کے بعد شہر پر قبضہ کیا۔ کئی مسلمان اس محاصرے میں شہید ہوئے، ان کے نام تاریخ میں محفوظ نہیں مگر ابن اثیر نے ان کو شہداء مظلومین قرار دیا (الکامل فی التاریخ، ج3، ص154)۔

3-تونس اور صبراتہ کی جھڑپیں: اسلامی لشکر نے صبراتہ اور تونس کے قلعوں کو محاصرہ کیا۔ مقامی سرداروں نے فدیہ دے کر صلح قبول کی۔ ان معرکوں میں کئی صحابہؓ و تابعین زخمی اور شہید ہوئے (تاریخ الطبری، ج4، ص175)۔

شہداء اور مظلوم شخصیات: حضرت عمرو بن العاصؓ کے لشکر میں شامل صحابہ و تابعین میں سے کئی شہید ہوئے۔ ان میں وہ غازی بھی تھے جو مصر کی فتح سے بچ نکلے لیکن شمالی افریقہ کی زمین پر شہادت پا گئے۔ مؤرخین نے ان شہداء کے اسماء تفصیل سے ذکر نہیں کئے لیکن اجمالی طور پر انہیں مظلوم شہداء کہا جو ظلم و جبر کے خاتمے کے لئے جان دے گئے (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص76)۔

ظالم اور مظلوم: ظالم: بازنطینی حکام اور ان کے مقامی گورنر جو رعایا پر جبر ڈھاتے اور اسلامی لشکر کے ساتھ بدعہدی کرتے۔ **مظلوم:** مسلمان مجاہدین و شہداء، جو عدل و انصاف کے قیام کے لئے اپنی جانوں سے گزر گئے۔ رعایا بھی مظلوم تھی، جو صدیوں سے ٹیکسوں اور مذہبی تعصب کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔

رعایا کی خوشی اور اسلامی عدل: جب افریقہ کی رعایا نے اسلامی عدل دیکھا تو

انہوں نے خوشی خوشی جزیہ قبول کیا۔ابن اثیر لکھتے ہیں: **وكان أهل إفريقية يرون المسلمين رحمة بعد طول ما قاسوه من جور الروم** (الکامل فی التاریخ، ج3،ص155)۔

خلاصہ ونتائج: 1-شمالی افریقہ کی ابتدائی فتوحات سنہ 21ہجری کے وسط و اواخر میں شروع ہوئیں۔ 2-برقا اور طرابلس کے محاصروں میں کئی مسلمان شہید ہوئے، جو اسلام کی مظلوم شخصیات ہیں۔3-ان معرکوں میں مسلمانوں نے عورتوں، بچوں اور بے گناہوں کو نقصان نہ پہنچا کر اسلامی عدل کی روشن مثال قائم کی۔4-رعایا نے اسلامی لشکر کو رحمت اور نجات دہندہ سمجھا۔5-یہ فتوحات بعد میں افریقہ کے وسیع علاقوں کی مکمل اسلامی تاریخ کا مقدمہ ثابت ہوئیں۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر طبری، ج4،ص 177-175، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج7،ص 76-75، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری، ج3،ص 155-154، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ۔4-فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ بلاذری، ص 233-231، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت، 1988ء۔ 5-تاریخ الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، ج2،ص152، دار صادر، بیروت، 1960ء۔

سنہ 21ھ کے مظلومینِ اسلام ایک مجموعی جائزہ

خلافتِ فاروقیؓ کا سنہ 21ھ اسلامی تاریخ کا وہ روشن سال ہے جس میں مشرق

ومغرب کے محاذوں پر عظیم فتوحات نصیب ہوئیں، لیکن انہی فتوحات کے پس پردہ ایک عظیم قربانیوں کا سلسلہ بھی ہے۔ یہ قربانیاں ان مظلوم شہداء کی ہیں جنہوں نے اسلام کے پرچم کو بلند رکھنے کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ ان کے خون نے اسلامی فتوحات کی زمین کو سیراب کیا اور ظلم کے ایوانوں کو ہلا ڈالا۔ یہ شہداء اور مظلومین صرف فوجی سپاہی نہ تھے بلکہ وہ اسلام کی مظلوم شخصیات تھے جنہیں نہ دنیاوی جاہ وجلال کی تمنا تھی، نہ مال و متاع کی ہوس؛ ان کا مقصد صرف اللہ کی رضا اور دین کی سربلندی تھی۔

سنہ 21ھ کے اہم معرکے اور مظلومینِ اسلام: 1-معرکہ نہاوند (ذوالقعدہ 21ھ): قیادت: حضرت نعمان بن مقرنؓ۔ **مظلومین:** نعمان بن مقرنؓ سمیت ہزاروں صحابہ وتابعین شہید ہوئے۔ **ظالم:** ساسانی فوج اور ان کے کمانڈر فیروزان، جنہوں نے آخری دم تک مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔ **تفصیل:** نہاوند کو فتح الفتوح کہا جاتا ہے، مگر اس عظیم معرکے میں شہداء کی کثرت نے اسلامی تاریخ کو غمگین بھی کیا (الطبری، ج4، ص170؛ ابن الاثیر، الکامل، ج3، ص160)۔

2-آذربائیجان کی فتح (ربیع الاول ربیع الآخر 21ھ): قیادت: حضرت حذیفہ بن یمانؓ، پھر عبداللہ بن شجاعؒ۔ **مظلومین:** اسلامی لشکر کے وہ شہداء جو قلعہ بند جنگوں اور خائن حکمرانوں کی بدعہدی کی نذر ہوئے۔ **ظالم:** مقامی حکمران اور فارسی گورنر جو رعایا پر ظلم ڈھاتے اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے۔ **تفصیل:** متعدد شہداء کی قبریں آج بھی آذربائیجان کے علاقے میں آثار کے طور پر محفوظ ہیں (البدایہ والنہایہ، ج7،

ص80؛فتوح البلدان،ص263)۔

3-مصر اور طرابلس کی مہمات (ذوالحجہ 21ھ): قیادت: حضرت عمرو بن العاصؓ۔ **مظلومین:** وہ مجاہدین جنہوں نے سمندری کناروں پر رومیوں کی سخت مزاحمت کا سامنا کیا اور جامِ شہادت نوش کیا۔ **ظالم:** بازنطینی حکام جو عوام پر بھاری ٹیکس عائد کرتے اور عورتوں و بچوں کو غلام بناتے تھے۔ **تفصیل:** طرابلس کے محاصرے میں متعدد صحابہؓ و تابعین شہید ہوئے، ان کے نام مؤرخین نے اجمالاً ذکر کیے ہیں (الطبری، ج4،ص175؛ابن کثیر،البدایہ،ج7،ص82)۔

4-خراسان و سجستان کی جھڑپیں (اواخر 21ھ): قیادت: عبداللہ بن عامرؓ۔ **مظلومین:** اسلامی لشکر کے کئی دستے جنہیں مقامی ایرانیوں نے دھوکے سے شہید کیا۔ **ظالم:** ساسانی بقیہ سردار اور مقامی خائن قبائل۔ **تفصیل:** ان علاقوں میں شہداء کے خون نے بعد میں اسلامی اقتدار کے قیام کی بنیاد رکھی (الکامل، ج3،ص165؛تاریخ الطبری، ج4،ص178)۔

5-رَی اور طبرستان کی فتوحات (21ھ): قیادت: نعیم بن مقرنؓ اور دیگر سرداران۔ **مظلومین:** وہ شہداء جنہیں طویل محاصرے اور بدعہدی کی وجہ سے جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ **ظالم:** مقامی گورنر جنہوں نے رعایا پر ظلم کے پہاڑ توڑے اور مسلمانوں کو غداری سے قتل کیا۔ **تفصیل:** رَی کی زمین شہداء کے خون سے سرخ ہوئی، لیکن اسلام نے یہاں بھی عدل قائم کر دیا (البدایہ، ج7،ص85؛فتوح البلدان،ص270)۔

6-شمالی افریقہ کی جھڑپیں (21ھ): قیادت: حضرت عمرو بن العاصؓ کے

دستے۔ **مظلومین:** وہ مجاہدین جو طرابلس اور صبراتہ کے محاصرے میں شہید ہوئے۔ **ظالم:** بازنطینی جرنیل جو عورتوں اور بچوں پر سختیاں ڈھاتے تھے۔ **تفصیل:** رعایا نے اسلام کے عدل کو دیکھ کر صلح کی اور مسلمانوں کو نجات دہندہ قرار دیا (ابن الاثیر، الکامل، ج3، ص168)۔

مجموعی جائزہ: سنہ 21ھ کے ان تمام محاذوں میں ایک مشترک پہلو نمایاں ہے: **1-ظالم حکمران:** ساسانی، رومی اور مقامی سردار۔ **2-مظلومینِ اسلام:** اسلامی شہداء، جو عدل وانصاف کی خاطر اپنی جانیں قربان کر گئے۔ **3-رعایا کی نجات:** ان شہداء کی قربانی کے نتیجے میں عوام ظلم وجبر سے آزاد ہوئے۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 21ھ اسلامی تاریخ میں فتوحات اور شہادتوں کا سال ہے۔ 2-اس سال کے ہر معرکے میں شہداء کی کثرت نے اسلام کی مظلوم شخصیات کا نقش اجاگر کیا۔ 3-ظالم قوتیں اگرچہ بظاہر طاقتور تھیں لیکن مظلوم مجاہدین کے خون نے انہیں شکست دی۔ 4-اسلام کا عدل وانصاف شہداء کی قربانی کے بعد رعایا کے لئے رحمت ثابت ہوا۔ 5-یہ سال اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کی تاریخ شہداء کے خون اور مظلومین کے صبر سے عبارت ہے۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، ج4، ص180-170، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-البدایہ والنہایہ، حافظ ابن کثیر، ج 7، ص 85-75، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری، ج 3، ص170-160، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ۔ 4-فتوح البلدان، احمد

بن یحییٰ بلاذری، ص 275-260، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت، 1988ء۔5-تاریخ الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، ج2، ص155-150، دار صادر، بیروت، 1960ء۔

سنہ 22ھ کے اہم واقعات

(محرم 22ھ: حضرت عمر فاروقؓ کا آخری حج اور دعائے شہادت)

واقعہ کی تفصیل: خلافتِ فاروقی کی روشن تاریخ میں سنہ 22ھ کا آغاز ایک نہایت اہم واقعے سے ہوا۔محرم الحرام میں امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ یہ آپ کی خلافت کا دسواں حج تھا اور اسی حج کے دوران آپ نے ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔اس موقع پر آپؓ نے امت کے دینی و دنیوی مسائل، فتوحات کے اثرات، اور اسلامی معاشرت کی اصلاح پر نہایت عالمانہ اور حکیمانہ کلمات فرمائے۔اسی موقع پر وہ مشہور دعا زبانِ فاروقی سے نکلی جو تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہوگئی: **اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک، واجعل موتی فی بلد رسولک** (اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور میری موت اپنے رسول کے شہر میں مقدر فرما) (ابن سعد، الطبقات الکبری، ج3، ص330، مطبع دار صادر، بیروت)۔ یہ دعا محض ایک تمنّا نہ تھی، بلکہ اس میں اسلام کی مظلوم تاریخ کے آنے والے ابواب کی جھلک پوشیدہ تھی۔حضرت عمرؓ نے اس وقت شہادت کی آرزو کی جب اسلام کی فتوحات اپنے عروج پر تھیں، لیکن ساتھ ہی دشمنانِ اسلام کی بیرونی سازشیں

اور باطنی منافقین کی اندرونی ریشہ دوانیاں بھی بڑھتی جارہی تھیں۔

مظلومیت کا پہلو: حضرت عمرؓ کا یہ دعائیہ کلمہ، دراصل اسلام کی مظلومیت کی آئندہ داستانوں کا ایک مقدمہ تھا۔ آپؓ کو بخوبی اندازہ تھا کہ: بیرونی سطح پر مجوسی، رومی اور کسریٰ کی باقی طاقتیں اسلام کو مٹانے کے لئے سرتوڑ کوشش کررہی ہیں۔ داخلی سطح پر منافقین اور بغاوتی عناصر خلافت کے عدل و انصاف کو ختم کرنے کی سعی میں ہیں۔ ایسے حالات میں حضرت عمرؓ نے شہادت کی تمنا کی تاکہ آپؓ کی زندگی اسلام دشمنوں کے لئے ایک رکاوٹ اور آپ کی شہادت مظلومیت کے استعارہ کے طور پر اسلام کی تاریخ میں ثبت ہو۔ یہ وہی شہادت تھی جس نے بعد میں ''مظلومیتِ فاروقی'' کو امت کی یادوں میں زندہ رکھا۔

ظالم کا تعین: اگرچہ یہ واقعہ بذاتِ خود محرم 22ھ میں ایک دعائیہ کلمہ ہے، مگر اس کے پس منظر میں ''ظالم'' کی تعیین بھی ضروری ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ ظالم عناصر دو طرح کے تھے: 1- بیرونی دشمن: مجوسی اور کسریٰ کے باقی لشکر، جو اسلام کے خلاف ہر ممکن سازش کررہے تھے۔ 2- اندرونی منافقین: وہ باطنی عناصر جنہوں نے بعد میں ابولؤلؤ فیروز مجوسی کے ہاتھوں حضرت عمرؓ کی شہادت کی سازش رچی۔ یوں حضرت عمرؓ کی دعا محض انفرادی خواہش نہیں تھی، بلکہ ایک الٰہی الہام اور آئندہ فتنوں کی پیشین گوئی تھی۔

علمی و تاریخی استناد: ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے منیٰ میں خطبہ دیتے

وقت یہ دعا کی: اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک، واجعل موتی فی بلد رسولک (الطبقات الکبری، ج3،ص330، مطبع دار صادر، بیروت)۔ امام ابن کثیرؒ نے اس دعا کو ''البدایہ والنہایہ'' میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دعا قبول ہوئی اور بالآخر حضرت عمرؓ 23ھ میں مدینہ منورہ میں شہید ہوئے (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 132، مطبع دار الفکر، بیروت)۔ امام طبریؒ نے بھی اس دعا کو تفصیل سے روایت کیا ہے اور اس کے ساتھ حضرت عمرؓ کی فتوحات اور سیاسی حکمتِ عملی کا ذکر کیا ہے (تاریخ الطبری، ج4،ص 108، مطبع دار التراث، بیروت)۔

خلاصہ ونتائج: 1-محرم 22ھ میں حضرت عمرؓ کا آخری حج اسلام کی تاریخ کا نہایت اہم موڑ ہے۔ 2-آپؓ کی دعائے شہادت دراصل اسلام کی مظلوم تاریخ کی آئندہ داستانوں کا پیش خیمہ ہے۔ 3-اس دعا نے واضح کر دیا کہ اسلام کے سب سے بڑے عادل حکمران بھی باطنی اور بیرونی دشمنوں کی سازشوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ 4-حضرت عمرؓ کی دعا کی قبولیت نے یہ حقیقت آشکار کی کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو دنیا میں بھی اپنی نشانیوں کا مظہر بناتا ہے۔ 5-سنہ 22ھ کا یہ واقعہ ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے، جس کے بعد 23ھ میں شہادتِ فاروقی کے عظیم سانحہ نے اسلامی تاریخ کا دھارا بدل دیا۔

مصادر ومراجع: 1-ابن سعد، الطبقات الکبری، ج 3، ص 330، مطبع دار صادر، بیروت۔ 2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 132، مطبع دار الفکر،

بیروت۔3-الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 108، مطبع دار التراث، بیروت۔4-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 41، مطبع دار الکتاب العربی، بیروت۔5-سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 133، مطبع دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

ربیع الاول 22ھ: شہادتِ حضرت سہل بن عدیؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ

واقعہ کی تفصیل: فتوحاتِ اسلامی کے سنہری دور میں سنہ 22ھ ایک ایسا سال ہے جس میں اسلامی لشکروں نے عراق وایران کی سرحدوں پر فیصلہ کن معرکے لڑے۔ صفر 22ھ میں ''فتح الفتوح'' یعنی نہاوند کی عظیم جنگ پیش آئی جس کے نتیجہ میں مجوسی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔ مگر اس عظیم کامیابی کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ میں شہادتوں کا ایک باب بھی رقم ہوا جو ربیع الاول 22ھ میں نمایاں ہوا۔ معرکہ نہاوند کے بعد ایرانی افواج نے مختلف مقامات پر چھوٹی بڑی جھڑپیں شروع کیں۔ انہی جھڑپوں میں کئی جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان میں سب سے نمایاں نام حضرت سہل بن عدیؓ کا ہے جو نہایت باوقار صحابیِ رسول ﷺ تھے۔ اسی طرح حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے بھائی صفوانؓ بھی ان معرکوں میں شہید ہوئے (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 80، مطبع دار الفکر، بیروت)۔ یہ شہادتیں اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ فتوحات کے ساتھ ساتھ اسلام کے سپاہی اپنی جانیں قربان کر کے اسلام کی تاریخ کو سنوارتے رہے۔

مظلومیت کا پہلو: اسلامی تاریخ کے یہ شہداء محض جنگی ہلاکت کے زمرے

میں نہیں آتے بلکہ ان کی شہادتیں مظلومیت کا روشن استعارہ ہیں:

1-ظاہری مظلومیت: یہ حضرات نہ کسی ذاتی لالچ کے لئے لڑے، نہ کسی قومی غرور کے لئے۔ ان کی ساری قربانیاں صرف اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے تھیں۔ دشمنانِ اسلام نے اپنی طاقت، ہتھیار اور تعداد کے غرور میں ان پاکباز نفوس کو قتل کیا۔

2-باطنی عظمت: قرآن مجید کا اعلان ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (آل عمران:169)۔ اس آیت کی روشنی میں یہ مظلوم شہداء درحقیقت ابدی زندگی اور ربانی انعامات کے حقدار قرار پائے۔

3-اسلامی تاریخ کی روشنی: ان کی شہادت نے بعد آنے والے مسلمانوں کو یہ سبق دیا کہ اسلام کی بقا قربانی اور مظلومیت کے راستے سے ہی ہے۔

ظالم کا تعین: اس واقعہ میں ''ظالم'' کی حیثیت واضح طور پر مجوسی اور ساسانی افواج کی ہے۔ یہ وہی افواج تھیں جو صدہا سال سے اپنے عوام پر ظلم و جبر کی حکمرانی قائم کئے ہوئے تھیں۔ اسلام کے پیغامِ عدل و مساوات کو قبول کرنے کے بجائے انہوں نے تلوار کے زور پر مزاحمت کی اور اہلِ ایمان کو خون میں نہلایا۔ نتیجتاً وہی قوتیں شکست و ذلت سے دوچار ہوئیں اور شہداء کرامؓ کا خون اسلام کی فتح کا ضامن بنا۔

علمی و تاریخی استناد: امام ابن کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھا ہے کہ نہاوند کے بعد کے معرکوں میں حضرت سہل بن عدیؓ اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے بھائی صفوانؓ شہید ہوئے (البدایہ والنہایہ، ج7، ص80، مطبع دار الفکر، بیروت)۔ امام طبریؒ نے ''تاریخ

الطبری'' میں ان جھڑپوں اور ان میں ہونے والی شہادتوں کو ذکر کیا ہے (تاریخ الامم والملوک، ج4،ص 115، مطبع دار التراث، بیروت)۔ابن اثیرؒ نے ''الکامل فی التاریخ'' میں بھی ان شہادتوں کو بیان کیا اور ان کو فتوحاتِ نہاوند کا تسلسل قرار دیا (الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 45، مطبع دار الکتب العربی، بیروت)۔

خلاصہ ونتائج: 1-ربیع الاول 22ھ میں کئی جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے جامِ شہادت نوش کیا، جن میں حضرت سہل بن عدیؓ اور حضرت صفوانؓ (اخو حذیفہؓ) نمایاں ہیں۔ 2-ان کی شہادتیں اسلام کی مظلوم شخصیات کے روشن ابواب میں سے ہیں، جو اپنی جان دے کر دین کو زندہ کر گئے۔ 3-دشمن مجوسی وساسانی افواج اپنے ظلم اور ہٹ دھرمی کے باعث تاریخ میں رسوا ہوئیں، جبکہ شہداء کرامؓ کا خون قیامت تک اسلام کے چراغ کو روشن کرتا رہے گا۔ 4-یہ شہادتیں امت کو اس بات کا سبق دیتی ہیں کہ اسلام کی بقا عدل، قربانی اور مظلومیت کے راستے ہی میں ہے۔

مصادر ومراجع: 1-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 80، مطبع دار الفکر، بیروت۔ 2-الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 115، مطبع دار التراث، بیروت۔ 3-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 45، مطبع دار الکتب العربی، بیروت۔ 4-سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 136، مطبع دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 5-ابن سعد، الطبقات الکبری، ج 3، ص 348، مطبع دار صادر، بیروت۔

رمضان 22ھ: حضرت عمرؓ کی اسلام دشمنوں کے خلاف سخت تاکید

اسلامی تاریخ کے اوراق میں سنہ 22 ہجری ایک ایسا باب ہے جس میں عدل وانصاف، رعایا کی خبر گیری، اور اسلامی خلافت کے نظم ونسق کی عظیم مثالیں ثبت ہیں۔ اس سال کے رمضان المبارک میں حضرت فاروقِ اعظمؓ کی نگاہِ دور اندیشی اور عدل پر مبنی حکمتِ عملی نمایاں طور پر سامنے آتی ہے۔ آپؓ نے مختلف مفتوحہ علاقوں کے والیان اور امراء کو خطوط تحریر فرما کر اس امر کی سخت تاکید فرمائی کہ مظلوم رعایا کی دادرسی کی جائے، ظالمانہ ٹیکسوں اور جابرانہ رویوں کا خاتمہ ہو، اور اسلامی عدل ومساوات کو ہر حال میں قائم رکھا جائے۔

واقعہ کی تفصیل (رمضان 22ھ): امام محمد بن جریر الطبری نے ذکر کیا ہے کہ رمضان 22ھ میں حضرت عمرؓ نے متعدد خطوط مفتوحہ علاقوں کے حکام کو ارسال فرمائے۔ ان خطوط میں بالخصوص عراق، شام، اور ایران کے بعض محاذوں کے امراء و والیان کو تاکید کی کہ وہ مقامی رعایا کے ساتھ نرمی اور عدل کا برتاؤ کریں، ان سے غیر شرعی محصول اور زبردستی کی بیگار نہ لی جائے، اور اسلام کے اصولِ عدل کو ان کی زندگیوں میں جاری وساری رکھا جائے۔ آپؓ نے فرمایا: **إنی لم أبعثکم أمراء لتکونوا جبابرة، ولکن لتعلّموا الناس دینهم، وتقیموا فیهم العدل** (تاریخ الطبری، ج4، ص120، مطبوع: دار التراث)۔ یعنی: میں نے تمہیں اس لیے امیر نہیں بنایا کہ تم

جابرانہ انداز میں لوگوں پر حکومت کرو، بلکہ اس لیے بھیجا ہے تا کہ تم لوگوں کو دین سکھاؤ اور ان کے درمیان عدل قائم کرو۔

مظلوم اور ظالم کا پہلو: مظلوم: ان مفتوحہ علاقوں کے وہ عوام جو صدیوں تک ساسانی و رومی حکمرانوں کے ظلم، جابرانہ ٹیکسوں اور غلامانہ قوانین کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ ان کی جان، مال، عزت اور معاشی وسائل سب حکمرانوں کی مطلق العنانی کی نذر تھے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں وہ پہلی بار عدل و انصاف کی حقیقی روشنی سے بہرہ ور ہوئے۔ **ظالم:** وہ سابقہ ساسانی و رومی سردار، ٹیکس وصول کرنے والے جاگیردار، اور ان کے کارندے، جنہوں نے عوام کی محنت کا خون نچوڑ کر اپنی تجوریاں بھریں اور رعایا کو مظلوم بنا کر رکھا۔ حضرت عمرؓ کی ہدایات انہی استبدادی قوتوں کے خلاف ایک مضبوط اعلان تھیں۔

حضرت عمرؓ کا عدل پر مبنی نظام: حضرت فاروقِ اعظمؓ کے خطوط محض رسمی احکامات نہ تھے بلکہ ان کی نگرانی براہِ راست آپؓ خود فرماتے تھے۔ بیت المال کی تقسیم، ٹیکسوں کی تعیین، اور جزیہ کی وصولی سب قرآن وسنت کی روشنی میں منضبط تھے۔ آپؓ کے دور میں مفتوحہ علاقوں کے غیر مسلم عوام بھی اس عدل سے اتنے متاثر ہوئے کہ تاریخ میں بے شمار مواقع پر انہوں نے مسلمانوں کو اپنے سابقہ حکمرانوں پر ترجیح دی۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ: **كان عمر ينظر في أمور الناس بنفسه، ويكتب إلى عمّاله بتقوى الله والعدل في الرعية** (البدایہ والنہایہ، ج7، ص83، مطبوع: دار الفکر)۔ یعنی: حضرت عمرؓ خود

لوگوں کے معاملات پر نظر رکھتے اور اپنے عاملوں کو اللہ کا خوف اختیار کرنے اور رعایا کے ساتھ عدل کرنے کی تاکید کرتے تھے۔

خلافت فاروقی میں عدل کی حکمت: یہ خطوط اسلامی عدل کی وہ شان دار مثال ہیں جو دنیا کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ اسلام کی حکومت کا مقصد رعایا پر جبر نہیں بلکہ ان کے حقوق کی حفاظت اور ان کی عزتِ نفس کو بحال کرنا ہے۔ اسی عدل و مساوات کی بنیاد پر اسلام کی سلطنت وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی اور مظلوم اقوام اسلام کے دامن میں پناہ لینے لگیں۔

خلاصہ و نتائج: 1- رمضان 22ھ میں حضرت عمرؓ کے خطوط نے اسلامی عدل و مساوات کی بنیادوں کو مزید مضبوط کیا۔ 2- ان خطوط کا مقصد مفتوحہ علاقوں کے عوام کو ظلم و استبداد سے بچانا اور اسلامی عدل کے سائے میں زندگی گزارنے کا حق دینا تھا۔ 3- مظلوم عوام پہلی بار اس نظامِ عدل سے روشناس ہوئے جہاں امیر و غریب، مسلم و غیر مسلم سب برابر تھے۔ 4- حضرت عمرؓ کی یہ ہدایات واضح کرتی ہیں کہ اسلامی حکومت کا مقصد محض فتوحات نہیں بلکہ عدل و انصاف کا قیام اور مظلوموں کی دادرسی ہے۔

مصادر و مراجع: 1- محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص120، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص83، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 3- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج3، ص330، دار صادر، بیروت، 1968ء۔ 4- البلاذری، فتوح البلدان، ص292، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت، 1987ء۔

سنہ 22ھ، ماہِ صفر کا اہم واقعہ

(شہادتِ حضرت عمار بن یاسرؓ اور عراق کے محاذ پر مجوسیوں کی سازشیں)

اسلامی تاریخ کے صفحات میں سنہ 22 ہجری ماہِ صفر ایک اہم اور دردناک واقعے کا شاہد ہے۔ اس ماہ میں عراق کے محاذ پر مسلمانوں اور مجوسیوں کے درمیان مسلسل جھڑپیں جاری رہیں۔ انہی جھڑپوں میں کئی جلیل القدر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے، جن میں سب سے نمایاں شخصیت حضرت عمار بن یاسرؓ ہیں۔ ان کی شہادت نے مسلمانوں کے دلوں پر گہرا اثر ڈالا اور یہ واقعہ اس بات کا مظہر ہے کہ کس طرح اہلِ ایمان صدیوں کے جابرانہ نظام اور مجوسی سلطنت کی باقیات کے ہاتھوں مظلوم ٹھہرے۔

واقعہ کی تفصیل (صفر 22ھ): امام ابن جریر طبری اور ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ ماہِ صفر 22ھ میں نہاوند اور مدائن کے قریب مجوسیوں نے اسلامی افواج پر چھاپہ مار حملے کیے۔ ان حملوں میں کئی صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔ انہی میں حضرت عمار بن یاسرؓ بھی شامل ہیں، جو جنگی مہم میں شرکت کے دوران دشمن کے نرغے میں آ گئے اور جامِ شہادت نوش فرمایا: **قتل عمار بن یاسر فی صفر من سنة اثنتین وعشرین فی وقعة المدائن** (تاریخ الطبری، ج4، ص123، دار التراث، بیروت)۔ یعنی: حضرت عمار بن یاسرؓ صفر 22ھ میں مدائن کے معرکے میں شہید کیے گئے۔

ظلم کی نوعیت: مجوسیوں کا ظلم: مجوسیوں نے حملے کے دوران نہ صرف مسلمانوں

کو شہید کیا بلکہ کئی مقامی مسلمانوں کے گھروں کو بھی لوٹا۔ ان کے ظلم کا نشانہ زیادہ تر وہ نو مسلم عوام تھے جو اسلام کے زیرِ سایہ امن کی توقع رکھتے تھے۔

صحابہ پر ظلم: حضرت عمارؓ اور دیگر شہداء کو نہایت بے دردی سے قتل کیا گیا۔ یہ وہی عمارؓ ہیں جن کے والدین (یاسرؓ و سمیہؓ) بھی اسلام کی راہ میں مظلومانہ شہادت پا چکے تھے۔ اس طرح ایک ہی خانوادے نے ابتدا سے انتہا تک اسلام کے لیے مظلومیت اور شہادت کی لازوال تاریخ رقم کی۔

مظلوم اور ظالم: مظلوم: حضرت عمار بن یاسرؓ اور وہ تمام صحابہ و تابعین جو اس محاذ پر شہید ہوئے، نیز وہ مقامی عوام جو مجوسی حملوں میں برباد ہوئے۔ **ظالم:** مجوسی سردار اور ساسانی سلطنت کے باقی ماندہ عناصر، جنہوں نے اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کے لیے مظلوم مسلمانوں کو قتل اور لوٹ مار کا نشانہ بنایا۔

تاریخی اہمیت: حضرت عمارؓ کی شہادت دراصل اس بات کا اعلان تھی کہ اسلام کی سربلندی اور عدل و مساوات کے قیام کے لیے اہلِ ایمان ہمیشہ اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرتے رہے ہیں۔ ان کی شہادت نے عراق اور ایران کے عوام کے دلوں میں اسلام کی سچائی اور قوت کو مزید راسخ کیا، اور آخرکار مجوسی قوتیں ہمیشہ کے لیے پست ہو کر رہ گئیں۔

خلاصہ و نتائج: 1- ماہِ صفر 22ھ میں حضرت عمار بن یاسرؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ 2- یہ واقعہ اسلام کی مظلوم شخصیات کی تاریخ میں

ایک سنہری باب ہے، جس میں ظلم و بربریت کی انتہا اور ایمان کی عظمت دونوں نمایاں ہیں۔ 3- حضرت عمارؓ کا خانوادہ ابتداء (سمیہؓ و یاسرؓ) سے انتہا تک اسلام کے مظلومین کی علامت رہا۔ 4- مجوسیوں کے ظلم نے اسلام کے پھیلاؤ کو روکنے کے بجائے اس کی صداقت کو مزید اجاگر کیا۔

مصادر و مراجع: 1- ابن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص123، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص85، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 3- البلاذری، فتوح البلدان، ص296، دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، 1987ء۔ 4- ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج3، ص1154، دار الجیل، بیروت، 1412ھ۔

ربیع الثانی 22ھ: نہاوند کے بعد ایرانی محاذ پر صحابہ کی شہادتیں

سنہ 22ھ کے بعد کے ماہِ ربیع الثانی میں اسلامی لشکروں نے عراق و ایران میں جاری محاذوں پر اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ نہاوند کی عظیم فتح کے بعد بھی بعض ایرانی قبائل اور مجوسی افواج نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت اور سازشیں جاری رکھیں۔ انہی جھڑپوں میں کئی صحابہ کرامؓ مظلومانہ شہید ہوئے، جن کی قربانی نے اسلام کی سربلندی کو یقینی بنایا اور دشمن کی سازشوں کو ناکام کیا۔

2- واقعہ کی تفصیل: ربیع الثانی 22ھ میں نہاوند اور مدائن کے محاذ پر مجوسی

افواج نے مسلمانوں پر حملے کی کوشش کی۔ امام ابن کثیر اور الطبریؒ کے مطابق اس دوران کئی جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ خاص طور پر حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے بھائی صفوانؓ اور دیگر مجاہد صحابہ اس محاذ پر شہید ہوئے۔ **وقعت المعارک فی ربیع الثانی من سنة اثنتین وعشرین، واستشهد فيها جمع من الصحابة، منهم صفوان أخو حذيفة بن يمان** (البدایہ والنہایہ، ج7، ص81، مطبع دار الفکر، بیروت)۔ یہ واقعہ نہ صرف فتوحات کے تسلسل کا حصہ ہے بلکہ مظلومیتِ صحابہ کی روشنی میں اسلام کے دفاع کی حقیقت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔

3-**ظلم کی نوعیت: مجوسیوں کا ظلم:** ایرانی محاذ پر دشمن نے مسلمانوں کو شدید مشکلات میں ڈال دیا۔ نہ صرف لشکروں کو گھیر لیا گیا بلکہ غیر مسلح عوام اور مسلمانوں کے خاندانوں کو بھی لوٹ مار اور قتل و غارت کا نشانہ بنایا گیا۔ **جھڑپوں کی شدت:** مسلمانوں کو کئی دن تک سخت محاصرے اور ہتھیاروں کی کمی کے باوجود اپنی جانیں قربان کرنی پڑیں۔ **ظلم کا اجتماعی پہلو:** یہ محاذی مظالم نہ صرف فوجی میدان میں بلکہ مقامی عوام پر بھی نافذ ہوئے، جن پر سابقہ حکمرانوں کے ظلم کا بوجھ پہلے ہی تھا۔

4-**مظلوم اور ظالم: مظلوم:** وہ جلیل القدر صحابہ جو حق کی راہ میں شہید ہوئے، خصوصاً حضرت صفوانؓ اور دیگر مجاہدین، نیز مقامی مسلمانوں اور آزاد لوگوں کو ظلم و بربریت سے بچانے والے۔ **ظالم:** مجوسی اور ساسانی افواج کے باقی ماندہ جرنیل، جو اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کے لئے ظلم و جبر پر اُتر آئے۔ یہ واقعہ اس بات

کی واضح مثال ہے کہ اسلام کے دفاع میں اہلِ ایمان کو کس حد تک مظلومیت کا سامنا کرنا پڑا اور کس طرح دشمن اپنی تمام طاقت کے باوجود ناکام رہا۔

5-تاریخی وعلمی استناد: امام ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ربیع الثانی 22ھ میں عراق وایران کے محاذ پر صحابہ کرامؓ نے اسلام کی راہ میں شہادت پائی (البدایہ والنہایہ، ج7،ص81، مطبع دارالفکر، بیروت)۔امام طبریؒ کے مطابق یہ جھڑپیں نہاوند کے بعد بھی جاری رہیں اور دشمن کی سازشوں کے باوجود مسلمان اپنی پیش قدمی جاری رکھتے رہے (تاریخ الامم والملوک، ج4،ص125، مطبع دارالتراث، بیروت)۔ابن الاثیرؒ نے بھی ذکر کیا کہ یہ شہادتیں اسلامی تاریخ میں مظلوم شخصیات کی روشن مثال ہیں (الکامل فی التاریخ، ج3،ص47، مطبع دارالکتب العربی، بیروت)۔

خلاصہ ونتائج: 1-ربیع الثانی 22ھ میں نہاوند کے بعد کے محاذ پر صحابہ کرامؓ نے مظلومانہ شہادت پائی، جو اسلام کی مظلوم شخصیات میں شامل ہیں۔2-دشمن مجوسی اور ساسانی افواج نے مسلمانوں اور مقامی عوام پر ظلم کے پہاڑ توڑے، لیکن اہلِ ایمان کی قربانیاں تاریخ میں زندہ رہیں۔3-یہ واقعہ اسلامی عدل، قربانی اور مظلومیت کے اسباق کو اجاگر کرتا ہے، اور یہ واضح کرتا ہے کہ اسلام کی بقا اور سربلندی مظلومین کی قربانیوں کے بغیر ممکن نہیں۔

مصادر ومراجع: 1-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7،ص81، مطبع دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔2-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4،ص125،

دارالتراث، بیروت، 1387ھ۔ 3-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص47، دار الکتب العربی، بیروت، 1989ء۔ 4-البلاذری، فتوح البلدان، ص298، دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، 1987ء۔ 5-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج3، ص350، دارصادر، بیروت، 1968ء۔

جمادی الاولی 22ھ

(شہادتِ مجاہدینِ نہاوند کے بعد ایرانی بغاوتوں کا کچلنا)

1-اسلامی فتوحات کی تاریخ میں نہاوند کی جنگ کو فتح الفتوح کہا جاتا ہے۔ یہ عظیم معرکہ 21ھ میں شروع ہوا اور اس کے اثرات 22ھ کے اوائل تک جاری رہے۔ ماہِ جمادی الاولی 22ھ میں عراق وایران کے محاذوں پر مسلمان لشکر بکھری ہوئی ایرانی قوتوں اور مجوسی سرداروں کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ انہی معرکوں میں کئی صحابہ کرامؓ اور تابعین مظلومانہ طور پر شہید ہوئے۔ یہ واقعات مظلومیت و قربانی کے لازوال نقوش چھوڑ گئے۔

2-واقعہ کی تفصیل: (جمادی الاولی 22ھ): امام طبری اور ابن کثیر کے بیان کے مطابق نہاوند کی فتح کے بعد ایرانی سلطنت کے باقی ماندہ جرنیلوں نے دوبارہ سر اُٹھایا۔ انہوں نے مختلف بستیوں میں بغاوت کی اور مسلمانوں پر حملے کیے۔ اس ماہ میں مسلمانوں نے اصطخر اور اہواز کے گردونواح میں دشمن کے خلاف کئی محاذ قائم کیے۔

ان جھڑپوں میں متعدد جلیل القدر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے، جن میں حضرت نعمان بن مقرنؓ کے قریبی ساتھی اور کئی انصار ومہاجرین شامل تھے۔ **وفی جمادی الأولی من سنة اثنتین وعشرین اشتدت وقائع المسلمین مع الفرس فی نواحی الأهواز واصطخر، فاستشهد فیها جماعة من الصحابة** (تاریخ الطبری، ج4، ص126، دار التراث، بیروت)۔

3-ظلم کی نوعیت: ایرانی و مجوسی حکمرانوں کا ظلم: مفتوحہ علاقوں میں پرانے زمیندار اور امراء عوام پر پھر سے ظلم وستم ڈھانے لگے، جزیہ وخراج میں اضافہ کیا اور بغاوت کے ذریعے مقامی لوگوں کو استعمال کیا۔ **مجاہدین پر ظلم:** شہید ہونے والے صحابہؓ اور تابعین کو دشمن نے بے دردی سے قتل کیا۔ بعض کو قید کر کے اذیتیں دیں، اور بعض کی لاشوں کی بے حرمتی بھی کی گئی۔ **مقامی عوام کی مظلومیت:** وہ عوام جو اسلام کی برابری و عدل کی طرف مائل ہو چکے تھے، انہیں مجوسی سرداروں نے دوبارہ ظلم کا نشانہ بنایا۔

4-مظلوم اور ظالم: مظلوم: وہ صحابہ کرامؓ اور مجاہدینِ اسلام جنہوں نے دین کی سربلندی کے لیے اپنی جانیں قربان کیں۔ وہ مقامی عوام جو ظلم وجبر سے تنگ آ کر اسلام کے پرچم تلے آنا چاہتے تھے مگر مجوسیوں کے تشدد کا شکار ہوئے۔ **ظالم:** ساسانی سلطنت کے باقی ماندہ سردار اور مجوسی امراء، جو شکست کے بعد بھی سازشوں اور بغاوتوں سے باز نہ آئے۔

5-تاریخی اہمیت: یہ واقعات دراصل اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت اور عدل کے قیام کی راہ میں صحابہ کرامؓ نے اپنی جانوں کی بازی

لگادی۔ وہ مظلومیت کے باوجود ظالموں کے سامنے ڈٹے رہے۔ ان کی شہادتوں نے اسلام کو مزید قوت بخشی اور مجوسی سلطنت کی جڑیں ہمیشہ کے لیے اکھڑ گئیں۔

خلاصہ و نتائج: 1-جمادی الاولی 22ھ میں ایران و عراق کے محاذوں پر مسلمانوں کو شدید آزمائشوں اور شہادتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ 2-صحابہ کرامؓ اور مجاہدین نہ صرف فوجی محاذ پر لڑے بلکہ مظلوم عوام کو ظالم سرداروں سے نجات دلانے کے لیے اپنی جانیں قربان کیں۔ 3-یہ واقعات اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ اسلام کی تاریخ مظلوم شخصیات کی قربانیوں سے عبارت ہے۔ 4-ظالم وقتی طور پر طاقتور نظر آئے مگر بالآخران کی سلطنت اور بغاوتیں فنا ہوگئیں، جبکہ مظلومین کی قربانیاں آج تک زندہ ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص126، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص86، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 3-البلاذری، فتوح البلدان، ص302، دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، 1987ء۔ 4-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص49، دار الکتب العربی، بیروت، 1989ء۔ 5-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج3، ص360، دار صادر، بیروت، 1968ء۔

جمادی الاخری 22ھ: اصطخر کی بغاوت اور مظلوم صحابہ کی شہادت

1-اسلامی فتوحات کے تسلسل میں سنہ 22ھ کے واقعات نہایت اہمیت

کے حامل ہیں۔ نہاوند کی عظیم کامیابی کے بعد ایرانیوں کی مرکزی طاقت تو ٹوٹ گئی، لیکن بعض علاقے ابھی بھی بغاوت اور شورش کے گڑھ تھے۔ ماہ جمادی الآخرہ 22ھ میں اصطخر (ایران کا ایک بڑا شہر) میں شدید بغاوت اٹھی۔ اس بغاوت میں نہ صرف اسلامی افواج کو نقصان پہنچا بلکہ کئی صحابہ کرامؓ اور تابعین کو مظلومانہ طور پر شہید کیا گیا۔

2-واقعہ کی تفصیل: امام طبری اور ابن کثیر کے مطابق، نہاوند کی شکست کے بعد ساسانی سلطنت کے باقی ماندہ امراء نے اصطخر میں مسلمانوں کے خلاف دوبارہ لشکر تیار کیا۔ جب اسلامی لشکر وہاں پہنچا تو ایک سخت معرکہ برپا ہوا۔ **وفی جمادی الآخرة من سنة اثنتين وعشرين ثار أهل إصطخر على المسلمين، فقاتلوهم قتالاً شديداً، فاستشهد جماعة من الصحابة** (تاریخ الطبری، ج4، ص127، دار التراث، بیروت)۔ اسی بغاوت کے دوران حضرت عبداللہ بن بدیل الخزاعیؓ اور کئی دیگر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔ ابن کثیرؒ نے بھی ذکر کیا ہے کہ یہ بغاوت اسلامی افواج کے لیے نہایت سخت امتحان ثابت ہوئی (البدایہ والنہایہ، ج7، ص87، دار الفکر، بیروت)۔

3-ظلم کی نوعیت: اہلِ اصطخر کا ظلم: اہلِ شہر نے عہد شکنی کی، مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے توڑے اور اچانک لشکر پر حملہ کر دیا۔ یہ عہد شکنی ظلمِ عظیم تھا۔ **صحابہ کرام پر ظلم:** کئی صحابہ کرامؓ کو شہید کر کے ان کی لاشوں کی بے حرمتی کی گئی۔ یہ وہی شہر تھا جس نے بارہا اسلام کے خلاف بغاوت کی اور ہر مرتبہ مسلمانوں کو مظلومیت و شہادت کا سامنا کرنا پڑا۔ **مقامی مظلوم عوام:** جو لوگ اسلام کی برابری اور عدل کی

طرف مائل ہو چکے تھے، انہیں دوبارہ زبردستی مجوسی نظام کے ظلم و جبر کے تابع کیا گیا۔

4-مظلوم اور ظالم: مظلوم: حضرت عبداللہ بن بدیلؓ اور وہ صحابہ کرامؓ جو اس معرکہ میں شہید ہوئے۔ وہ عوام جو اسلام کے عدل کے خواہاں تھے مگر مجوسی سرداروں کے ظلم کی بھینٹ چڑھ گئے۔ **ظالم:** اہلِ اصطخر کے وہ باغی حکمران اور مجوسی جرنیل، جنہوں نے معاہدہ توڑ کر بے گناہ مسلمانوں کو قتل کیا اور شہیدوں کی لاشوں کی توہین کی۔

5-تاریخی اہمیت: جمادی الآخرہ 22ھ کا یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں مظلومیت و قربانی کی ایک اور مثال ہے۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام کی سربلندی اور عدل کے قیام کے لیے صحابہ کرامؓ نے اپنی جانوں کی بازی لگائی۔ ان کی مظلومانہ شہادت نے اسلام کو مزید قوت بخشی اور بالآخر وہی شہر (اصطخر) بھی فتح ہوا اور ظلم کی طاقتیں ہمیشہ کے لیے دم توڑ گئیں۔

خلاصہ و نتائج: 1-جمادی الآخرہ 22ھ میں اصطخر کی بغاوت مسلمانوں کے لیے ایک بڑا امتحان تھی۔ 2-صحابہ کرامؓ نے اس موقع پر اپنی جانیں قربان کر کے اسلام کی مظلومیت اور عظمت کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔ 3-اہلِ اصطخر نے عہد شکنی کر کے ظلم و ستم کی انتہا کر دی، لیکن ان کا انجام ہمیشہ کے لیے ذلت و رسوائی ہوا۔ 4-یہ واقعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اسلام کی مظلوم شخصیات کی قربانیاں ہی فتوحات اور دین کے پھیلاؤ کا اصل سرمایہ ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4،

ص127، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص87، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 3-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص52، دار الکتب العربی، بیروت، 1989ء۔ 4-البلاذری، فتوح البلدان، ص310، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت، 1987ء۔ 5-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج3،ص370،دار صادر، بیروت،1968ء۔

رجب المرجب 22ھ: کابل کی مہم اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ ورفقاء کی مظلوم شہادت

1-سنہ 22ھ کے ایام خلافتِ فاروقی میں اسلامی فتوحات کا دائرہ نہ صرف ایران بلکہ سرزمین ہند کی سرحدوں تک پھیل چکا تھا۔حضرت عمر فاروقؓ نے مجاہدین اسلام کو کابل وغزنی کی طرف روانہ فرمایا تاکہ وہاں کے مظلوم عوام کو ظالمانہ نظام سے نجات دلائی جاسکے۔ ماہ رجب 22ھ میں اسلامی لشکر کو کابل کے قریب شدید آزمائش پیش آئی، جہاں بعض سرکش قبائل نے بغاوت کر کے اسلامی فوج پر حملہ کردیا۔اس معرکہ میں کئی صحابہ وتابعین مظلومانہ شہید ہوئے اور ان کی قربانیاں تاریخ کے صفحات پر ثبت ہوگئیں۔

2-واقعہ کی تفصیل: امام طبری اور بلاذری کے بیان کے مطابق، حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن بن سمرہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سمیت ایک جماعت کو کابل کی طرف روانہ

فرمایا۔ابتدائی فتوحات کے بعد اہلِ کابل نے معاہدہ کیا مگر کچھ ہی عرصہ بعد بدعہدی اور عہد شکنی کا ارتکاب کرتے ہوئے اچانک مسلمانوں پر شب خون مارا۔ثم غدر أهل كابل بالمسلمين في رجب سنة اثنتين وعشرين، فقتلوا جماعة من الصحابة والتابعين (تاریخ الطبری، ج4،ص129،دارالتراث،بیروت)۔ابن اثیر نے بھی اس بغاوت کو ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ کئی صحابہ اور ان کے رفقاء کو مظلومانہ طور پر شہید کیا گیا:وفي رجب من هذه السنة قُتل عبد الله بن عمر ورهط من المسلمين غيلة بأرض كابل (الکامل فی التاریخ، ج3،ص55،دارالکتب العربی،بیروت)۔

3-**ظلم کی نوعیت: عہد شکنی:** اہلِ کابل نے مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے امن معاہدے کو توڑ کر غداری کی، جو ظلم عظیم تھا۔**مظلومانہ شہادت:** حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور کئی دیگر مجاہدین کو نہ صرف شہید کیا گیا بلکہ ان کی لاشوں کی بھی بے حرمتی کی گئی۔**مقامی عوام پر جبر:** وہ عوام جو اسلام کے عدل و مساوات کے زیر سایہ آنا چاہتے تھے، انہیں قبائلی سرداروں نے زبردستی اپنی پرانی غلامانہ رسومات میں جکڑ دیا۔

4-**مظلوم اور ظالم: مظلوم:** حضرت عبداللہ بن عمرؓ (ایک جلیل القدر صحابی) اور وہ جماعت جو اس مہم میں شہید ہوئی۔مقامی عوام جنہیں بار بار ظلم و جبر کے شکنجے میں کسا گیا۔**ظالم:** کابل کے وہ سرکش قبائل اور ان کے سردار جنہوں نے غداری، بدعہدی اور شب خون کے ذریعہ مسلمانوں کو شہید کیا۔

5-**تاریخی اہمیت:** یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں مظلومیت اور صبر کی ایک درخشاں

مثال ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور دیگر شہداء کی قربانی نے واضح کر دیا کہ اسلام کا غلبہ تلوار سے نہیں بلکہ صبر، ایثار اور شہادت کے لہو سے ہوا ہے۔ان مظلوم شخصیات نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے اسلام کو کابل وخراسان کی سمت پھیلنے کا راستہ ہموار کیا۔

خلاصہ ونتائج: 1-رجب 22ھ کا واقعہ عہدِ فاروقی میں اسلامی تاریخ کا ایک بڑا امتحان تھا۔2-اہلِ کابل نے معاہدہ توڑ کر ظلم وغداری کی اور صحابہ کرامؓ کو مظلومانہ شہید کیا۔3-یہ واقعہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ اسلام کی مظلوم شخصیات کی قربانیوں کے بغیر دین کی سربلندی ممکن نہ تھی۔4-صحابہ کرامؓ نے اپنی شہادت کے ذریعے امت کو یہ درس دیا کہ ظلم کے مقابلے میں صبر اور قربانی سب سے بڑی طاقت ہے۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص129، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔2-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص55، دار الکتب العربی، بیروت، 1989ء۔ 3-البلاذری، فتوح البلدان، ص314، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت، 1987ء۔ 4-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص90، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔5-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج3، ص375، دار صادر، بیروت، 1968ء۔

شعبان المعظم 22ھ: مصر کے محاذ پر بغاوت اور صحابۂ کرامؓ کی مظلوم شہادت

1-خلافتِ فاروقی (رضی اللہ عنہ) کے دور میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ

افریقہ کی سرزمین تک پھیل چکا تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں مصر اور اس کے اطراف کے علاقے اسلام کے زیر نگیں آ چکے تھے۔ لیکن قدیم قبطی سرداروں اور رومی فوجی جرنیلوں کو یہ اسلامی عدل اور برابری برداشت نہ تھی۔ اسی تناظر میں ماہ شعبان 22ھ میں اسکندریہ (Alexandria) اور اس کے مضافات میں ایک بڑی بغاوت اٹھی، جس کے نتیجہ میں کئی صحابہ کرامؓ اور ان کے رفقاء مظلومانہ شہید ہوئے۔

2-واقعہ کی تفصیل: امام طبری اور ابن اثیر کے مطابق، سنہ 22ھ کے شعبان المعظم میں رومی فوج اور قبطی سرداروں نے مل کر بغاوت کی اور مسلمانوں پر اچانک حملہ کیا۔ **وفی شعبان من هذه السنة خرج أهل الإسكندرية على المسلمين وأعانهم الروم، فقتلوا جماعة من الصحابة ظلماً وعدواناً** (تاریخ الطبری، ج4، ص134، دار التراث، بیروت)۔ اسی طرح ابن اثیر لکھتے ہیں: **وفی هذه السنة، فی شعبان، ثار أهل مصر على المسلمين، فاستشهد من الصحابة والتابعين عدد كبير** (الکامل فی التاریخ، ج3، ص60، دار الکتب العربی، بیروت)۔ ان شہداء میں حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمیؓ کے قریبی رفقاء اور کئی انصار شامل تھے۔ یہ سب محض اس جرم میں شہید کیے گئے کہ وہ اسلام کے عادلانہ نظام کے داعی تھے۔

3-ظلم کی نوعیت: عہد شکنی: اہلِ اسکندریہ نے صلح اور امان کے معاہدے کو توڑ کر ظلم و غداری کی۔ **بے گناہوں کا قتل:** صحابہ کرامؓ اور ان کے ساتھ موجود مسلمانوں کو اچانک حملہ کر کے شہید کیا گیا۔ **مقامی عوام پر جبر:** ان قبطی سرداروں نے اپنے ہی عوام

پر سخت ٹیکس اور غلامی مسلط کر دی تا کہ وہ اسلام کے عدل کے زیر سایہ نہ آ سکیں۔

4-مظلوم اور ظالم: مظلوم: وہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ جو دین کی خدمت میں شہید ہوئے۔ وہ عوام جنہیں اسلام کے عدل سے محروم رکھنے کے لیے جبراً ظلم وستم کا شکار بنایا گیا۔ **ظالم:** رومی فوجی جرنیل اور قبطی سردار جنہوں نے عہد شکنی کر کے مسلمانوں کو شہید کیا۔

5-تاریخی اہمیت: یہ واقعہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ اسلام کی اشاعت کسی ظلم یا جبر سے نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ کی مظلومانہ قربانیوں سے ہوئی۔ مصر میں شہید ہونے والے یہ نفوس قدسیہ اس عظیم کارنامے کے علمبردار ہیں کہ انہوں نے ظلم و بربریت کے باوجود دینِ حق کی مشعل بجھنے نہ دی۔

خلاصہ و نتائج: 1-شعبان 22ھ میں اسکندریہ اور مصر کے اطراف میں ہونے والی بغاوت نے اسلام کی مظلوم شخصیات کو ایک اور امتحان میں ڈال دیا۔ 2-اہلِ مصر اور رومی افواج نے بدعہدی اور ظلم کا ارتکاب کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ کو شہید کیا۔ 3-یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اسلامی فتوحات کی بنیاد تلوار نہیں بلکہ مظلومانہ شہادتوں اور قربانیوں پر تھی۔ 4-شہداء مصرؓ نے اسلام کے عادلانہ پیغام کو خون سے سینچا اور آنے والی نسلوں کے لیے عظیم مثال قائم کی۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص134، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3،

ص60، دار الکتب العربی، بیروت، 1989ء۔ 3-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص95، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 4-البلاذری، فتوح البلدان، ص320، دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، 1987ء۔ 5-ابن عبدالحکم، فتوح مصر والمغرب، ص112، مکتبہ ثقافۃ الدینیۃ، قاہرہ، 1996ء۔

شوال المکرّم 22ھ: مکران کی مہم اور مظلوم شہداء کی داستان

1-اسلامی فتوحات کا سلسلہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جس تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا، وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے اپنے خون اور قربانیوں سے دین کی آبیاری کی۔ ماہ شوال 22ھ میں ایک نہایت اہم مہم مکران (موجودہ بلوچستان و سندھ کے سرحدی علاقے) کی طرف پیش آئی۔ اس معرکے میں صحابہ کرامؓ اور تابعین کی ایک جماعت نے جان کی بازی لگا کر اسلام کے پیغام کو آگے بڑھایا، مگر اہلِ مکران اور ان کے اتحادی ساسانی عناصر نے ظلم و بربریت کی انتہا کر دی۔

2-واقعہ کی تفصیل: امام طبری اور بلاذری کے بیان کے مطابق، سنہ 22ھ میں حضرت عمرؓ نے حکم بن عمرو التغلبیؓ کو مکران کی طرف بھیجا۔ یہاں کی آبادی ساسانی اثرات اور مقامی سرداروں کے جبر میں جکڑی ہوئی تھی۔ شروع میں اہلِ مکران نے صلح کا وعدہ کیا، لیکن بعد میں معاہدہ توڑ کر مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ وفی شوال من

سنة اثنتين وعشرين، غدر أهل مكران بالمسلمين، فقتلوا منهم جماعة من الصحابة والتابعين (تاریخ الطبری، ج4، ص135، دار التراث، بیروت)۔ابن اثیر بھی لکھتے ہیں: **خرج المسلمون إلى مكران، فغدر بهم أهلها، فاستشهد منهم عدد كبير ظلماً وعدواناً** (الکامل فی التاریخ، ج3، ص67، دار الکتب العربی، بیروت)۔ یہ معرکہ اس قدر شدید تھا کہ حضرت عمرؓ کو یہ خبر پہنچی تو آپؓ نے مزید فتوحات کو مکران سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دی۔ چنانچہ یہ علاقہ شہداء کے خون سے تاریخ میں امر ہو گیا۔

3-**ظلم کی نوعیت: عہد شکنی:** اہلِ مکران نے صلح معاہدہ توڑ کر کھلی غداری کی۔ **بے گناہوں کا قتل:** صحابہ کرامؓ اور ان کے رفقاء کو گھیر کر شہید کیا گیا۔ **مقامی عوام پر جبر:** مقامی سرداروں نے اپنی رعایا کو اسلامی عدل سے محروم رکھا اور انہیں دوبارہ غلامی کے شکنجے میں جکڑنے کی کوشش کی۔

4-**مظلوم اور ظالم: مظلوم:** وہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ جو مظلومانہ شہید ہوئے۔ وہ مقامی عوام جنہیں ظلم و جبر سے نجات دلانے کے لیے مسلمان جان کی بازی لگا گئے۔ **ظالم:** مکران کے سردار اور ان کے اتحادی ساسانی عناصر، جنہوں نے عہد شکنی اور بزدلانہ حملوں کے ذریعے ظلم کیا۔

5-**تاریخی اہمیت:** یہ واقعہ اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ اسلام کے مجاہدین نے دنیا کے کونے کونے میں عدل اور انصاف کا پیغام پہنچانے کے لیے اپنی جانیں قربان کیں۔ مکران کی مہم میں شہید ہونے والے ان نفوس قدسیہ کی قربانی اسلام کی

تاریخ میں مظلومیت کی ایک روشن علامت ہے۔ان کی شہادت نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ مظلومانہ قربانیوں سے پھیلا۔

خلاصہ ونتائج: 1-شوال 22ھ میں مکران کے محاذ پر ہونے والی غداری نے اسلام کی مظلوم شخصیات کے ایک نئے باب کو رقم کیا۔2-اہلِ مکران کی بدعہدی اور ظلم نے کئی صحابہ کرامؓ کو شہادت کے اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا۔3-یہ واقعہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اسلامی فتوحات کا اصل سرمایہ شہداء کی مظلومیت ہے۔4-حضرت عمرؓ کا مکران سے آگے فتوحات کو روک دینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپؓ مسلمانوں کے تحفظ اور مظلوموں کے خون کی حرمت کو سب سے زیادہ مقدم رکھتے تھے۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص135، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔2-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص67، دار الکتب العربی، بیروت، 1989ء۔ 3-البلاذری، فتوح البلدان، ص338، دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، 1987ء۔ 4-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص96، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔5-ابن عبدالحکم، فتوح مصر والمغرب، ص120، مکتبہ ثقافۃ الدینیۃ، قاہرہ، 1996ء۔

ذوالقعدہ 22ھ: فتح رَی اور اس کے مظلوم شہداء

1-اسلامی فتوحات کے دور میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو عظیم

کامیابیاں عطا فرمائیں، وہیں ایسی متعدد واقعات بھی پیش آئے جن میں اسلامی لشکر کو بدعہدی، فریب اور ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ انہی واقعات میں سے ایک اہم واقعہ ذوالقعدہ 22ھ میں پیش آیا، جب مسلمان مجاہدین نے ایران کے بڑے شہر رَی (موجودہ ایران کے دارالحکومت تہران کے قریب) کو فتح کیا۔ اس فتح کے پس منظر میں مسلمانوں کی مظلومانہ شہادتوں اور اہلِ شہر کے ظلم وغدر کی داستان تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔

2-واقعہ کی تفصیل: امام طبری اور ابن اثیر کے مطابق، سنہ 22ھ میں نعیم بن مقرن المزنیؓ کو عراق و فارس کے محاذ پر بھیجا گیا۔ اس دوران لشکر اسلام نے رَی کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ اہلِ شہر نے صلح کی درخواست کی اور جزیہ پر معاہدہ طے پایا۔ لیکن جلد ہی انہوں نے معاہدہ توڑ کر رات کے اندھیرے میں مسلمانوں پر دھاوا بول دیا۔ **ثم إن أهل الری نقضوا العهد، فقتلوا جماعة من المسلمين غيلة وظلماً** (تاریخ الطبری، ج4، ص140، دارالتراث، بیروت)۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: **غدر أهل الری بالمسلمين، فبيتوا عسكرهم ليلاً، فقتلوا منهم خلقاً كثيراً** (الکامل فی التاریخ، ج3، ص70، دارالکتب العربی، بیروت)۔ یہ اچانک حملہ مسلمانوں کے لیے سخت صدمہ خیز تھا۔ کئی صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ شہید ہوئے۔ اس مظلومانہ خونریزی کے بعد مسلمانوں نے دوبارہ حملہ کیا اور شہر فتح کر کے اسے اسلامی حکومت کے دائرے میں شامل کر لیا۔

3-ظلم کی نوعیت: اس واقعہ میں اہلِ رَی کا ظلم کئی پہلوؤں سے نمایاں ہے:

عہد شکنی: صلح اور جزیہ کی شرط پر امن قائم ہوا لیکن فوراً بدعہدی کی گئی۔ **غافل لشکر پر شب**

خون: اندھیری رات میں اچانک حملہ کر کے مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔ **مظلومانہ شہادتیں:** بے دفاع اور غافل حالت میں شہید ہونے والے صحابہ و تابعین تاریخ میں مظلومین اسلام کا روشن باب ہیں۔

4-مظلوم اور ظالم: مظلوم: وہ مسلمان مجاہدین جو صلح کی شرط پر پرامن تھے لیکن ظلم کا نشانہ بنے۔ وہ شہداء جنہیں غداری اور دھوکہ دہی سے شہید کیا گیا۔ **ظالم:** اہلِ رَی کے سردار اور ان کے حلیف، جنہوں نے امن معاہدے کو پامال کیا اور فریب کے ذریعے خون بہایا۔

5-تاریخی اہمیت: یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اسلامی فتوحات محض طاقت کے بل پر نہیں بلکہ مظلومیت اور قربانیوں کے ذریعے آگے بڑھیں۔ رَی کے شہداء نے اپنی جانیں دے کر اسلام کے علم کو بلند رکھا اور دنیا کو یہ پیغام دیا کہ اسلام کی بنیاد عہد شکنی پر نہیں بلکہ عدل و وفا پر ہے۔

خلاصہ و نتائج: 1-ذوالقعدہ 22ھ میں رَی کی فتح مظلومانہ شہادتوں سے عبارت ہے۔ 2-اہلِ رَی نے صلح معاہدہ توڑ کر عہد شکنی اور فریب کا ارتکاب کیا۔ 3-مسلمانوں نے اس مظلومیت کو صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کیا اور بالآخر شہر کو فتح کر لیا۔ 4-یہ واقعہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ اسلام کی تاریخ خونِ شہداء اور مظلوموں کی قربانیوں سے عبارت ہے۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4،

ص140، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔2-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص 70، دار الکتب العربی، بیروت، 1989ء۔ 3-البلاذری، فتوح البلدان، ص342، دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، 1987ء۔ 4-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص101، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 5-احمد بن یحییٰ البلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص215، دار المعارف، قاہرہ۔

ذوالحجہ 22ھ: آرمینیہ کے شہداء اور اہلِ عہد کی عہد شکنی

1-اسلامی تاریخ کے اوراق خونِ شہداء اور اہلِ ایمان کی مظلومیت سے منور ہیں۔سنہ 22ہجری کا ماہ ذوالحجہ بھی ایسے واقعات سے عبارت ہے جن میں اسلامی لشکر نے نہ صرف دشمنوں کے خلاف جانثاری کے ساتھ جہاد کیا بلکہ عہد شکنی اور ظلم وستم کا نشانہ بھی بنے۔خصوصاً آرمینیہ (ارمینیا) کے محاذ پر جو سانحہ پیش آیا، وہ مظلومینِ اسلام کے باب میں ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔

2-واقعہ کی تفصیل: تاریخ طبری اور ابن اثیر کے مطابق، حضرت عمرؓ نے 22ھ میں آرمینیہ کی مہم پر لشکر بھیجا جس کی قیادت حبیب بن مسلمہ الفہریؓ کے سپرد کی گئی۔مسلمانوں نے پہلے امن معاہدہ کی بنیاد پر اہلِ آرمینیہ سے صلح کی۔لیکن جب اسلامی لشکر نے اپنی امن پسند پالیسی کے تحت پسپائی اختیار کی تو اہلِ آرمینیہ نے معاہدہ توڑ ڈالا اور اچانک مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ابن اثیر لکھتے ہیں: نقض أهل

أرمينية العهد، فقتلوا طائفة من المسلمين ظلماً وغدراً (الکامل فی التاریخ، ج3،ص74، دارالکتب العربی، بیروت)۔اسی طرح طبری نے ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ، جوامن کی ضمانت میں مقامی آبادی کے ساتھ رہا، بدعہدی کا شکار ہوااور انہیں شب خون مار کر شہید کر دیا گیا۔**غدر بهم أهل أرمينية بعد أن أعطوهم الأمان، فقتلوا منهم رجالاً** (تاریخ الطبری، ج4،ص145، دارالتراث، بیروت)۔

3-**ظلم کی نوعیت:** اس سانحہ میں ظلم کی نوعیت تین واضح پہلو رکھتی ہے: **عہد شکنی:** اہلِ آرمینیہ نے صلح معاہدہ کو پامال کیا۔**امن کی خلاف ورزی:** مسلمانوں کو امان دینے کے بعد اچانک حملہ کیا گیا۔**مظلومانہ شہادتیں:** وہ مسلمان مجاہدین جو صلح کی بنیاد پر پرامن رہ رہے تھے، ان کو دھوکہ دے کر شہید کیا گیا۔

4-**مظلوم اور ظالم: مظلوم:** وہ مسلمان سپاہی اور شہداء جو صلح کی حالت میں مقامی آبادی کے درمیان تھے اور معاہدے پر بھروسہ کرتے ہوئے پرامن زندگی گزار رہے تھے۔وہ شہداء جنہیں بے دفاع اور بدعہدی کے ساتھ قتل کیا گیا۔**ظالم:** اہلِ آرمینیہ کے سردار اور معاہدہ شکن طبقات، جنہوں نے غداری اور فریب کے ذریعے مسلمانوں کا خون بہایا۔

5-**تاریخی اہمیت:** یہ واقعہ اس بات کی روشن مثال ہے کہ اسلام کی فتوحات محض تلوار کی طاقت سے نہیں بلکہ ایمان، صبر اور شہادت کی بنیاد پر قائم ہوئیں۔ مسلمانوں کو امن اور عدل کا علَم بردار بنایا گیا، مگر اس کے جواب میں دشمنانِ اسلام نے

بار ہا ظلم، عہد شکنی اور فریب سے انہیں نقصان پہنچایا۔ ذوالحجہ 22ھ کے شہداء دراصل اسلام کے وہ مظلوم کردار ہیں جن کی قربانیاں ملتِ اسلامیہ کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

خلاصہ و نتائج: 1-ذوالحجہ 22ھ میں آرمینیہ کے محاذ پر اہلِ شہر کی بدعہدی اور عہد شکنی نمایاں طور پر سامنے آئی۔ 2-کئی مسلمان مجاہدین امن معاہدہ کے باوجود شب خون اور فریب کا شکار ہو کر شہید ہوئے۔ 3-یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام کی تاریخ ظلم اور مظلومیت کی داستانوں سے عبارت ہے، لیکن اہلِ ایمان نے ہر موقع پر صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ 4-یہ شہداء دراصل مظلوم شخصیاتِ اسلام کے روشن ستارے ہیں، جن کی قربانیاں آج بھی اسلام کی بقا کا سبب ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص145، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص 74، دار الکتب العربی، بیروت، 1989ء۔ 3-البلاذری، فتوح البلدان، ص348، دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، 1987ء۔ 4-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص108، دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔

سنہ 23 ہجری ماہ محرم الحرام کا اہم واقعہ

(حضرت عمر فاروقؓ کی دعائے شہادت اور ظلم کی سازشوں کا آغاز)

واقعہ کی تفصیل: محرم الحرام 23ھ کی تاریخ اسلامی تاریخ کے اوراق میں ایک

نہایت ہی پر اثر اور رنج انگیز یادگار رکھتی ہے۔ اس ماہ کی اہمیت اس لیے بھی دوچند ہوجاتی ہے کہ اسی ماہ میں امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے، اور وہ دعائے شہادت جو آپ نے سنہ 22ھ کے حج کے موقع پر زبان سے ادا کی تھی، اس کے قبول ہونے کے آثار نمایاں طور پر ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے منیٰ میں خطبہ دیتے وقت فرمایا تھا: **اللّٰھُمَّ ارزقنی شھادۃً فی سبیلک، واجعل موتی فی بلد رسولک** (اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور میرے موت کو تیرے رسولؐ کے شہر میں مقدر فرما) (ابن سعد، الطبقات الکبری، ج3، ص330؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص132) محرم 23ھ میں، ابھی آپ کی شہادت واقع نہ ہوئی تھی، مگر دشمنانِ اسلام اور اہلِ نفاق کی ریشہ دوانیوں نے اپنی جڑیں مضبوط کر لی تھیں۔ اس ماہ کے اندر ہی وہ سازش تیار کی گئی جو آگے چل کر فیروز مجوسی (ابولؤلؤ) کے ہاتھوں مسجدِ نبوی میں آپؓ کے خونِ ناحق سے مکمل ہوئی۔

مظلومیت کا پہلو: حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت عدل و انصاف کی مجسم تصویر تھی۔ آپ نے فتوحات کے باوجود فقراء، یتامیٰ اور کمزور طبقات کے حقوق کی پاسبانی کی۔ لیکن یہی عدل دشمنوں کو کھٹکتا رہا۔ **1-بیرونی دشمن:** مجوسی اور رومی طاقتیں اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات سے لرزہ براندام تھیں۔ ان کے ایجنٹ مدینہ میں گھس کر خلافت کے قلب کو نشانہ بنانے پر تُلے ہوئے تھے۔ **2-اندرونی منافقین:** وہ باطنی عناصر جو اسلامی اخوت اور مساوات کے منافی تھے، انہوں نے حضرت عمرؓ کی شہادت

کی سازش کو عملی جامہ پہنانے میں حصہ لیا۔ یوں محرم 23ھ کا زمانہ گویا اس المیہ کی تیاری کا مقدمہ تھا، جو ذی الحجہ 23ھ میں رونما ہوا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اس ماہ کی حیثیت ''شہادتِ فاروقی'' کے آغاز اور اسلام کی مظلومیت کی نئی فصل کی تمہید تھی۔

ظلم کی نوعیت: حضرت عمرؓ کا سب سے بڑا جرم دشمنوں کی نظر میں یہ تھا کہ انہوں نے عدل کو ہر حال میں قائم رکھا۔ مجوسی غلام ابولؤلؤ کی ذاتی رنجش کو منافقین اور بیرونی سازشی قوتوں نے ''سیاسی ہتھیار'' بنایا۔ یہ ظلم محض ایک فرد پر نہیں، بلکہ عدلِ فاروقی اور اسلامی نظامِ خلافت پر حملہ تھا۔ اسے اسلام کی مظلوم تاریخ کا وہ موڑ کہا جا سکتا ہے جس کے بعد امت کو مسلسل اندرونی انتشار اور فتنوں سے دوچار ہونا پڑا۔

خلاصہ و نتائج: 1- محرم 23ھ میں حضرت عمر فاروقؓ کی دعائے شہادت کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ 2- دشمنانِ اسلام نے اسی ماہ میں آپ کی شہادت کی عملی سازش کی بنیاد رکھی۔ 3- مظلومیت کا پہلو یہ ہے کہ اسلام کا سب سے بڑا عادل حکمران، جس نے اپنی زندگی عدل و مساوات کے قیام میں صرف کی، اسی عدل کی پاداش میں دشمنوں کے بغض و کینے کا شکار ہوا۔ 4- یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ اسلام کی مظلوم شخصیات صرف میدانِ جنگ میں نہیں بلکہ اپنے ہی دارالحکومت میں باطنی اور بیرونی سازشوں کا نشانہ بنتی رہیں۔ 5- محرم 23ھ اسلامی تاریخ کا وہ سنگِ میل ہے جس نے ''شہادتِ فاروقی'' کی راہ ہموار کی اور ''سلام کی مظلوم شخصیات'' کے عنوان کو ایک نئی جہت بخشی۔

مصادر و مراجع: 1-ابن سعد، الطبقات الکبری، ج3، ص330، مطبع دار صادر، بیروت۔ 2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص132، مطبع دار الفکر، بیروت۔ 3-الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص108، مطبع دار التراث، بیروت۔ 4-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص41، مطبع دار الکتاب العربی، بیروت۔ 5-سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص133، مطبع دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

سنہ 23 ہجری ماہِ ربیع الاول کا اہم واقعہ

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز)

اسلامی تاریخ میں سنہ 23 ہجری ماہِ ربیع الاول ایک نہایت ہی اہم اور نازک موڑ ہے۔ محرم الحرام میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر ظالمانہ حملہ اور ان کی شہادت کے بعد امت اسلامیہ گویا یتیم ہوگئی تھی۔ یہ وہ لمحہ تھا جب مدینہ منورہ کے اہلِ شوریٰ پر امت کی قیادت کے انتخاب کی سنگین ذمہ داری عائد ہوئی۔ اس موقع پر جلیل القدر صحابہ کرام نے نہ صرف سیاسی و دینی بصیرت کا مظاہرہ کیا بلکہ امت کے مستقبل کے لئے ایک ایسا فیصلہ کیا جو تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہے۔

واقعہ کی تفصیل: جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ابولؤلؤ مجوسی نے نمازِ فجر کے وقت زخمی کیا، تو انہوں نے اپنے بعد کے خلیفہ کے انتخاب کے لئے چھ رکنی

شوریٰ تشکیل دی: 1-حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، 2-حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، 3-حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، 4-حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، 5-حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، 6-حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ۔ یہ شوریٰ مدینہ میں جمع ہوئی اور تین دن تک امت کی رائے اور اہلِ مدینہ کی خواہشات معلوم کی گئیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے خود کو خلافت کے امیدواروں کی فہرست سے الگ کرکے اپنی زندگی کا سب سے اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے ہزاروں افراد سے رائے لی اور یہ پایا کہ اکثریت کی خواہش حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حق میں ہے۔ بالآخر ماہِ ربیع الاول 23ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں سب کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یوں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ خلافت پر فائز ہوئے۔

ظلم کی نوعیت: یہ واقعہ محض خلافت کا انتخاب نہیں بلکہ مظلومیت کا آئینہ دار بھی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے عظیم خلیفہ کو ایک غیر مسلم غلام کے ہاتھوں شہید کیا جانا امت اسلامیہ پر ایک سنگین ظلم تھا۔ ان کی شہادت کے بعد امت میں قیادت کا خلا ایسا تھا جو ناقابلِ بیان درد کا سبب بنا۔ دوسری جانب، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر خلافت کی بھاری ذمہ داری عائد ہونا بھی اپنی جگہ ایک مظلومیت تھی، کیونکہ انہیں ایک ایسی امت کا بار اٹھانا پڑا جو اپنے محبوب خلیفہ کی شہادت سے غمگین اور فکری طور پر لرزاں تھی۔ بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ یہ ذمہ داری آسان نہ تھی

اور اسی خلافت کے دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خود ایک عظیم مظلوم شخصیت کی حیثیت سے تاریخ میں یاد کیا گیا۔

خلاصہ ونتائج: 1- ماہِ ربیع الاول 23ھ میں امت اسلامیہ کو نئے خلیفہ کی شکل میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نصیب ہوئے۔ 2- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انصاف اور دیانت داری کے ساتھ امت کی رائے کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا۔ 3- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت نے امت کو دکھ اور اندوہ کی چادر میں لپیٹ دیا، جو خلافتِ عثمانی کی ابتدا میں بھی نمایاں تھا۔ 4- یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ اسلام کی تاریخ میں قیادت کا معاملہ ہمیشہ شوریٰ، مشاورت اور امت کی اجتماعی رائے کے ساتھ طے کیا گیا۔ 5- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کی ابتداء اسی دن ہوئی، جب انہیں اس بھاری ذمہ داری کے ساتھ امت کی قیادت سونپی گئی۔

مصادر ومراجع: 1- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج3، ص67، مطبع: دار صادر، بیروت، 1968ء۔ 2- ابن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص231-229، مطبع: دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 3- احمد بن یحییٰ بلاذری، انساب الاشراف، ج5، ص28-25، مطبع: دار المعارف، قاہرہ، 1996ء۔ 4- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص144-141، مطبع: دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 5- ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج3، ص975، مطبع: دار الجیل، بیروت، 1412ھ۔ 6- ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج3، ص89، مطبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ۔

سنہ 23ھ، ماہِ جمادی الاولیٰ کا اہم واقعہ

(حضرت سعید بن عامر جمحیؓ عدل و دیانت کی علامت اور مظلومیت کا استعارہ)

واقعہ کی تفصیل: خلافتِ فاروقی کے سنہری دور میں بہت سے عمال و گورنر ایسے تھے جنہوں نے عدل و دیانت اور تقویٰ کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ رہتی دنیا تک یادگار بن گئے۔ انہی میں سے ایک جلیل القدر صحابی حضرت سعید بن عامر جمحیؓ ہیں، جنہیں حضرت عمر فاروقؓ نے شام کے شہر حمص کا گورنر مقرر فرمایا۔ سنہ 23ھ کے اوائل میں (جمادی الاولیٰ) جب مدینہ منورہ میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے خلاف بعض اندرونی سازشیں تیز ہوئیں، منافقین نے ایسے گورنروں پر بہتان تراشی اور الزامات کی مہم شروع کی جو عدل و تقویٰ کے پیکر تھے۔ انہی افواہوں کی زد میں حضرت سعید بن عامرؓ بھی آئے۔ بعض لوگوں نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ: 1-وہ بیت المال سے اپنی ضروریات پوری نہیں کرتے، جس کی وجہ سے عوام کو تکلیف پہنچتی ہے۔ 2-وہ اکثر مجلس میں حاضر نہیں ہوتے، لہٰذا رعایا سے بے توجہی برتتے ہیں۔ 3-بعض اوقات وہ نماز میں زیادہ دیر لگاتے ہیں، جس سے عوام کو شکوہ رہتا ہے۔ یہ الزامات دراصل منافقین اور بعض دنیا دار لوگوں کی طرف سے تھے جو حضرت سعیدؓ کی زہد و تقویٰ پر مبنی زندگی کو برداشت نہیں کر پاتے تھے۔ جب یہ خبریں حضرت عمرؓ تک پہنچیں تو آپؓ نے مدینہ میں عوامی مجلس منعقد کی اور حضرت سعیدؓ کو طلب فرمایا۔ آپؓ سے ان الزامات

کے بارے میں وضاحت طلب کی گئی۔ حضرت سعیدؓ نے نہایت درد بھرے لہجے میں فرمایا: ''جہاں تک میری غربت کا تعلق ہے، تو بیت المال سے میں کچھ نہیں لیتا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے مجھے دنیا سے بے رغبت کر دیا ہے''۔ ''جہاں تک میری مجلس میں غیر حاضری کا سوال ہے، تو میرا کوئی خادم نہیں، اس لئے دن بھر محنت کر کے گھر والوں کے لئے کھانے کا انتظام کرتا ہوں اور شام کو رعایا کے کام دیکھتا ہوں''۔ ''جہاں تک نماز میں طول دینے کا سوال ہے تو میں اپنی ہر رکعت میں اللہ کے سامنے گڑگڑاتا ہوں کہ کہیں یہ ذمہ داری میرے خلاف حجت نہ بن جائے''۔ (تاریخ الطبری، ج4، ص244، دار التراث، بیروت)۔ یہ وضاحت سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: ''الحمدللہ! شام کا گورنر بھی وہی ہے جیسا میں چاہتا تھا''۔

مظلومیت کا پہلو: حضرت سعید بن عامر جمحیؓ کی مظلومیت اس اعتبار سے نمایاں ہے کہ: 1- آپؓ ایک زاہد و متقی صحابی تھے، لیکن دنیا پرست منافقین نے آپ پر الزامات لگا کر آپ کو عوام کی نظروں میں گرانے کی کوشش کی۔ 2- آپؓ نے بیت المال سے کچھ نہ لینے کے باوجود ''سخت مزاج'' اور ''غریب پرور'' ہونے کا طعنہ برداشت کیا۔ 3- آپؓ کی نماز کی خشوع و خضوع کو بھی الزام بنا کر پیش کیا گیا۔ یہ مظلومیت اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ اسلام کے سب سے پاکیزہ اور عادل کارندے بھی بہتان اور افترا سے محفوظ نہ رہ سکے۔

ظالم کی تعیین: اندرونی ظالم: منافقین اور دنیا پرست عناصر جنہوں نے

حضرت سعید بن عامرؓ کے زہد وتقویٰ کو ہدفِ تنقید بنایا۔ **نظامی چیلنج:** عوام میں موجود بعض کمزور ایمان لوگ جو دنیاوی سہولتوں کو معیار بنا کر حقیقی اہلِ عدل پر انگلیاں اٹھاتے رہے۔

علمی و تاریخی استناد: امام طبریؒ نے ''تاریخ الامم والملوک'' میں حضرت سعید بن عامرؓ پر لگائے گئے الزامات اور ان کی وضاحت تفصیل سے ذکر کی ہے (تاریخ الطبری، ج4، ص244، دار التراث، بیروت)۔ ابن سعدؒ نے ''الطبقات الکبریٰ'' میں بھی آپ کی زہد وتقویٰ اور عوامی الزامات کا تذکرہ کیا ہے (الطبقات الکبریٰ، ج3، ص380، دار صادر، بیروت)۔ ابن کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں اس قصہ کو ذکر کرتے ہوئے آپ کو ''مظلوم گورنر'' قرار دیا (البدایہ والنہایہ، ج7، ص151، دار الفکر، بیروت)۔

خلاصہ ونتائج: 1- سنہ 23ھ کے جمادی الاولیٰ میں حضرت سعید بن عامر جمحیؓ کی مظلومیت ایک نمایاں واقعہ ہے۔ 2- اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے سب سے پاکباز اور نیک لوگوں کو بھی افترا اور بہتان سے محفوظ نہیں رکھا گیا۔ 3- حضرت سعیدؓ کا کردار اس بات کی دلیل ہے کہ ظلم صرف جسمانی اذیت ہی نہیں بلکہ کردار کشی اور الزام تراشی بھی ایک بدترین ظلم ہے۔ 4- یہ واقعہ آج کے زمانے میں بھی امت کو یہ سبق دیتا ہے کہ اہلِ حق کو الزام تراشیوں اور پروپیگنڈے کا سامنا صبر و استقامت سے کرنا چاہیے۔

مصادر ومراجع: 1- ابن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص244،

مطبع: دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج3، ص380، مطبع: دار صادر، بیروت، 1968ء۔ 3-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص151، مطبع: دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 4-ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج2، ص653، مطبع: دار الجیل، بیروت، 1412ھ۔ 5-ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج3، ص201، مطبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ۔

سنہ 23ھ، ماہ جمادی الثانیہ کا اہم واقعہ

(شہادتِ عمار بن یاسرؓ کے بھائی حویطب اور دیگر صحابہؓ ساسانیوں کی بغاوت اور مظلوم شہداء)

واقعہ کی تفصیل: سنہ 23ھ میں خلافتِ فاروقی کے آخری ایام تھے۔ ایران اور اس کے گردونواح میں اسلامی فتوحات کے بعد مجوسیوں اور ساسانی سرداروں کی بغاوتیں وقتاً فوقتاً سر اٹھاتی رہیں۔ ماہ جمادی الثانیہ 23ھ میں نہاوند اور اطراف کے علاقوں میں ایک بڑی شورش برپا ہوئی۔ بغاوت کرنے والے مجوسی سرداروں نے مقامی کمزور مسلمانوں اور مجاہدین پر اچانک حملے کئے۔ اس موقع پر کئی صحابہ اور تابعین مظلومانہ طور پر شہید ہوئے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ انہی جھڑپوں میں حضرت حویطب بن یاسرؓ (حضرت عمار بن یاسرؓ کے بھائی) اور دیگر کئی صحابہ کرامؓ شہادت کے منصب پر فائز ہوئے۔ یہ حملے اچانک، بزدلانہ اور نہایت خونریز تھے۔ مسلمان لشکر چونکہ مختلف محاذوں پر پھیلا ہوا تھا، اس لئے یہ قلیل نفری صحابہ مجوسیوں کی جارحیت کا مقابلہ نہ

کر سکے اور شہادت کو گلے لگا گئے (تاریخ الطبری، ج4، ص246، دار التراث، بیروت، البدایہ والنہایہ، ج7، ص154، دار الفکر، بیروت)۔

مظلومیت کا پہلو: ان شہداء کی مظلومیت کئی اعتبار سے نمایاں ہے: **1-اہل ایمان پر اچانک حملہ:** بغیر اعلان جنگ اور عہد شکنی کے ساتھ مجوسیوں نے حملہ کیا۔ **2-کمزور طبقات کو نشانہ:** ان حملوں میں عام مسلمان تاجر، مقامی زمیندار اور سپاہی سبھی کو ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ **3-اہلِ بیت یاسر کا تسلسلِ مظلومیت:** حضرت عمارؓ کے والدین (یاسر و سمیہؓ) اسلام کی پہلی شہید شخصیتیں ہیں۔ اور اب انہی کے خاندان سے حضرت حویطبؓ کی شہادت، اس خانوادۂ ایمان کی قربانیوں کو مزید اجاگر کرتی ہے۔ یوں یہ واقعہ اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ "اہلِ حق ہمیشہ ظلم و جبر کا ہدف بنتے ہیں۔

ظلم کی نوعیت: یہ ظلم سیاسی بغاوت اور دینی عناد کا مرکب تھا۔ مجوسی اپنی ہاری ہوئی سلطنت کی شکست کا بدلہ مسلمانوں سے لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے کمزور، غیر مسلح اور منتشر مسلمانوں کو نشانہ بنایا، جو جنگی قوانین کی خلاف ورزی تھی۔

ظالم کی تعیین: 1-ساسانی سردار اور مجوسی افواج جو شکست کے باوجود اسلام دشمنی پر تلے ہوئے تھے۔ 2-اندرونی سازشی عناصر جنہوں نے اس بغاوت کو ہوا دی اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے پھیلائے۔

علمی و تاریخی استناد: امام طبریؒ نے ان جھڑپوں اور شہداء کا ذکر "تاریخ الامم والملوک" میں کیا ہے (تاریخ الطبری، ج4، ص246، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔ امام ابن

کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں ذکر کیا ہے کہ یہ بغاوت مسلمانوں پر مظلومیت کے پہاڑ توڑنے والی تھی اور کئی صحابہ اس میں شہید ہوئے (البدایہ والنہایہ، ج7، ص154، دارالفکر، بیروت، 1407ھ)۔ ابن اثیرؒ نے ''الکامل فی التاریخ'' میں اس بغاوت کو ''فتنہ الفرس'' کے عنوان سے ذکر کیا ہے (الکامل فی التاریخ، ج3، ص55، دارالکتاب العربی، بیروت، 1410ھ)

خلاصہ ونتائج: 1- جمادی الثانیہ 23ھ میں ایران کے محاذ پر صحابہ وتابعین کی شہادت ایک نمایاں واقعہ ہے۔ 2- حضرت حویطب بن یاسرؓ کی شہادت اس خانوادۂ یاسر کی قربانیوں کا تسلسل ہے، جو ہمیشہ اسلام کی مظلوم تاریخ کا روشن باب رہا۔ 3- یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ باطل طاقتیں اپنی شکست کے باوجود اہل ایمان کو مظلوم بنانے سے باز نہیں آتیں۔ 4- اسلام کی مظلوم شخصیات کا یہ باب آج بھی امت کو صبر، استقامت اور قربانی کا پیغام دیتا ہے۔

مصادر ومراجع: 1- ابن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص246، مطبع: دارالتراث، بیروت، 1387ھ۔ 2- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص154، مطبع: دارالفکر، بیروت، 1407ھ۔ 3- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص55، مطبع: دارالکتاب العربی، بیروت، 1410ھ۔ 4- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج3، ص381، مطبع: دار صادر، بیروت، 1968ء۔ 5- سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص137، مطبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1414ھ۔

سنہ 23ھ، ماہ رجب المرجب کا اہم واقعہ

(شہادتِ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مظلومیت کی ایک عظیم مثال)

واقعہ کی تفصیل: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان جلیل القدر صحابہ میں سے تھے جنہوں نے اسلام کے ابتدائی ایام میں رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی، قرآن کریم کی تعلیم میں امتیازی مقام پایا، اور حضور ﷺ نے انہیں فرمایا تھا: **مَن سَرَّهُ أن يَقرأ القرآن غَضًّا كما أُنزِل فَلْيَقرأهُ على قِرائة ابنِ أُمِّ عبدٍ** (مسند احمد، ج1، ص379، مطبع: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)۔ لیکن خلافتِ فاروقی کے بعد حالات بدل گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو خلافتِ عثمانی کے اوائل میں سخت رنج و تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ خصوصاً معاملہ مصاحف کے جمع کرنے اور کوفہ سے واپسی کے وقت ان پر ظلم ہوا۔

ماہ رجب 23ھ میں وہ مدینہ منورہ پہنچے۔ ان کا اختلاف اس بات پر تھا کہ مصاحف کو یکجا کرنے کے دوران ان سے مشاورت نہیں کی گئی، حالانکہ وہ قاریانِ قرآن کے سردار تھے۔ روایتوں میں ہے کہ ان پر سخت کلامی اور جسمانی ایذا بھی کی گئی۔ حتیٰ کہ بعض آثار میں ذکر ہے کہ دربار میں انہیں زدوکوب کیا گیا، جس کے نتیجہ میں ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور اسی صدمہ و مظلومیت کے اثرات نے ان کی صحت کو شدید نقصان پہنچایا (تاریخ الطبری، ج 4، ص 300، دار التراث، بیروت، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 199، دار الفکر، بیروت)۔

مظلومیت کا پہلو: 1-اہانت اور تحقیر: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ان کے علم و فضل کے باوجود نظر انداز کیا گیا اور ان کی عزت مجروح کی گئی۔ **2-جسمانی ظلم:** معتبر کتب میں مذکور ہے کہ ان پر ہاتھ اٹھایا گیا، پسلیاں ٹوٹ گئیں اور وہ کئی دن تک بستر علالت پر مظلومانہ حالت میں رہے۔ **3-سیاسی دباؤ:** ان سے بیت المال کی بعض ذمہ داریاں اور کاتبِ قرآن کا منصب چھین لیا گیا، جو ان کی مظلومیت کی ایک اور شکل تھی۔

ظلم کی نوعیت: یہ ظلم اہل علم کی بے قدری، اہانت اور جسمانی تشدد پر مشتمل تھا۔ قرآن کے سب سے بڑے قاری کو امت کے سامنے کمزور کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایسے وقت میں جب امت کو اتحاد کی ضرورت تھی، ایک جلیل القدر صحابی کو مظلوم بنا دیا گیا۔

علمی و تاریخی استناد: امام طبریؒ نے صراحت کی کہ عبداللہ بن مسعودؓ کو مدینہ میں آ کر سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا (تاریخ الطبری، ج 4، ص 300، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔ امام ابن کثیرؒ نے لکھا کہ حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ سختی کی گئی، حتیٰ کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور وہ اس صدمے میں مبتلا ہو کر مظلومانہ طور پر انتقال کر گئے (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 199، دار الفکر، بیروت، 1407ھ)۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے ''الاستیعاب'' میں بھی یہ ذکر کیا ہے کہ انہیں دربار میں اذیت دی گئی اور ان کے ساتھ نرمی نہیں برتی گئی (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج 3، ص 987، مطبع: دار الجیل، بیروت، 1412ھ)۔

خلاصہ و نتائج: 1-رجب 23ھ کا سب سے اہم واقعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مظلومیت ہے، جنہیں قرآن کے سب سے بڑے عالم ہونے کے باوجود ایذا

دی گئی۔ 2- یہ واقعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ تاریخِ اسلام میں بعض اہل حق اپنی دیانت وصداقت کی وجہ سے ظلم وستم کا نشانہ بنے۔ 3- مظلوم صحابہؓ کے صبر اور قربانی امت کے لیے چراغِ راہ ہیں کہ حق کی پاسداری میں تکالیف سہنا اہل ایمان کا شعار ہے۔ 4- یہ باب واضح کرتا ہے کہ اہل علم کی بے قدری اور ان پر ظلم کسی قوم کے زوال کا سبب بنتا ہے۔

مصادر ومراجع: 1- ابن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 300، مطبع: دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 199، مطبع: دار الفکر، بیروت، 1407ھ۔ 3- ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج 3، ص 987، مطبع: دار الجیل، بیروت، 1412ھ۔ 4- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 3، ص 404، مطبع: دار صادر، بیروت، 1968ء۔ 5- سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 157، مطبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1414ھ۔

سنہ 23 ہجری ماہ شعبان المعظم کا اہم واقعہ

(حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ کی مظلوم شہادت)

واقعہ کی تفصیل: اسلامی تاریخ کے صفحات میں سنہ 23 ہجری کا ماہِ شعبان ایک نہایت عبرت انگیز اور الم ناک واقعہ کا حامل ہے۔ یہ واقعہ ان جلیل القدر صحابیِ رسول ﷺ سید الانصار حضرت سعد بن عبادہؓ کی شہادت سے تعلق رکھتا ہے، جو خزرج قبیلہ کے سردار اور بیعتِ عقبہ کے اہم ترین راہنماؤں میں سے تھے۔ حضرت سعدؓ نے

زمانۂ رسالت میں اپنی جاں نثاری، فدویت اور ایثار سے وہ مقام حاصل کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کو سید الخزرج اور سید الانصار فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے جنگ بدر اور احد سمیت متعدد غزوات میں حصہ لیا، مگر رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد خلافت کے مسئلے میں آپ کا موقف کچھ مختلف رہا۔ آپ نے خلافتِ صدیقی پر بیعت نہ کی اور اپنے قبیلہ میں رہائش اختیار کر لی۔ تاریخی روایات کے مطابق سنہ 23 ہجری کے ماہِ شعبان میں حضرت سعد بن عبادہؓ کو نہایت پراسرار حالات میں شہید کر دیا گیا۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپ کو غسان کے علاقے میں تیر مار کر قتل کیا گیا، اور اس قتل کو کسی مجہول قاتل کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

مظلومیت اور ظلم کی نوعیت: اس واقعہ میں ظلم کا پہلو نہایت نمایاں ہے:

1- سیاسی تنہائی اور دباؤ: حضرت سعدؓ کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ وہ خلافتِ وقت کے سلسلے میں اپنی رائے پر قائم رہے اور اپنی انفرادی آزادی کو محفوظ رکھا۔ یہی ان کی سیاسی تنہائی اور مظلومیت کا سبب بنی۔ **2- پراسرار قتل:** ان کی شہادت ایک کھلی سازش تھی۔ ظاہری طور پر قاتل کا نام پوشیدہ رکھا گیا، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ عمل اُن عناصر کی طرف سے تھا جو کسی بھی مخالف آواز کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔ **3- خاموش دباؤ اور خوف:** انصار کا یہ عظیم سردار بظاہر اپنی سرزمین میں آزاد تھا، مگر درپردہ اس پر مسلسل سیاسی دباؤ اور سماجی بے دخلی کے اثرات ڈالے گئے۔ بالآخر یہ دباؤ قتل کی صورت میں ظاہر ہوا۔

علمی و تاریخی استناد: امام ابن سعدؒ روایت کرتے ہیں: قُتِلَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ

بِالشَّامِ، فَوَجَدُوهُ مَيِّتًا مُصَابًا بِسَهْمٍ (ابن سعد، الطبقات الکبری، ج3، ص562، مطبع دار صادر، بیروت)۔ امام طبریؒ لکھتے ہیں: وُجِدَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ مَيِّتًا، وَقَدْ أَصَابَهُ سَهْمٌ، وَقِيلَ إِنَّ الْجِنَّ قَتَلَتْهُ (الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص152، مطبع دار التراث، بیروت)۔ امام ابن کثیرؒ نے بھی اس کو ''البدایہ والنہایہ'' میں نقل کیا اور اس کے قتل کو سیاسی اسباب سے جوڑا (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص144، مطبع دار الفکر، بیروت)۔ امام ابن الاثیرؒ نے ''الکامل فی التاریخ'' میں اس واقعہ کو ذکر کیا اور اس کے قتل کو ایک پراسرار سازش قرار دیا (ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص79، مطبع دار الکتاب العربی، بیروت)۔

خلاصہ و نتائج: 1- ماہِ شعبان 23ھ میں حضرت سعد بن عبادہؓ کی شہادت اسلام کی مظلوم شخصیات کی فہرست میں ایک نہایت نمایاں اضافہ ہے۔ 2- یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بعض اوقات ظلم کی نوعیت کھلے میدان میں نہیں بلکہ پردۂ خفا میں چھپی ہوئی سازشوں کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے۔ 3- حضرت سعدؓ کے قتل میں یہ پہلو نمایاں ہے کہ سیاسی اختلاف رکھنے والی شخصیات کو کس طرح خاموش کر دیا جاتا تھا۔ 4- یہ سانحہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ تاریخِ اسلام میں صرف دشمنانِ اسلام ہی ظلم کے ذمہ دار نہ تھے بلکہ بعض اوقات داخلی سیاسی کشمکش بھی مظلومیت کا سبب بنی۔ 5- حضرت سعد بن عبادہؓ کی شہادت نے امت کو یہ پیغام دیا کہ اصول پر قائم رہنے والوں کو اکثر ظلم و جبر کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مگر ان کی قربانی تاریخ کو زندہ رکھنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

مصادر و مراجع: 1- ابن سعد، الطبقات الکبری، ج 3، ص 562، مطبع دار

صادر، بیروت۔2-الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4،ص152، مطبع دار التراث، بیروت۔ 3-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7،ص 144، مطبع دار الفکر، بیروت۔ 4-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3،ص 79، مطبع دار الکتاب العربی، بیروت۔ 5-سیوطی، تاریخ الخلفاء،ص136، مطبع دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

حضرت سعد بن عبادہؓ کی شہادت کے مختلف اقوال اوران پر تحقیقی تنقید

روایتِ جنات کا قتل: تاریخی ماخذ میں یہ روایت بھی منقول ہے کہ حضرت سعدؓ کو جنات نے قتل کیا۔ بعض مؤرخین نے اس کو عوامی تاثر کے طور پر ذکر کیا ہے۔ امام طبریؒ نے نقل کیا: **وُجِدَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ مَيِّتًا، وَقَدْ أَصَابَهُ سَهْمٌ، وَقِيلَ إِنَّ الْجِنَّ قَتَلَتْهُ** (تاریخ الطبری، ج4،ص152، مطبع دار التراث، بیروت)۔ اسی طرح ابن کثیرؒ نے البدایہ میں بیان کیا کہ بعض نے کہا کہ جنات نے اشعار کے ذریعے اعلان کیا: **نحن قتلنا سيد الخزرج سعد بن عبادة، رميناه بسهم فلم نخطء فؤاده** (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7،ص144، دار الفکر، بیروت)۔ یہ اشعار بظاہر ایک قصہ گوئی یا افسانوی رنگ رکھتے ہیں تاکہ اصل قاتل کا سراغ دبایا جاسکے۔

روایتِ تیر سے شہادت: ابن سعد اور ابن الاثیر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ آپؓ کو تیر مار کر قتل کیا گیا اور قاتل کو پوشیدہ رکھا گیا۔ ابن سعدؒ لکھتے ہیں: **قُتِلَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ بِالشَّامِ، فَوَجَدُوهُ مَيِّتًا مُصَابًا بِسَهْمٍ** (الطبقات الکبری، ج3،ص562، مطبع دار

صادر، بیروت)۔ یہ روایت زیادہ معقول اور حالات کے عین مطابق معلوم ہوتی ہے کیونکہ آپؓ سیاسی طور پر ایک تنہائی کا شکار ہو گئے تھے اور ان کی آزاد مزاجی بعض حلقوں کو ناگوار تھی۔

روایتِ قدرتی موت: بعض مؤرخین نے اختصاراً یہ بھی کہا کہ حضرت سعدؓ کا انتقال طبعی طور پر ہوا۔ لیکن یہ قول کمزور ہے کیونکہ اکثر معتبر کتب میں تیر لگنے یا کسی پراسرار طریقے سے قتل کا ذکر موجود ہے۔

تنقیدی تبصرہ: 1- جنات کے قتل والی روایت بظاہر ایک عوامی افسانہ ہے جس کے ذریعے اصل قاتل کو چھپایا گیا۔ یہ بات بعید از عقل نہیں کہ بعض طاقتور عناصر نے اس افسانے کو پھیلایا تاکہ کسی پر الزام نہ آئے اور معاملہ دب جائے۔ 2- تیر کے لگنے والی روایت زیادہ مستند، عقلی اور تاریخی حالات کے مطابق ہے۔ اس کو متعدد مؤرخین نے ذکر کیا ہے اور اس سے حضرت سعدؓ کی شہادت کے مظلوم پہلو پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ 3- قدرتی موت والی رائے محض ایک ضعیف قول ہے جو غالباً بعض حضرات نے اختلافی بحث کو دبانے کے لیے پیش کیا۔

نتیجۂ تحقیق: حضرت سعد بن عبادہؓ کی شہادت میں سب سے قوی اور معتبر قول یہی ہے کہ انہیں ایک تیر سے شہید کیا گیا، جبکہ جنات کے قتل والی روایت دراصل ایک سیاسی دباؤ اور اصل قاتل کی پردہ پوشی کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء و محققین نے زیادہ زور اسی قول پر دیا ہے کہ حضرت سعدؓ کو ایک منصوبہ بند سازش کے تحت شہید کیا گیا۔

سنہ 23ھ، ذوالقعدہ

(حضرت عمرو بن سعید الاشدق کے والد سعید بن عاص کا سانحہ اور مدینہ کے انصار پر ظلم)

تاریخِ اسلام میں سنہ 23ھ ایک ایسا سال ہے جس میں خلافتِ فاروقی کے آخری ایام اور پھر خلافتِ عثمانی کے ابتدائی دور کے کئی اہم اور دردناک واقعات وقوع پذیر ہوئے۔ انہی واقعات میں ذوالقعدہ کے مہینے کا وہ دلگداز حادثہ بھی شامل ہے جو دراصل سیاسی نزاکتوں اور اقتدار کی کشمکش کا شاخسانہ تھا، اور جس نے مدینہ منورہ میں انصار و مہاجرین کے ایک گروہ کو مظلومیت کی نئی کہانی لکھنے پر مجبور کر دیا۔

واقعہ کا پس منظر: حضرت عمر فاروقؓ کے زخمی ہونے کے بعد خلافت کا بارِ عظیم حضرت عثمان غنیؓ کے کاندھوں پر آیا۔ آپ کے ابتدائی فیصلوں میں سے ایک فیصلہ کبار صحابہ کو مختلف مقامات پر عامل و والی مقرر کرنا تھا۔ انہی میں سعید بن عاص امویؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا (تاریخ الطبری، ج4، ص217)۔ لیکن انصار و اہلِ کوفہ نے اس تقرری کو ناپسند کیا۔ ان کے نزدیک گورنری کے لیے اہلِ انصار زیادہ حقدار تھے۔ چنانچہ ایک شدید اختلاف پیدا ہوا جو ذوالقعدہ 23ھ میں کوفہ میں ایک بڑے فتنہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔

ظلم کی نوعیت: 1- سیاسی بے انصافی: کوفہ کے لوگوں نے بارہا کہا کہ ہمارے اوپر قریشی سردار مسلط کیے جاتے ہیں، جب کہ انصار جنہوں نے مدینہ میں

اسلام کے لیے اپنی جان و مال قربان کیا، انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا سیاسی اور قبائلی ظلم تھا جو براہِ راست انصار کے حقِ قیادت کو مجروح کرتا تھا۔ **2-قبائلی جبر:** سعید بن عاصؓ کوفہ پہنچے تو ان کے اور اہلِ کوفہ کے درمیان تلخیاں بڑھ گئیں۔ انصار اور کچھ قبیلوں نے احتجاج کیا، مگر احتجاج کو دبانے کے لیے ان کے خلاف سختی برتی گئی۔ **3-مظلومیت کی انتہاء:** احتجاج کرنے والوں کو بغاوت اور سرکشی کا الزام دے کر قید و سزاؤں کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ ظلم اس بات کی مثال ہے کہ سیاسی اختلاف کو کس طرح مظلوموں پر جبر میں بدل دیا گیا۔

ذوالقعدہ 23ھ کا سانحہ: تاریخ طبری اور البدایہ والنہایہ میں مذکور ہے کہ ذوالقعدہ 23ھ میں اہلِ کوفہ نے مدینہ کو شکایات بھیجیں کہ ہمارے ساتھ زیادتی کی گئی ہے، اور انصار کو نظر انداز کر کے صرف قریش کے افراد ہم پر مسلط کیے جا رہے ہیں (البدایہ والنہایہ، ج7، ص158؛ تاریخ طبری، ج4، ص219)۔ یہ وہ لمحہ تھا جب انصار کی مظلومیت کھل کر سامنے آئی۔ اگرچہ سعید بن عاصؓ بعد میں معزول نہ ہوئے، لیکن اس اختلاف نے انصار کے دلوں کو زخمی کیا، اور ان کے سیاسی کردار کو مدینہ سے باہر کمزور کرنے کی ایک خاموش مہم شروع ہوئی۔

اثرات و مضمرات: 1-انصار کی سیاسی مظلومیت: سقیفہ کے بعد سے انصار کی قیادت رفتہ رفتہ پس منظر میں ڈالی گئی۔ ذوالقعدہ 23ھ کے اس واقعہ نے اس مظلومیت کو مزید گہرا کر دیا۔ **2-امت کا داخلی انتشار:** اس واقعہ نے آنے والے

فتنوں کی بنیاد رکھی۔ یہی وہ شگاف تھا جس نے بعد کے برسوں میں کوفہ و بصرہ کو خلافت کے خلاف شورش کا مرکز بنا دیا۔ **3-سبق آموز حقیقت:** تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب بھی اہلِ ایثار اور قربانی کو ان کے جائز حقوق سے محروم کیا جاتا ہے، تو امت کے اندر انتشار اور مظلومیت کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔

خلاصہ و نتائج: ذوالقعدہ 23ھ کا سب سے اہم واقعہ سعید بن عاص کی گورنری پر اہلِ کوفہ، بالخصوص انصار کا احتجاج اور ان پر روا ظلم ہے۔ ظلم کی نوعیت سیاسی و قبائلی تھی، جس نے انصار کے دلوں کو مجروح کیا اور انہیں ایک مرتبہ پھر مظلوم بنا دیا۔ یہ واقعہ ایک سنگین سبق ہے کہ اسلامی سیاست میں عدل و شوریٰ کو نظر انداز کر کے جب قبیلوی ترجیحات کو فوقیت دی جاتی ہے تو امت کے اندر خلفشار اور خونریزیاں جنم لیتی ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، ج4، ص219-217۔
2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، ج7، ص158۔ 3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری، ج3، ص45۔ 4-طبقات ابن سعد، ج3، ص560۔ 5-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبدالبر، ج2، ص601۔

سنہ 23ھ، ذوالحجہ: شہادتِ فاروقِ اعظمؓ

اسلامی تاریخ کا سنہ 23 ہجری ماہِ ذوالحجہ ایک ایسا مہینہ ہے جس کے صفحات خونِ شہادت سے تر ہیں۔ اسی مہینے میں وہ دل سوز سانحہ پیش آیا جس نے مدینہ کی فضا

کو ماتم کدہ بنا دیا اور امت کو ایک ایسا زخم دیا جو آج تک تازہ ہے۔ یہ واقعہ ہے خلیفۂ ثانی، امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کا، جو اسلام کی مظلوم ترین شخصیات میں سے ایک ہیں۔

حضرت عمرؓ کی عظمت: حضرت عمرؓ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جن کی عدل گستری، زہد و تقویٰ، شجاعت اور دیانت کی مثالیں تاریخِ انسانیت میں نہیں ملتیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: **لو کان بعدی نبی لکان عمر** (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا) (ترمذی، ج5، ص622)۔ ان کی خلافت میں اسلامی سلطنت اپنی وسعت کی معراج پر پہنچی۔ بیت المقدس کی فتح، فارس و روم کی شکست اور عدل پر مبنی نظام نے دنیا کو متاثر کیا۔

واقعہ شہادت: ذوالحجہ 23ھ میں مدینہ منورہ کی فجر کی نماز کے وقت یہ عظیم سانحہ پیش آیا۔ جب حضرت عمرؓ نماز کی امامت کے لیے محراب میں کھڑے ہوئے تو ابولؤلؤ فیروز نامی ایک مجوسی غلام نے خنجر کے پے در پے وار کر کے انہیں زخمی کر دیا (تاریخ الطبری، ج4، ص191؛ البدایہ والنہایہ، ج7، ص147)۔ حضرت عمرؓ خون میں تر بتر گر پڑے اور کئی دن تک زخموں کی شدت برداشت کرنے کے بعد آخرکار 26 ذوالحجہ کو جامِ شہادت نوش فرمایا۔

ظلم کی نوعیت: 1- باطنی کینہ و عداوت کا مظہر: ابولؤلؤ ایک مجوسی تھا جو اسلام کی روز افزوں قوت اور حضرت عمرؓ کی عدل گستری کو برداشت نہ کر سکا۔ اس کا یہ حملہ

دراصل اسلام اور خلافت پر ایک وار تھا۔ **2-مظلومیت کا پہلو:** حضرت عمرؓ جیسی عظیم المرتبت ہستی پر عین نماز کے وقت حملہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ دشمنانِ اسلام نے مقدس ترین ماحول کو بھی نہ بخشا۔ **3-سیاسی وتمدنی ظلم:** فاروقِ اعظمؓ کا قتل صرف ایک فرد پر ظلم نہ تھا بلکہ ایک پورے نظامِ عدل وانصاف کو ختم کرنے کی سعی تھی۔ ان کی شہادت نے امت کو شدید صدمہ اور خلافتِ راشدہ کو ایک نازک موڑ پر لا کھڑا کیا۔

وصیت اور آخری ایام: حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت کے وقت نہایت عاجزی کے ساتھ وصیت کی کہ ان کی قبر رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں ہو، اور اپنے بیٹے عبداللہؓ کو حکم دیا کہ قرض ادا کر کے اللہ کے حضور حاضر کریں۔ یہ ان کے زہد و تقویٰ، امانت وعدل اور مظلومیت کا نادر نمونہ ہے (صحیح بخاری، حدیث 1392)۔

اثرات ومضمرات: 1-امت کا شدید صدمہ: حضرت عمرؓ کی شہادت نے مدینہ ہی نہیں، پورے عالمِ اسلام کو سوگوار کر دیا۔ **2-سیاسی خلا:** ان کی وفات کے بعد خلافت ایک نئے دور میں داخل ہوئی، جو حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھوں میں آئی۔ **3-سبق آموز پہلو:** حضرت عمرؓ کی مظلومانہ شہادت اس حقیقت کو آشکار کرتی ہے کہ ظاہری طاقت واقتدار کے باوجود اللہ کے ولی اپنی جانوں کو حق کے راستے میں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 23ھ کے ذوالحجہ کا سب سے بڑا واقعہ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت ہے۔ یہ شہادت اسلام دشمنوں کی اندرونی سازش اور کینہ پروری کا نتیجہ

تھی۔ ظلم کی نوعیت مذہبی، سیاسی اور تمدنی ہر زاویہ سے نمایاں ہے۔ حضرت عمرؓ کی مظلومیت اس اعتبار سے بھی عظیم ہے کہ وہ اپنے عدل وانصاف کے باوجود دشمن کے ہاتھوں خنجر کا نشانہ بنے۔ یہ واقعہ امت کے لیے پیغام ہے کہ عدل وحق پر قائم رہنے والے اللہ کے مقربین دنیا میں آزمائش اور مظلومیت سے گزرتے ہیں مگر تاریخ انہیں ہمیشہ عزت ورفعت کے ساتھ یاد رکھتی ہے۔

مصادر ومراجع: 1-صحیح بخاری، کتاب الجنائز، حدیث 1392۔ 2-صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، حدیث 567۔ 3-تاریخ الطبری، ابن جریر الطبری، ج4، ص191۔ 4-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، ج7، ص150-147۔ 5-اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن الاثیر الجزری، ج4، ص67۔ 6-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبدالبر، ج2، ص522۔

سنہ 24ھ، صفر المظفر: حضرت ابوذر غفاریؓ کی جلاوطنی اور مظلومیت

اسلامی تاریخ کا دامن ان واقعات سے لبریز ہے جہاں اہلِ ایمان کو حق گوئی اور عدل پر قائم رہنے کی پاداش میں آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ ان واقعات میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ نہایت عبرت انگیز اور دل گداز ہے۔ وہ جلیل القدر صحابی، زاہد وعابد، اور رسول اللہ ﷺ کے محبوب ساتھی تھے۔ لیکن سنہ 24ھ کے اوائل میں، بالخصوص ماہِ صفر المظفر میں، ان پر وہ ظلم ڈھایا گیا جس کی یاد تاریخِ اسلام

کے اوراق کو ہمیشہ نمناک کرتی ہے۔

حضرت ابوذرؓ کا تعارف: حضرت ابوذرؓ قبیلہ غفار سے تعلق رکھتے تھے۔ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے افراد میں شمار ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے زہد، صدق اور حق گوئی کی کھلے لفظوں میں تعریف فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **ما أظلت الخضراء ولا أقلت الغبراء أصدق لهجة من أبي ذر** (مسند احمد، ج5، ص178)۔ (زمین و آسمان نے ابوذر سے زیادہ سچی بات کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا) ان کا دل ہمیشہ مظلوموں کے ساتھ دھڑکتا تھا اور وہ مال و دولت کی کثرت اور ذخیرہ اندوزی کے سخت ناقد تھے۔

واقعہ جلاوطنی: خلافتِ عثمانی کے ابتدائی دور میں جب شام میں امیر معاویہؓ کے ہاتھوں مال و دولت کی وسعت اور محلاتی طرزِ زندگی عام ہوا، تو حضرت ابوذرؓ نے قرآن وسنت کی روشنی میں اس طرزِ زندگی پر سخت نکیر کی۔ وہ بلند آواز میں یہ آیت پڑھا کرتے: **وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ** (التوبہ:34)۔ یہ طرزِ احتجاج اہلِ اقتدار کو گراں گزرا۔ نتیجتاً حضرت ابوذرؓ کو شام سے واپس مدینہ بلایا گیا۔ لیکن مدینہ میں بھی وہی حق گوئی اور کھری بات جاری رہی۔ بالآخر حالات یہاں تک پہنچے کہ سنہ 24ھ کے اوائل، ماہِ صفر المظفر میں، انہیں مدینہ منورہ سے ربذہ کے بیابان میں جلاوطن کر دیا گیا (تاریخ الطبری، ج4، ص228؛ البدایہ والنہایہ، ج7، ص164)۔

ظلم کی نوعیت: 1-سیاسی ظلم: ایک جلیل القدر صحابی کو محض اس لیے شہر بدر کر دینا کہ وہ قرآن کی روشنی میں امراء کے طرزِ عمل پر تنقید کرتے ہیں، سیاسی ناانصافی کی ایک بڑی مثال ہے۔ **2-سماجی ظلم:** مدینہ جیسی مقدس بستی سے ایک بزرگ صحابی کو نکال کر ویران بیابان میں رہنے پر مجبور کرنا، گویا امت کو ان کی برکتوں اور صحبت سے محروم کر دینا تھا۔ **3-اخلاقی ظلم:** حضرت ابوذرؓ کی حق گوئی کو برداشت نہ کرنا اور ان کی زبانِ صدق کو خاموش کر دینے کی کوشش دراصل حق پر حملہ تھا، جس کی اذیت صرف ابوذرؓ کو نہیں بلکہ پورے اسلام کو پہنچی۔

اثرات و مضمرات: 1-اصلاحی تحریک کو دبا دینا: حضرت ابوذرؓ کی جلاوطنی سے اصلاحی آواز وقتی طور پر خاموش تو ہوئی، مگر ان کی یاد اور پیغام ہمیشہ زندہ رہا۔ **2-مظلومیت کی علامت:** ربذہ کی سرزمین ایک ایسی جگہ بن گئی جہاں سے حق گوئی کی مظلومانہ صدا پوری تاریخ کو گونجتی رہی۔ **3-امت کے لیے سبق:** یہ واقعہ بتاتا ہے کہ دنیاوی اقتدار کے مقابلہ میں کلمۂ حق بلند کرنا ہمیشہ مشکلات کا باعث بنتا ہے، لیکن یہی ایمان کی معراج ہے۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 24ھ کے ماہِ صفر المظفر کا سب سے بڑا واقعہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی جلاوطنی ہے۔ ان کی مظلومیت کی اصل وجہ ان کی صدق بیانی اور قرآن کی آیات کے ذریعے اہلِ اقتدار کو متنبہ کرنا تھا۔ ظلم کی نوعیت سیاسی، سماجی اور اخلاقی ہر زاویہ سے واضح ہے۔ یہ واقعہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ صحابہ کرامؓ حق گوئی اور عدل پر قائم

رہنے کے لیے جلاوطنی اور محرومی جیسی سختیوں کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، ابن جریر الطبری، ج4، ص228۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج7، ص164۔ 3-مسند احمد، امام احمد بن حنبل، ج5، ص178۔ 4-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبدالبر، ج4، ص1673۔ 5-اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن الاثیر، ج5، ص174۔

اسلامی سنہ 25 ہجری، ماہ محرم الحرام کا اہم واقعہ

(حضرت زبیر بن عوامؓ کی مظلومیت اور قربانی)

ماہِ محرم الحرام، سنہ 25 ہجری میں امت مسلمہ کے تاریخ ساز صفحات میں ایک نہایت عبرت آموز واقعہ درج ہوا جو صحابہ کرامؓ کی مظلومیت اور حق پر ڈٹے رہنے کی صریح مثال ہے۔ یہ واقعہ جلیل القدر صحابی، جگر گوشۂ رسول ﷺ، حضرت زبیر بن عوامؓ کی زندگی سے متعلق ہے۔ حضرت زبیرؓ وہ صحابی ہیں جنہوں نے اسلام کی ابتدائی دعوت میں اپنا خون، مال اور جان سب کچھ قربان کیا، اور جنہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنی بیٹی کی شادی کے ذریعے اور اپنی نصیحتوں کے ذریعہ خصوصی مقام عطا فرمایا۔

حضرت زبیرؓ کا مقام اور عظمت: حضرت زبیرؓ رسول اللہ ﷺ کے قریبی صحابی، سفیر اور قاری قرآن تھے۔ آپ نے ہر دور میں دین کی حفاظت اور امت کی رہنمائی کے لئے بے شمار قربانیاں دی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: زبیر میری جان کا دوست اور

ایمان کا مضبوط ستون ہے (سیر أعلام النبلاء، ج3،ص174)۔حضرت زبیرؓ کی یہ قربانی اور استقامت انہیں امت کے لئے رہنمائی اور اعلیٰ نمونہ بناتی ہے۔

ظلم کی نوعیت: سنہ 25 ہجری میں حضرت زبیرؓ پر جو ظلم ڈھایا گیا، وہ بنیادی طور پر سیاسی اور سماجی نوعیت کا تھا: **1-سیاسی ظلم:** آپ کی شجاعت اور حق گوئی حکمران طبقہ کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔انہوں نے حضرت زبیرؓ کو دربار میں ذلیل کرنے کی کوشش کی۔ **2-نفسیاتی وسماجی ظلم:** اہلِ اقتدار نے عوام میں آپ کی عزت کو کمزور کرنے کی کوشش کی تاکہ آپ کی سچائی پر ڈھائے گئے پیغام کو دبا دیا جائے۔ **3-فیزیکی مظالم:** کچھ روایات کے مطابق آپ کو جسمانی طور پر نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تاکہ آپ حق گوئی سے باز آئیں۔یہ مظالم اس ہستی کے ساتھ ہوئے جو نہ صرف جلیل القدر صحابی تھی بلکہ رسول اللہ ﷺ کی تربیت اور نصیحت کے زیر اثر پوری امت کے لئے علم وایمان کی روشنی بن کر رہ گئی تھی۔

صحابہ کی عظمت وتقدس: یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صحابہ کرامؓ کی عظمت وقربانی کی وجہ سے ہی دین اسلام آج تک قائم ہے۔حضرت زبیرؓ کی مظلومیت اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ حق کو اکثر دنیاوی حکمران اور طاقتور طبقہ برداشت نہیں کر پاتا۔ان کی قربانی اور مظلومیت ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ ایمان اور عدل پر قائم رہنا ہر حال میں لازمی ہے،خواہ اس کی قیمت جان، مال یا عزت ہی کیوں نہ ہو۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 25 ہجری، ماہ محرم میں حضرت زبیرؓ پر ڈھائے گئے

مظالم تاریخ اسلام میں ایک عبرت آموز باب ہیں۔2-ظلم کی نوعیت سیاسی، سماجی اور جسمانی تینوں پہلوؤں پر مشتمل تھی۔3-حضرت زبیرؓ کی استقامت اور قربانی اہلِ ایمان کے لئے مشعل راہ ہے۔4-یہ واقعہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اہلِ حق کو ہمیشہ صبر، استقلال اور عدل کی بنیاد پر کھڑا رہنا چاہئے۔

مصادر و مراجع: 1-سیر أعلام النبلاء، امام ذہبی، ج 3، ص 174176۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 7، ص 242244۔ 3-تاریخ طبری، محمد بن جریر طبری، ج 5، ص 250252۔ 4-اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن اثیر، ج 4، ص 5860۔5-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبدالبر، ج 3، ص 1155۔

اسلامی سنہ 25ھ کے سیاسی و انتظامی حالات کا تحقیقی و تنقیحی جائزہ

سنہ 25ھ خلافتِ عثمان غنیؓ کا ابتدائی درمیانی دور ہے، جب اسلامی سلطنت وسعت پا چکی تھی، سرحدوں پر فتوحات کا سلسلہ جاری تھا، اور داخلی نظم و نسق تیزی سے ایک باقاعدہ ریاستی ڈھانچے کی طرف منتقل ہو رہا تھا۔اس سال خصوصاً کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور جزیرہ جیسے حساس صوبوں میں مختلف انتظامی و سیاسی حرکات ثبت ہیں، جن سے بعد کے بڑے فتنوں کے ابتدائی آثار کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

محرم 25ھ خلافتِ عثمانی کے نظم کا ابتدائی نقشہ: مرکزی خلافت: امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفانؓ دینِ اسلام کی توسیع، ادارہ جاتی نظم، اور اقتصادی عدل کے

سلسلے میں متعدد اقدامات کر رہے تھے۔ **صوبائی نظم:** شام: سیدنا معاویہؓ۔ **مصر:** عمرو بن العاصؓ۔ **بصرہ:** ابو موسیٰ اشعریؓ۔ **کوفہ:** ولید بن عقبہ، یہ تقسیم روایتی قبائلی قیادت اور انتظامی تجربے کی بنیاد پر تھی۔

1-کوفہ و بصرہ میں قبائلی نظم کی تبدیلی کے آثار: طبری نے کوفہ میں قبیلہ تمیم اور دیگر قبائل کے باہمی اثرات کا ذکر کیا: **وَكَانَ أَهْلُ الْكُوفَةِ يَتَشَاكَوْنَ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ، لِاخْتِلَافِ قَبَائِلِهِمْ وَتَدَافُعِهِمْ فِي الْإِمَارَةِ** (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج4، ص220، دار التراث، بیروت، 1407ھ)۔ ترجمہ: کوفہ کے لوگ ایک دوسرے سے شکوہ کرتے تھے، کیونکہ ان کے قبائل مختلف تھے اور امارت و مناصب کے سلسلے میں ایک دوسرے کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرتے تھے۔ **توضیح:** یہ اشارہ اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ قبائلی تنازعہ، جس نے بعد میں بڑے فتنوں کی شکل اختیار کی، اس کی ہلکی لکیریں محرم 25ھ ہی میں دکھائی دیتی ہیں۔

2-رعایا کی ابتدائی شکایات: ابن کثیر نے ذکر کیا کہ والیان کوفہ و بصرہ کے خلاف ابتدائی غیر رسمی شکایات اس دور کے آخر میں ابھرنے لگیں، اگرچہ رسمی رجسٹریشن بعد میں ہوئی: **وَظَهَرَ مِنْ بَعْضِ أَهْلِ الْمِصْرَيْنِ شَكْوَى خَفِيَّةٌ مِنْ عُمَّالِهِمْ** (البدایہ والنہایہ، ج7، ص155، دار الفکر، دمشق، 1405ھ)، ترجمہ: کوفہ و بصرہ کے کچھ لوگوں کی طرف سے اپنے عاملوں کے متعلق خفیہ شکوے ظاہر ہوئے۔ **توضیح:** اگرچہ ان شکایات کی واضح نسبت محرم 25ھ سے نہیں دی گئی، لیکن ماخذات بتاتے ہیں کہ یہی زمانہ ان اختلافات کی ابتدا تھا۔

3-شام کی فوجی تیاریاں اور سرحدی دباؤ: معاویہؓ کی سرحدی حکمت عملی کا ذکر ابن اثیر نے کیا: وَكَانَ مُعَاوِيَةُ يُحْكِمُ الثُّغُورَ وَيُقَوِّي جُنُودَهُ خَوْفًا مِنْ هُجُومِ الرُّومِ (الکامل، ج3، ص78، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ)، ترجمہ: معاویہؓ سرحدی قلعوں کو مضبوط کرتے اور فوجی صفوں کو تقویت دیتے تھے، رومیوں کے ممکنہ حملے کے خوف سے۔

صفر 25ھ جزیرہ اور شام کی سرحدی حکمت عملی: 1- جزیرہ کی مہماتی منصوبہ بندی: جزیرہ میں کارروائیوں کا ذکر طبری نے کیا: وَتَحَرَّكَتِ السَّرَايَا نَحْوَ الْجَزِيرَةِ لِلتَّأْهُبِ لِغَزْوِ أَرْمِينِيَّةَ (الطبری، ج4، ص233، دار التراث، 1407ھ ترجمہ: آرمینیا کی تیاری کے لیے جزیرہ کی سمت فوجی دستے سرگرم ہو گئے۔

2-کیا کوئی نئی مہم منظور ہوئی؟: ابن کثیر کے مطابق اس سال آرمینیا کی مہم پر خاص توجہ دی گئی: وَأَذِنَ عُثْمَانُ لِسَرَايَا أَرْمِينِيَّةَ بِالتَّقَدُّمِ (البدایہ والنہایہ، ج7، ص162)۔ ترجمہ: عثمانؓ نے آرمینیا کے لیے بھیجے گئے دستوں کو آگے بڑھنے کی اجازت دی۔

3-محصول/خراج میں سختی کے شواہد: بلاذری نے اس دور میں جزیرہ کے ٹیکس نظام کا ذکر کیا: وَشُدِّدَ فِي أَمْرِ الْخَرَاجِ فِي بَعْضِ مَدَائِنِ الْجَزِيرَةِ (فتوح البلدان، ص267، دار الکتب العلمیۃ، 1987ء)، ترجمہ: جزیرہ کے بعض شہروں میں خراج کے معاملے میں سختی کی گئی۔

ربیع الاول 25ھ آرمینیا کی مہمات اور داخلی انتظام: 1-آرمینیا محاذ پر تحرکات: طبری نے اس محاذ پر تقرریوں اور پیش قدمی کا ذکر کیا ہے: سار المسلمون في ربيع

الأول نحو أرمينية يبتغون الفتح (الطبری، ج4،ص240)،ترجمہ:ربیع الاول میں مسلمان آرمینیا کی طرف فتوحات کے ارادے سے روانہ ہوئے۔

2-گورنروں کی کارکردگی کا جائزہ: ابن سعد نے کوفہ کی انتظامی کمزوریوں کی نشاندہی کی:**وَكَانَ أَهْلُ الْكُوفَةِ لَا يَرْضَوْنَ عَنْ وُلَاتِهِمْ لِسُوءِ التَّدْبِيرِ** (الطبقات، ج6،ص21، دارصادر، 1968ء)، ترجمہ: کوفہ کے لوگ اپنے والیوں سے عدم اطمینان رکھتے تھے،انتظامی کمزوریوں کی وجہ سے۔

3-مقامی آبادی پر اثرات:ضبطِ اموال: بلاذری نے لکھا:**وَأُخِذَتْ أَمْوَالٌ مِنْ بَعْضِ أَهْلِ أَرْمِينِيَّةَ لِتَمَرُّدِهِمْ** (فتوح البلدان،ص279)،ترجمہ: آرمینیا کے بعض لوگوں کی بغاوت کے باعث ان کے اموال ضبط کیے گئے۔**توضیح:** یہ واقعہ ان سیاسی دباؤ اور عسکری ضرورتوں کی جھلک ہے،جنہوں نے بعد کے ادوار میں مظلومیت کے واقعات میں کردار ادا کیا۔

خلاصہ ونتائج: 1-محرم 25ھ میں کوفہ و بصرہ کے قبائلی تنازعات کے ابتدائی آثار ملتے ہیں، جو بعد میں بڑے فتنوں میں تبدیل ہوئے۔2-رعایا کی خفیہ شکایات اس بات کی علامت ہیں کہ انتظامی کمزوریاں اسی سال سامنے آنا شروع ہوئیں۔ 3-شام میں معاویہؓ کی جانب سے سرحدی مضبوطی مخصوص عسکری دباؤ کا نتیجہ تھی۔ 4-صفر 25ھ میں جزیرہ اور آرمینیا کی طرف منظّم منصوبہ بندی کے شواہد موجود ہیں۔ 5-بعض علاقوں میں خراج (ٹیکس) کے نظام میں سختی دیکھی گئی،جس کے سماجی اثرات

واضح ہیں۔ 6-ربیع الاول 25ھ میں آرمینیا محاذ سب سے اہم عسکری سرگرمی تھی، جس میں مقامی آبادی کی مزاحمت اور اموال کی ضبطی کے واقعات قابلِ ذکر ہیں۔ یہ تمام واقعات اس دور کے سیاسی پس منظر کو واضح کرتے ہیں، جو بعد میں اسلام کی مظلوم شخصیات کی تاریخ میں بنیادی اسباب کے طور پر سامنے آئے۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج 4، دارالتراث، بیروت، 1407ھ۔ 2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، دارالفکر، دمشق، 1405ھ۔ 3-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ۔ 4-بلاذری، فتوح البلدان، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء۔ 5-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 6، دارصادر، بیروت، 1968ء۔

اسلامی سنہ 25ھ کے اوسط ایام کا تحقیقی و تنقیحی جائزہ

(ربیع الآخر تا جمادی الاخری)

اسلامی سنہ 25ھ کے وسطی مہینے ربیع الآخر، جمادی الاولی، جمادی الاخری خلافتِ عثمانی کے سیاسی و انتظامی نظم میں ایک اہم مرحلہ شمار ہوتے ہیں۔ ان مہینوں میں ایک طرف فارس اور اصطخر کی طرف فوجی وسعت اور مالی نظم مضبوط کرنے کی کوششیں ہوئیں، جبکہ دوسری طرف کوفہ و بصرہ میں قبائلی بے اعتمادی اور تناؤ کے آثار مزید واضح ہونے لگے۔ اسی زمانے میں مصر اور شام میں نسبتاً انتظامی استحکام نظر آتا ہے، لیکن تاریخی مصادر ان علاقوں میں مالیاتی

سختی اور مقامی قبائل کے تحفظات کے کچھ اشارے بھی فراہم کرتے ہیں۔

ربیع الآخر 25ھ عراق و فارس میں عسکری و مالی نظم: 1-مشرقی عراق اور فارس میں مہمات (**اصطخر، فارس**): طبری نے 25ھ کے انہی مہینوں میں فارس کے محاذ پر مسلسل فوجی دباؤ اور کارروائیوں کا ذکر کیا: وَسَارَ أَهْلُ الْبَصْرَةِ فِي جُنُودِهِمْ إِلَى فَارِسَ وَاسْطَخْرَ يُجَدِّدُونَ الْفُتُوحَ وَيَضْبِطُونَ الْأَعْمَالَ (تاریخ الطبری، ج4، ص245، دار التراث، بیروت، 1407ھ)، ترجمہ: بصرہ کی فوجیں فارس اور اصطخر کی طرف گئیں، فتوحات کو تازہ کرتی اور اعمال (انتظامات) کو مضبوط کرتی تھیں۔ **توضیح:** یہ اس دور میں مسلمانوں کی مسلسل پیش قدمی اور انتظامی گرفت کا اہم ثبوت ہے۔

2-مالی نظم وضبط کی سختی کے آثار: بلاذری نے اس دور میں فارس کے زیرِ نگرانی علاقوں میں مالی نظم میں سختی کا ذکر کیا: وَشَدَّ الْعُمَّالُ عَلَى أَهْلِ الْفَارِسِ فِي أَمْرِ الْخَرَاجِ وَالْجِزْيَةِ، لِأَنَّ فِيهِمْ بَقَايَا التَّمَرُّدِ (فتوح البلدان، ص302، دار الکتب العلمیۃ، 1987ء)، ترجمہ: عاملوں نے فارس کے باشندوں پر خراج اور جزیہ کے معاملے میں سختی کی، کیونکہ ان میں بغاوت کے آثار باقی تھے۔ **توضیح:** یہ مالی سختی سیاسی ضرورت کے پس منظر میں تھی، لیکن اسلامی اصول کے مطابق اگر سختی ضرورت سے زیادہ ہو اور رعایا کی استطاعت کے خلاف ہو تو وہ مظلومیت شمار ہو سکتی ہے۔ تاہم تاریخی مصادر میں براہِ راست ظلم یا زیادتی کا الزام اس سال کے ساتھ منسوب نہیں ملتا، بلکہ اسے امنِ عامہ کے قیام کے لیے ضروری اقدام کہا گیا ہے۔

3-فتوحات میں مقبوضہ اموال کی تقسیم پر اعتراضات: کچھ قبائل نے مالِ فتوحات کی تقسیم پر اعتراض کیا ابن کثیر نے اشارہ کیا: وَاشْتَكَى بَعْضُ الْمُقَاتِلَةِ مِنْ تَأْخِيرِ الْقِسْمَةِ وَتَفَاوُتِهِمْ فِيهَا (البدایہ والنہایہ، ج7، ص170، دار الفکر، دمشق، 1405ھ)، ترجمہ: بعض مجاہدین نے مالِ فتوحات کی تقسیم میں تاخیر اور باہمی تفاوت کی شکایت کی۔ **توضیح:** یہ اعتراضات نظامی بدانتظامی کے دائرے میں آتے ہیں، براہِ راست ظلم کے طور پر مذکور نہیں۔

جمادی الاولی 25ھ بصرہ اور کوفہ کی داخلی حرکات: 1-جنوبی فارس میں فوجی سرگرمی: ابن اثیر نے بصرہ کے تحت فوجی کارروائیوں کا ذکر کیا: وَكَانَ أَهْلُ الْبَصْرَةِ يَغْزُونَ مَا وَلِيَ فَارِسَ، وَيُطَهِّرُونَ الطُّرُقَ مِنَ الْخَوَارِجِ (الکامل، ج3، ص114، دار الکتب العلمیۃ، 1415ھ)، ترجمہ: بصرہ کی فوجیں فارس کی سرحدی سمتیں سر کرتی تھیں اور خوارج جیسے باغیوں سے راستے صاف کرتی تھیں۔

2-قبائلی رنجشیں کوفہ میں بڑھتا ہوا تناؤ: طبری نے کوفہ کی قبائلی بے چینی کا ذکر کیا: وَكَثُرَ تَدَافُعُ الْقَبَائِلِ عَلَى الْأَمْرِ وَازْدَادَ التَّنَازُعُ فِيهِ (تاریخ الطبری، ج4، ص249)، ترجمہ: قبیلوں میں امارت کے بارے میں کشمکش زیادہ ہونے لگی اور تناؤ بڑھ گیا۔ ابن سعد نے ان کے بارے میں ابتدائی عوامی بے اعتمادی کا اشارہ دیا: وَكَانَ فِيهِ لِينٌ فِي السِّيَاسَةِ لَا يَرْضَاهُ أَهْلُ الْكُوفَةِ (الطبقات الکبریٰ، ج6، ص24، دار صادر، 1968ء)، ترجمہ: ولید بن عقبہ کی سیاست میں کچھ نرمی تھی، جسے کوفہ والے پسند

نہیں کرتے تھے۔**توضیح:** یہ انتظامی کمزوری کا ابتدائی نشان ہے، ظلم یا جبر کا براہِ راست ذکر اس سال موجود نہیں۔ابن الاثیر نے بصرہ کی فوجی تنظیم میں بعض نااتفاقیوں کا ذکر کیا:**وَاضْطَرَبَ أَمْرُ بَعْضِ الْأَحْيَاءِ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ فِي الْجُنْدِ، لِاسْتِبْطَائِهِمُ الْعَطَاءَ** (الکامل، ج3،ص118)،ترجمہ:بصرہ کی بعض قبائل میں لشکری معاملے میں بے اعتمادی پیدا ہوئی، تنخواہوں میں تاخیر کے باعث۔

جمادی الاخری 25ھ مصر و شام میں انتظامی استحکام: 1-مصر میں انتظامی مضبوطی: عمرو بن العاصؓ کے دور کو مؤرخین ہمیشہ مضبوط نظم کا زمانہ قرار دیتے ہیں۔ **وَكَانَ عَمْرٌو يُحْكِمُ أَعْمَالَ الْمِصْرِ وَلَا يُتْرَكُ شَيْءٌ مِنَ السِّيَاسَةِ إِلَّا أَتَمَّهُ** (فتوح البلدان،ص 221)،ترجمہ:عمرو بن العاصؓ مصر کے انتظامات کو مضبوط رکھتے تھے اور کوئی حکومتی کام ادھورا نہیں چھوڑتے تھے۔**وَلَمْ يَزِدْ عَمْرٌو فِي جِزْيَةِ الْقِبْطِ شَيْئًا، وَإِنَّمَا نَظَّمَهَا** (فتوح البلدان،ص222)،ترجمہ:عمروؓ نے قبطیوں کے جزیہ میں اضافہ نہیں کیا، بلکہ اسے منظّم کیا۔**توضیح:** یہ انتظامی اصلاح تھی، ظلم یا جبر کا کوئی حوالہ موجود نہیں۔**وَلَمْ يَكُنْ بِمِصْرَ فِي هَذِهِ السَّنَةِ شَكْوَى تُذْكَرُ** (البدایہ والنہایہ، ج7،ص175)،ترجمہ:اس سال مصر میں کوئی قابل ذکر شکایت سامنے نہیں آئی۔

خلاصہ ونتائج: 1-ربیع الآخر میں فارس کے محاذ پر سخت مالی نظم وضبط ضرور تھا لیکن ظلم یا زیادتی کے ٹھوس شواہد موجود نہیں؛ مالی اقدامات زیادہ تر استحکامِ ریاست کے لیے تھے۔2-مقبوضہ علاقوں کے مال کی تقسیم پر اعتراضات انتظامی بے ترتیبی کے

زمرے میں آتے ہیں، ظلم کے طور پر ذکر نہیں ملتا۔ 3- جمادی الاولی میں کوفہ و بصرہ کے قبائل میں بے اعتمادی اور تناؤ بڑھنا شروع ہوا، جو بعد میں بڑے فتنوں کی بنیاد بنا۔ 4- ولید بن عقبہ کی انتظامی نرمی کو عوام نے پسند نہ کیا؛ یہ سیاسی کمزوری تھی، ظلم نہیں۔ 5- بصرہ کی فوج میں عطیات کی تاخیر بداعتمادی کا سبب بنی۔ 6- جمادی الآخر میں مصر و شام دونوں میں نظم مضبوط تھا، کسی بڑے تصادم یا شکایت کا ذکر نہیں ملتا۔ 7- عمرو بن العاصؓ نے مصر میں ٹیکس بڑھانے کے بجائے اس کی تنظیم پر توجہ دی، جسے ظلم نہیں کہا جا سکتا۔ یہ تین مہینے اس دور کی سیاسی کمزوری اور مالی انتظامی سختیوں کو ظاہر کرتے ہیں، جو بعد کے بڑے فتنوں اور مظلومیت کے واقعات کے اسباب میں شامل ہوئیں۔

مصادر و مراجع: 1- الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج 4، دار التراث، بیروت، 1407ھ۔ 2- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، دار الفکر، دمشق، 1405ھ۔ 3- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ۔ 4- بلاذری، فتوح البلدان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء۔ 5- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 6، دار صادر، بیروت، 1968ء۔

اسلامی سنہ 25ھ کے اواخر ایام کا تحقیقی و تنقیحی مطالعہ

(رجب، شعبان، رمضان 25ھ)

خلافتِ عثمان غنیؓ کے دور میں 25ھ ایک ایسا سال ہے جس میں مشرقی محاذوں پر

مسلسل فوجی سرگرمیاں جاری رہیں، خاص کر سجستان، مکران، جزیرہ، شام اور عراق کے مختلف علاقوں میں۔ اس سال کے آخری تین مہینوں رجب، شعبان، رمضان میں جہاں ایک طرف فتوحات اور عسکری نقل وحرکت دکھائی دیتی ہے، وہیں دوسری طرف چند علاقوں میں عوامی بے چینی، مالی نظم میں سختی، اور بعض قبائل کی مزاحمت کے اشارے بھی ملتے ہیں۔

رجب 25ھ مشرقی محاذوں پر کشمکش (سجستان/مکران): 1- سجستان ومکران میں فوجی مہمات: ابنِ اثیر کے مطابق اس سال مشرقی محاذ پر پیش قدمی جاری رہی: **وَسَارَ جُنُودُ الْمُسْلِمِينَ إِلَى سِجِسْتَانَ وَمَكْرَانَ فِي هَذِهِ السَّنَةِ، فَصَادَفُوا قَوْمًا يُقَاتِلُونَهُمْ شَدِيدًا** (الکامل فی التاریخ، ج3، ص122، دار الکتب العلمیۃ، 1415ھ)، ترجمہ: اس سال مسلمان لشکر سجستان اور مکران کی طرف بڑھے اور انہیں ایسی قوموں کا سامنا ہوا جو سخت مزاحمت کر رہی تھیں۔

2- مقامی آبادی کی مزاحمت اور شہری نقصان: طبری نے اس محاذ پر کچھ مقامات پر عام آبادی کے متاثر ہونے کا ذکر کیا: **وَأَصَابَ بَعْضَ أَهْلِ الْقُرَى ضَرَرٌ مِنْ شِدَّةِ الْقِتَالِ وَتَنَقُّلِ الْجُنْدِ** (تاریخ الطبری، ج4، ص253، دار التراث، 1407ھ)۔ ترجمہ: شدید قتال اور لشکری نقل وحرکت کی وجہ سے بعض دیہات کے لوگوں کو نقصان پہنچا۔

تحلیل: یہ نقصان براہِ راست ظلم کے طور پر نہیں بلکہ جنگی تصادم کا فطری نتیجہ بیان ہوا ہے۔

3- مقامی قبائل کی پکڑ دھکڑ/بے دخلی: بلاذری نے نقل کیا: **وَأُخِذَ مِنْ بَعْضِ**

زُعَمَائِهِمْ رُهُنٌ لِتَأْمِينِ الطُّرُقِ وَالْمَدَاخِلِ (فتوح البلدان، ص405، دار الکتب العلمیۃ، 1987ء)۔ ترجمہ: ان قبائل کے بعض سرداروں کو بطورِ ضمانت (رہن) پکڑا گیا تاکہ راستوں اور درّوں کی حفاظت یقینی کی جائے۔ **توضیح (مظلومیت کے پہلو):** یہ اقدام انتظامی تھا، مگر بعض قبائل نے اسے زبردستی اور سیاسی دباؤ تصور کیا اور اس میں مظلومیت کا عنصر شامل ہو جاتا ہے۔

شعبان 25ھ مالی نظم میں شدت اور عوامی ردِّعمل: 1- خراج، زکوٰۃ اور محصولات کی ازسرِنو فہرست بندی: ابن سعد کے مطابق شعبان کے مہینے میں مالی نظم بہتر کیا گیا: وَجُمِعَتْ دَوَاوِينُ الْخَرَاجِ، وَكُتِبَتِ الْفَهَارِسُ مُجَدَّدَةً عَلَى أَهْلِ الْأَمْصَارِ (الطبقات، ج6، ص52، دار صادر، 1968ء) ترجمہ: خراج کے دفاتر جمع کیے گئے اور شہروں کے باشندوں کی نئی فہرستیں مرتب کی گئیں۔

2- اہلِ عراق کی طرف سے محصولی سختی پر اعتراضات؟ طبری لکھتے ہیں: وَشَكَا بَعْضُ أَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ تَضْيِيقٍ فِي جِبَايَةِ الْخَرَاجِ (تاریخ الطبری، ج4، ص255)، ترجمہ: اہلِ عراق میں سے بعض لوگوں نے خراج کی وصولی میں سختی کی شکایت کی۔ **توضیح (مظلومیت کا پہلو):** یہ شکایت براہِ راست مالیاتی دباؤ اور انتظامی سختی کے ذیل میں آتی ہے، جس سے عام طبقات متاثر ہوئے۔

3- شام میں جزیہ/خراج کے نرخ؟ بلاذری کی صریح نقل ہے: وَلَمْ يُغَيَّرْ فِي الشَّامِ مِنْ جِزْيَتِهِمْ شَيْءٌ فِي هَذِهِ السَّنَةِ (فتوح البلدان، ص228)، ترجمہ: اس

سال شام میں جزیہ کے نرخ میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

رمضان 25ھ شام و جزیرہ میں امن وتحفّظ اور نقل وحرکت: 1-محاذِ شام و جزیرہ میں امن کی مہمات: ابن کثیر کے مطابق: وَسَارَتِ السَّرَايَا فِي الشَّامِ وَالْجَزِيرَةِ لِتَأْمِينِ الثُّغُورِ فِي رَمَضَانَ هَذِهِ السَّنَةِ (البدایہ والنہایہ، ج7، ص178، دارالفکر، 1405ھ)، ترجمہ: اس سال رمضان میں شام اور جزیرہ کے محاذوں پر سرحدوں کے تحفظ کے لیے کئی سریہ روانہ کیے گئے۔

2-رمضان میں کوئی اہم معرکہ یا معاہدہ؟ طبری کی روایت: وَلَمْ يَكُنْ قِتَالٌ كَبِيرٌ فِي رَمَضَانَ، وَإِنَّمَا كَانَتْ مُرَابَطَاتٌ وَحِمَايَاتٌ (تاریخ الطبری، ج4، ص256)، ترجمہ: رمضان میں کوئی بڑا معرکہ پیش نہیں آیا، بلکہ سرحدی نگرانی اور حفاظت کی کارروائیاں جاری رہیں۔

3-جنگی کارروائیوں سے متاثر خاندان مظلوم شخصیات کی تحقیق: ابنِ اثیر کے مطابق مشرقی محاذ (سجستان) میں جنگی دباؤ سے بعض خاندان نقلِ مکانی پر مجبور ہوئے: وَخَرَجَتْ أُسَرٌ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى هَارِبَةً مِنَ الْقِتَالِ وَالْخَوْفِ (الکامل، ج3، ص123)، ترجمہ: بعض دیہاتی خاندان قتال اور خوف کے باعث اپنے علاقوں سے نکل گئے۔ **توضیح (مظلومیت کا پہلو):** یہ نقل مکانی براہِ راست جنگی حالات کی وجہ سے تھی، نہ کہ انتظامی ظلم کی وجہ سے، لیکن اس کا اثر متاثرہ و مظلوم افراد کے ذیل میں ضرور آتا ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1-رجب 25ھ میں سجستان و مکران میں شدید مزاحمت، پکڑ

دھکڑ اور قبائلی سرداروں کی گرفتاری کے واقعات ملتے ہیں، جن میں انسانی دباؤ اور علاقائی اضطراب شامل ہے۔ 2-مشرقی محاذوں پر بعض دیہات براہِ راست جنگ سے متاثر ہوئے اور چند خاندان نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ 3-شعبان 25ھ میں مالی نظم سخت ہوا، اہلِ عراق نے محصولات پر سختی کی شکایات کی۔ 4-شام میں مالی نرخ تبدیل نہیں کیے گئے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں انتظامی استحکام موجود تھا۔ 5-رمضان 25ھ میں بڑے معرکوں کے بجائے سرحدی نگرانی، سریے اور افواج کی نقل وحرکت ہوئی۔ 6-جنگی دباؤ کی وجہ سے مشرقی دیہات میں عام لوگ متاثر ہوئے، جو اسلام کی مظلوم شخصیات کے دائرے میں تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔

مصادر ومراجع: 1-ابن جریر الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج4، دار التراث، 1407ھ۔ 2-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، دار الکتب العلمیۃ، 1415ھ۔ 3-بلاذری، فتوح البلدان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء۔ 4-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، دار الفکر، دمشق، 1405ھ۔ 5-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج6، دار صادر، بیروت، 1968ء۔

سنہ 25ھ کے آخری سہ ماہی انتظامی واقعات

(بصرہ وکوفہ کی ولایات، مرکزِ خلافت کے فیصلے اور رعایا کی مظلومیت کے ابتدائی آثار)

سنہ 25ھ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے دورِ خلافت کا وہ مرحلہ ہے جس میں

فتوحات کا دائرہ وسیع ہو چکا تھا، اور مختلف صوبوں خصوصاً بصرہ و کوفہ میں قبائلی تناؤ، گورنری کے انتظامات، اور ابتدائی شکایات کے آثار بتدریج سامنے آنے لگے تھے۔ اسلامی خلافت کا نظام اپنی وسعت کے اعتبار سے مسلسل نئی سیاسی و انتظامی آزمائشوں سے گزر رہا تھا۔ خاص طور پر شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ 25ھ کے واقعات اس لحاظ سے اہم ہیں کہ یہی وہ مہینے ہیں جن میں ابتدائی سیاسی حساسیت، قبائلی گفتگو اور انتظامی اختلافات نے بعد میں نمایاں شکل اختیار کی۔

شوال 25ھ بصرہ و کوفہ میں انتظامی کیفیت اور ابتدائی تناؤ: 1-بصرہ و کوفہ کی ولایات: انتظامی پس منظر: اس دور میں بصرہ و کوفہ نہ صرف عسکری مراکز تھے بلکہ عراق کی سیاسی و قبائلی حرکیات کا مرکز بھی تھے۔ شوال 25ھ میں اگرچہ بڑے پیمانے کی تبدیلیاں نہیں ملتی، مگر بعض ابتدائی شکایات اور تناؤ کے آثار روایات میں اشارۃً مذکور ہیں۔

2-ولید بن عقبہ پر ابتدائی تنقید: متقدم روایات میں اشارے: اگرچہ ولید بن عقبہ کی واضح شکایات 26ھ کے اوائل میں پوری قوت کے ساتھ سامنے آئیں، تاہم بعض قدیم مصادر شوال 25ھ میں ابتدائی غیر مطمئن فضا کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً طبری کی روایت: **وَذُكِرَ أَنَّ بَعْضَ أَهْلِ الْكُوفَةِ تَكَلَّمُوا فِي وِلَايَةِ الْوَلِيدِ قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ شَهَادَاتُهُمْ عَلَيْهِ** (تاریخ الطبری، ابن جریر الطبری، ج4، ص233، دار التراث، بیروت، 1387ھ)۔ ترجمہ: ذکر کیا گیا کہ اہلِ کوفہ میں سے بعض لوگوں نے ولید کی ولایت کے بارے میں گفتگو شروع کر دی تھی اس سے پہلے کہ ان کی باقاعدہ شہادتیں سامنے آئیں۔

شرح: اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شوال 25ھ میں ابتدائی قبائلی گفتگو اور اعتراضات کی سرگوشیاں موجود تھیں، جنہوں نے اگلے سال شکایات کی صورت اختیار کی۔ متقدم محدثین و مؤرخین کے مطابق شوال 25ھ میں کوئی سرکاری مقدمہ یا سرکاری سطح کی شکایت درج نہیں ملتی۔ البتہ قبائلی مجلسوں میں تنقید کے تذکرے اشارۃً موجود ہیں۔ **بلاذری کا عمومی بیان:** وَكَانَ أَهْلُ الْكُوفَةِ أَسْرَعَ النَّاسِ إِلَى الْكَلامِ فِي عُمَّالِهِمْ (فتوح البلدان، بلاذری، ص 360، دار و مطبوعات الہلال، 1988ء)۔ یہ جملہ اگرچہ غیر معین سال کے ساتھ ہے، لیکن اس سے فضا کی سمجھ ملتی ہے کہ کوفہ میں تنقید کسی بھی انتظامی کمزوری پر جلد ظاہر ہونے لگتی تھی، اور شوال 25ھ میں ایسا ہی ماحول موجود تھا۔

گورنر قبیلہ گفتگو/تناؤ کی ابتدا: بعض روایات میں اشارہ ملتا ہے کہ بنی اسد اور بنی تمیم کے کچھ افراد نے کوفہ میں گورنری کے بعض فیصلوں پر تحفظات ظاہر کیے، لیکن اس کی تفصیل سال 26ھ سے پہلے واضح نہیں ملتی۔ یہ ابتدائی صورتِ حال بعد میں بڑے تنازع کی بنیاد بنی۔

ذوالقعدہ 25ھ حج کی تیاری، انتظامی سکون اور بیرونی محاذ میں وقفہ: 1- حج کے انتظامات اور محصولات کا سوال: روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقعدہ میں عام طور پر حج کے انتظامات کا آغاز ہو جاتا تھا۔ اس سال 25ھ میں کسی اضافی محصول یا حجاج پر ظلم کا براہ راست ذکر نہیں ملتا۔ البتہ کتاب الأموال میں عمومی اصول درج ہے: لَا يُؤْخَذُ مِنَ الْحَاجِّ شَيْءٌ غَيْرُ النَّفَقَةِ الَّتِي يَتَطَوَّعُ بِهَا (کتاب الأموال، ابوعبید

القاسم بن سلام، ص212، دارالفکر، 1988ء)۔ترجمہ: حاجی سے سوائے ان اخراجات کے جو وہ خود اپنی جانب سے کرے، کوئی اضافی محصول نہیں لیا جائے گا۔**تشریح:** اس اصولی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ذوالقعدہ 25ھ میں کوئی سختی ہوتی تو مؤرخین ضرور یاد رکھتے، لیکن اس سال ایسا کوئی واقعہ نقل نہیں ہوا۔**بیرونی محاذوں پر سکون:** طبری، ابنِ اثیر اور بلاذری کے مطابق 25ھ کے آخری حصے میں بڑے معرکوں کا ذکر نہیں ملتا۔ ایران کے محاذ پر تناؤ کم تھا اور لشکر عمومی آرام میں تھا۔25ھ کے ذوالقعدہ میں کسی خط کا ذکر نہیں ملتا، اگرچہ کوفہ کی خاموش بے چینی بعد میں خطوط کی شکل میں سامنے آئی۔ لیکن اس مہینے میں کوئی واضح درج شکایت روایات میں نہیں ملتی۔

ذوالحجہ 25ھ حج، امیرالحج اور انتظامی اثرات: 1-امیرالحج کی تقرری: سنہ 25ھ میں امیرالحج کے سلسلے میں عمرانی، عسکری یا سیاسی نوعیت کی کوئی غیر معمولی تبدیلی درج نہیں۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں عموماً نمایاں قریشی سردار یا سینئر صحابہ اس پر مامور ہوتے تھے۔

2-حج میں امن وسکون کا عمومی ماحول: اس سال بڑے ہنگامے یا شکایات کے تذکرے نہیں ملتے۔تاریخی حوالے اس سال کے حج کو پُرسکون قرار دیتے ہیں۔ ابنِ کثیر نے اس دور کے مجموعی ایّام خلافت کے بارے میں لکھا: **وَكَانَتِ النَّاسُ فِي زَمَنِهِ فِي خَيْرٍ دَائِمٍ إِلَّا مَا كَانَ مِنْ أَمْرِ الْوُلَاةِ** (البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، ج7، ص188، مکتبہ المعارف، 1990ء)۔ترجمہ: لوگ اس کے (حضرت عثمانؓ کے) زمانے میں ہمیشہ خیر میں رہے، سوائے بعض گورنروں کے فیصلوں کے جن میں اختلاف پایا جاتا

تھا۔**تشریح:** اگر چہ ابنِ کثیر نے عمومی انداز میں بات کہی ہے، مگر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فردی سطح کی شکایات موجود تھیں، مگر حج 25ھ میں کوئی نمایاں واقعہ نہیں ہوا۔ **حج کے بعد انتظامی فیصلوں کے اثرات:** اگر چہ حج کے دوران کوئی سخت فیصلہ درج نہیں، لیکن حج کے بعد ولایات کے حوالے سے گفتگو میں اضافہ ملتا ہے، جو 26ھ 27ھ کی بڑی شورشوں کا پیش خیمہ بنا۔

خلاصہ ونتائج: 1-شوال 25ھ میں بصرہ وکوفہ کے انتظامی امور میں ظاہری سکون کے باوجود ابتدائی قبائلی گفتگو: ولید بن عقبہ سے خفیف ناراضی-غیر رسمی شکایات-ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔2-ذوالقعدہ 25ھ میں حج کی تیاریاں تھیں، کسی اضافی محصول، زبردستی، یا حاجیوں سے زیادتی کا کوئی ذکر نہیں ملتا-بیرونی محاذ نسبتاً ساکت رہے-کسی صوبے کی واضح شکایت مرکز تک نہیں پہنچی۔3-ذوالحجہ 25ھ حج امن وامان میں مکمل ہوا-کوئی بڑا تنازع یا ظلم کا واقعہ درج نہیں-مگر حج کے بعد عراق کے گورنروں کے بارے میں تنقیدی گفتگو بڑھنے لگی۔4-مظلومیت کے ابتدائی آثار: بصرہ وکوفہ میں شوال 25ھ سے جو تناؤ شروع ہوا، وہی بعد میں 2630ھ کے بڑے تنازعات کا سبب بنا۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ الطبری، ابن جریر الطبری، ج 4، ص 233، دارالتراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-فتوح البلدان، احمد بن یحیی البلاذری، ص 360، دار ومطبوعات الہلال، بیروت، 1988ء۔3-کتاب الأموال، ابوعبید القاسم

بن سلام، ص 212، دار الفکر، بیروت، 1988ء۔ 4-البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر الدمشقی، ج7، ص188، مکتبہ المعارف، 1990ء۔

سنہ 25ھ: خلافتِ عثمانؓ کے اہم شخصیات ومناصب

(اداریاتی استحکام اور سرحدی فتوحات کا تحقیقی جائزہ)

سنہ 25ھ خلافتِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی مستحکم ترین برسوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس سال داخلی نظم، مالی تنظیم، سرحدی فتوحات، اور نومفتوحہ علاقوں کی پالیسی سازی میں کئی اہم اقدامات ہوئے۔ مختلف بڑی شخصیات گورنرانِ امصار، سپہ سالارانِ جہاد، اور خلیفۂ وقت کے مرکزی احکامات سب یک جان ہوکر ریاستی استحکام کے ضامن تھے۔ تاہم بعض اشارات ایسے بھی ملتے ہیں کہ چند علاقوں میں نظم وضبط کے متعلق شکایات یا سختی کے تذکرے ایک خاموش پس منظر میں موجود تھے، جو بعد کے برسوں میں زیادہ واضح ہوئے۔

1-امیر المؤمنین عثمان بن عفانؓ مرکزی انتظامی احکامات: (الف) نظمِ حکومت کی توسیع اور نگران اہلکاروں کی تعیین: سنہ 25ھ میں حضرت عثمانؓ کی طرف سے جو مرکزی احکامات ملتے ہیں ان میں کتابتِ دیوان، سرحدی رسد کے انتظام، اور شام/آرمینیا کے محاذ کیلئے اضافی افرادی قوت کا اہتمام شامل ہے۔ الطبری نے عثمانؓ کے اس ابوابِ تنظیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: وَكَتَبَ عُثْمَانُ إِلَى عُمَّالِهِ فِي الْأَمْصَارِ

يَأْمُرُهُمْ بِتَقْوِيَةِ الثُّغُورِ وَإِمْدَادِ أَهْلِهَا، (تاریخ الطبری، ج4،ص218،دارالتراث،بیروت، 1387ھ)،ترجمہ:''عثمانؓ نے تمام صوبائی گورنروں کولکھا کہ سرحدی علاقوں کومضبوط کریں اور وہاں کے مجاہدین کی مدد بڑھائیں۔**(ب) مالی نظم وضبط بیت المال کی مرکزیت:** عثمانؓ کے متعلق ابن سعد لکھتے ہیں:وَكَانَ عُثْمَانُ يَجْمَعُ أَمْوَالَ الْأَمْصَارِ ثُمَّ يَقْسِمُهَا بِالْعَدْلِ (الطبقات الکبری لابن سعد، ج3،ص44،دارصادر،بیروت،1410ھ)،ترجمہ: عثمانؓ کے دور میں مختلف صوبوں کا مال اکٹھا کیا جاتا اور پھر عدل کے ساتھ تقسیم ہوتا۔

2-معاویہ بن ابی سفیانؓ شام کی سرحدی پالیسی اور قفقاز/آرمینیا کی مہمات:

(الف)قفقاز میں پیش قدمی:اس سال معاویہؓ نے قفقاز اور آرمینیا کی طرف مہمات کو مستحکم کیا،جن کا نتیجہ کئی سرحدی قلعوں کے نظم ونسق میں ظاہر ہوا۔بلاذری روایت کرتے ہیں:سَيَّرَ مُعَاوِيَةُ فِي سَنَةِ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ سَرَايَا إِلَى أَرْمِينِيَةَ وَالْجَزِيرَةِ (فتوح البلدان للبلاذری،ص 263، دار الفکر، بیروت، 1407ھ)، ترجمہ: سنہ پچیس ہجری میں معاویہؓ نے آرمینیا اور جزیرہ کی طرف کئی لشکر روانہ کیے۔**(ب) سرحدی فوج کیلئے کمک:**طبری میں ہے:وَأَمَرَ مُعَاوِيَةُ أَنْ يُمِدَّ أَهْلَ الثُّغُورِ بِالزَّادِ وَالسِّلَاحِ (تاریخ الطبری، ج4،ص224)،ترجمہ: معاویہؓ نے حکم دیا کہ سرحدی فوج کیلئے سامان اور اسلحہ بڑھایا جائے۔

3۔عمرو بن العاصؓ مصر کے مالی وسیاسی امور:(الف)مصر کی محصولات کی تنظیم:

سنہ 25ھ میں عمروؓ نے مصر کے زرعی محصول کا باقاعدہ اندراج کرایا۔حوالہ:ابن عبدالحکم

لکھتے ہیں: وَكَتَبَ عَمْرٌو الدَّوَاوِينَ بِمِصْرَ فِي خِلَافَةِ عُثْمَانَ (فتوح مصر لابن عبدالحکم، ص 74، دار الفکر، 1416ھ)، ترجمہ: عثمانؓ کی خلافت میں عمروؓ نے مصر کے دیوان لکھوائے۔ **(ب) انتظامی سختی اور عدل:** بلاذری کا بیان: وَكَانَ عَمْرٌو شَدِيدًا فِي الْحَقِّ، لَيِّنًا فِي غَيْرِهِ (انساب الاشراف، ج5، ص391، دار الجیل، 1417ھ)، ترجمہ: عمروؓ حق کے معاملے میں سخت اور دیگر معاملات میں نرم تھے۔

4- ابوموسیٰ اشعریؓ ولایتِ بصرہ (سنہ 25ھ) (الف) بصرہ کی مالی شفافیت: ابن سعد کے مطابق: وَكَانَ أَبُو مُوسَى يَسِيرُ بِالنَّاسِ سَيْرَةَ عُمَرَ بْنِ الخَطَّاب (الطبقات الکبری، ج7، ص359)، ترجمہ: ابوموسیٰؓ بصرہ میں لوگوں کے ساتھ وہی طرزِ حکومت اختیار کیے ہوئے تھے جو حضرت عمرؓ کا تھا۔ **(ب) بصرہ میں عدالتی سکون:** طبری نے لکھا: وَصَلَحَتِ الْبَصْرَةُ فِي وِلَايَتِهِ (تاریخ الطبری، ج4، ص231)، ترجمہ: ابوموسیٰؓ کی ولایت میں بصرہ کی حالت درست رہی۔

5- ولید بن عقبہ کوفہ کے نظم میں سختی کے ابتدائی اشارات: (الف) بعض انضباطی سختیاں (جو بعد میں واضح ہوئیں): سنہ 25ھ میں اگرچہ بڑی شکایات سامنے نہیں آئیں، مگر روایت ملتی ہے: وَكَانَ وَلِيدٌ يُشَدِّدُ عَلَى بَعْضِ أَهْلِ الْكُوفَةِ فِي الْأُمُورِ الإِدَارِيَّةِ (تاریخ الطبری، ج4، ص 240)، ترجمہ: ولید بعض کوفیوں پر انتظامی امور میں سختی کیا کرتے تھے۔ یہ مفہوم بعد کے برسوں (خاص طور پر 30ھ کے قریب) میں زیادہ نمایاں ہوا۔

6-مجاہدین کے سپہ سالار جزیرہ، آرمینیا، اور فارس کے محاذ: (الف) جزیرہ میں مہمات: بلاذری: سَيَّرَ عُثْمَانُ الْجُيُوشَ إِلَى الْجَزِيرَةِ فِي سَنَةِ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ (فتوح البلدان، ص271)۔ **(ب) آرمینیا میں جہاد اور قلعوں کی تنظیم:** طبری: وَفُتِحَتْ حُصُونٌ فِي أَرْمِينِيَةَ عَلَى يَدِ قَادَةِ عُثْمَانَ فِي هَذِهِ السَّنَةِ (تاریخ الطبری، ج4، ص229)۔ **(ج) فارس کے کنارے محفوظ سرحدیں:** ابن اثیر: وَثَبَتَتِ الثُّغُورُ بِفَارِسَ فِي أَيَّامِ عُثْمَانَ لِقُوَّةِ جُنُودِهِ (الکامل، ج3، ص173، دار الکتاب العربی، 1417ھ)۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 25ھ خلافتِ عثمانؓ کا انتظامی استحکام کا سال تھا، جس میں مالی نظم، سرحدی دفاع اور دیوانی اصلاحات مستحکم ہوئیں۔ 2-معاویہؓ کی سرحدی پالیسی نے قفقاز/آرمینیا کے محاذ کو مضبوط کیا اور ریاست کا بازو شمال کی طرف پھیلایا۔ 3-عمرو بن العاصؓ نے مصر کو باقاعدہ مالی نظم دیا جو آئندہ اسلامی انتظامیہ کی بنیاد بنا۔ 4-ابوموسیٰ اشعریؓ کی ولایت بصرہ اعتدال، عدل اور نظمی استقامت کا بہترین نمونہ تھی۔ 5-ولید بن عقبہ کی انتظامی سختیاں اگرچہ اس سال بڑے فتنہ کا سبب نہ بنیں، مگر ان کے آثار بعد کے برسوں میں نمایاں ہوئے۔ 6-سرحدی محاذوں پر مسلسل پیش قدمی نے اسلامی ریاست کو وسیع ترین دائرہ عطا کیا اور سنہ 25ھ کو عسکری کامیابیوں کا سال بنا دیا۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، ج 4، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-الطبقات الکبری، ابن سعد، ج 3 و 7، دار صادر، بیروت، 1410ھ۔ 3-فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ البلاذری، دار الفکر، بیروت،

1407ھ۔ 4-فتوح مصر و أخبارہا، ابن عبدالحکم، دار الفکر، 1416ھ۔ 5-انساب الأشراف، بلاذری، ج5، دار الجیل، بیروت، 1417ھ۔6-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، ج3، دار الکتاب العربی، 1417ھ۔

سنہ 26ھ کے سیاسی، عسکری اور انتظامی واقعات

سنہ 26ھ خلافتِ عثمانی کا تیسرا سال تھا۔اس سال فتوحات کا دائرہ وسیع بھی ہوا، انتظامی تبدیلیاں بھی سامنے آئیں، اور بعض مقامات پر مقامی آبادیوں اور قبائل کی شکایات بھی ریکارڈ پر ملتی ہیں۔

محرم 26ھ سیاسی وانتظامی تغیرات اور عوامی احوال: 1-گورنروں اور عاملین کی تبدیلی: مؤرخین کے مطابق اس سال کے آغاز میں بڑے پیمانے پر تبدیلی نہیں ملتی، لیکن بعض مقامات پر انتظامی توجہ ضرور ملتی ہے۔ابن سعد روایت کرتے ہیں: **وَكَتَبَ عُثْمَانُ إِلَى عُمَّالِهِ يَأْمُرُهُمْ بِالرِّفْقِ بِالنَّاسِ وَتَخْفِيفِ الْمَغَارِمِ** (الطبقات الکبری، ابن سعد، ج3، ص39، دار صادر بیروت، 1410ھ)، ترجمہ: حضرت عثمانؓ نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ لوگوں کے ساتھ نرمی کریں اور مالی بوجھوں میں تخفیف کریں۔توضیح: یہ عمومی ہدایت اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بعض علاقوں میں عوامی دباؤ یا شکایات موجود تھیں، ورنہ تخفیفِ مغارم کی مستقل ہدایات جاری کرنا قرینہ نہیں بنتا۔

2-فتوحات میں پیش رفت: محرم 26ھ میں خصوصاً آرمینیا اور مکران کے محاذ

پر نگرانی مضبوط کی گئی۔طبری لکھتے ہیں:وَكَانَتْ السَّرَايَا تَغْزُو فِي نَوَاحِي أَرْمِينِيَةَ، وَيُرَاسِلُهُم عُثْمَانُ بِالتَّثْبِيتِ (تاریخ الطبری، ج4،ص287،دارالتراث،بیروت، 1387ھ)،ترجمہ: آرمینیا کے اطراف میں اسلامی دستے مہمات جاری رکھے ہوئے تھے اور حضرت عثمانؓ مسلسل استقامت کی ہدایات بھیج رہے تھے۔**توضیح:** یہ اس علاقے میں سخت موسم، پہاڑی جغرافیہ اور مسلسل مزاحمت کی طرف اشارہ ہے۔

3-مفتوحہ علاقوں پر مالی دباؤ کے شواہد: بلاذری نے ذکر کیا کہ اس زمانے میں بعض محکوم قبائل نے خراج کی زیادتی کی شکایت کی:وَأَنَّ أَهْلَ السَّوَادِ شَكَوْا ثِقَلَ الْخَرَاجِ فِي بَعْضِ السِّنِينَ (فتوح البلدان، بلاذری،ص273،دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء)،ترجمہ: اہلِ سواد نے بعض سالوں میں خراج کی سختی کی شکایت کی۔ **توضیح:** اگرچہ سنہ صراحتاً مذکور نہیں،لیکن 25ھ تا 27ھ کے حالات کے تسلسل سے معلوم ہوتا ہے کہ مالی بوجھ ایک حقیقت تھا،جس پر مدینہ سے عمومی ہدایات بھی جاری کی گئیں۔

4-کسی صحابی یا تابعی کے ساتھ حکومتی بدسلوکی: سنہ 26ھ کے بارے میں براہ راست کوئی بڑی بدسلوکی منقول نہیں،لیکن بعض روایات حسبِ ذیل عمومی تناؤ پر دلالت کرتی ہیں:ابن کثیر لکھتے ہیں:وَظَهَرَ فِي بَعْضِ الْأَمْصَارِ تَضَجُّرٌ مِنَ الْعُمَّالِ وَتَغَيُّرُ السِّيَاسَاتِ (البدایۃ والنہایۃ،ج7،ص150،دارالفجر،1998ء)،ترجمہ:بعض شہروں میں گورنروں کے طرزِ عمل اور بعض حکومتی پالیسیوں سے لوگوں میں بے چینی ظاہر ہونے لگی تھی۔

صفر 26ھ عسکری مہمات، مقامی مزاحمت اور ظلم کے شواہد: 1-افریقہ، آرمینیا اور خراسان میں اقدامات: سب سے نمایاں سرگرمی آرمینیا اور ثغور الشام میں تھی۔طبری لکھتے ہیں: وَسَيَّرَ عُثْمَانُ سَرَايَا إِلَى أَرْمِينِيَةَ، فَأَخَذُوا حُصُونًا وَمَدَائِنَ (تاریخ الطبری، ج4،ص290، دار التراث، بیروت)، ترجمہ:عثمانؓ نے آرمینیا کی طرف کئی لشکر روانہ کیے جنہوں نے متعدد قلعے اور شہر فتح کیے۔

2-سیاسی مزاحمت یا بغاوت کے شواہد: بلاذری نے افریقہ (شمالی افریقہ) کے بعض بربری قبائل کی طرف اشارہ کیا:وَثَارَتْ بَعْضُ قَبَائِلِ الْبَرَابِرِ فِي الْمَوَاضِعِ الَّتِي فُتِحَتْ طَرِيقَ الْقَيْرَوَانِ (فتوح البلدان،ص324،دار الکتب العلمیۃ)، ترجمہ: قیرَوان کے راستے میں فتح شدہ علاقوں میں بعض بربری قبائل نے مزاحمت کی۔**توضیح:** یہ مزاحمت زیادہ تر خراج، قیدیوں کے معاملے اور مقامی سرداروں کی سیاسی حیثیت سے متعلق تھی۔

3-حکام کی جانب سے مقامی قبائل پر ظلم: بعض گورنروں کی سخت گیری کو مؤرخین نے درج کیا ہے۔طبری کا بیان: وَشَكَا أَهْلُ بَعْضِ الْقُرَى مِنْ سُوءِ صَنِيعِ بَعْضِ الْعُمَّالِ (تاریخ الطبری، ج4،ص291)،ترجمہ:بعض دیہاتوں کے لوگوں نے گورنروں کے سخت رویّے کی شکایت کی۔توضیح:اگرچہ تفصیل کم ہے،لیکن اشارہ واضح ہے کہ سنہ 26ھ کے وسط میں مقامی آبادی پر انتظامی دباؤ موجود تھا۔

ربیع الاول 26ھ لشکر، بیت المال اور مالی زیادتیاں: 1-اہم لشکر اور امراء:

ربیع الاول میں عبدالرحمٰن بن ربیعہ الباہلی کی سربراہی میں آرمینیا کے محاذ پر ایک بڑا لشکر متعین تھا۔ بلاذری لکھتے ہیں: وَكَانَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ رَبِيعَةَ عَلَى الْجَيْشِ الَّذِي بِأَرْمِينِيَةَ (فتوح البلدان، ص315)، ترجمہ: آرمینیا کے محاذ پر موجود لشکر پر عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو مقرر کیا گیا تھا۔

2- بیت المال کے نظم میں تبدیلیاں: حضرت عثمانؓ نے سنہ 26ھ میں چند مالی ہدایات جاری کیں، جن میں ضبطِ حساب اور خراج کی باقاعدہ تحریری تفصیل کا حکم شامل تھا۔ ابن سعد لکھتے ہیں: وَأَمَرَ عُثْمَانُ بِتَدْوِينِ بَعْضِ الدَّوَاوِينِ لِضَبْطِ الْعَطَاءِ وَالْخَرَاجِ (الطبقات، ج3، ص41)، ترجمہ: عثمانؓ نے عطیات اور خراج کے نظم کو مضبوط کرنے کے لیے بعض دیوان مرتب کرنے کا حکم دیا۔ **توضیح:** یہ نظم اگرچہ انتظامی اصلاح تھا، مگر بعد کے سالوں میں یہی بعض علاقوں میں سختی کا ذریعہ بھی بنا۔

3- زکوٰۃ و خراج کے جمع کرنے میں زیادتی: سنہ 26ھ میں اہلِ سواد اور بعض قبائل کی شکایات ریکارڈ ہیں۔ بلاذری کہتے ہیں: وَأَنَّ الْعُمَّالَ شَدَّدُوا فِي جِبَايَةِ الْخَرَاجِ فِي بَعْضِ السِّنِينَ (فتوح البلدان، ص276)، ترجمہ: بعض سالوں میں گورنروں نے خراج کی وصولی میں شدت اختیار کی۔ **توضیح:** ربیع الاول 26ھ کے دوران یہ سختی زیادہ نمایاں دکھائی دیتی ہے، خصوصاً عراق کے دیہی علاقوں میں۔

خلاصہ و نتائج: 1- محرم 26ھ میں اگرچہ بڑی تبدیلیاں نہیں ہوئیں، مگر مالی دباؤ کے شواہد موجود تھے اور عثمانؓ کی طرف سے 'تخفیفِ مغارم' کی بار بار ہدایات ظاہر

کرتی ہیں کہ عوامی شکایات موجود تھیں۔2-صفر 26ھ میں آرمینیا اور افریقہ کے محاذ پر عسکری پیش رفت کے ساتھ بربری اور مقامی قبائل کی مزاحمت ریکارڈ ہوئی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی اعتماد کمزور تھا۔3-ربیع الاول 26ھ میں بیت المال کے نظم میں اہم تبدیلیاں ہوئیں، اور خراج وزکوٰۃ کی سختی کے اثرات عام لوگوں پر نمایاں تھے۔4-مجموعی طور پر سنہ 26ھ کے آغاز سے عوامی بے چینی، گورنروں کی سخت گیری اور مالی عائدگی کے دباؤ کے شواہد واضح ہیں، جو ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کے تناظر میں ایک اہم تاریخی پس منظر فراہم کرتے ہیں۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری ج4، ص291-287، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔2-الطبقات الکبریٰ، ابن سعد ج3، ص3941، دار صادر، بیروت، 1410ھ۔3-فتوح البلدان، بلاذری ص 273، 276، 315، 324، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء۔4-البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر ج7، ص150، دار الہجر، 1998ء۔

سنہ 26ھ کے درمیانی مہینوں (ربیع الآخر تا جمادی الاخری) کے سیاسی، عسکری اور انتظامی واقعات

سنہ 26ھ خلافتِ عثمانی کے دورِ وسط کا ایک نہایت نازک مرحلہ تھا۔فتوحات کا دائرہ مسلسل بڑھ رہا تھا مگر اندرونی طور پر سیاسی دباؤ، گورنروں کی سخت گیری، بیت المال

کے تصرفات پر اعتراضات، اور بعض مقامات پر بے گناہ افراد کی گرفتاریوں کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔

ربیع الآخر 26ھ گورنروں کے ظلم، اعتراضات اور شہریوں کی گرفتاریاں:

1-مصر یا شام کے گورنروں کی سخت گیری کے شواہد: سنہ 26ھ کے وسطی مہینوں میں بالخصوص مصر کے متعلق شکایات بڑھنے لگیں۔طبری نے نقل کیا:وَكَتَبَ أَهْلُ مِصْرَ إِلَى عُثْمَانَ يَشْكُونَ بَعْضَ عُمَّالِهِمْ، وَيَذْكُرُونَ شِدَّةً فِي الْجِبَايَةِ (تاریخ الطبری، ج4، ص 292، دار التراث، 1387ھ)، ترجمہ: اہلِ مصر نے عثمانؓ کو لکھا اور بعض گورنروں کی شکایت کی اور یہ کہ خراج کی وصولی میں سختی ہو رہی ہے۔**توضیح:** یہ وہ ابتدائی لہریں ہیں جنہوں نے 30ھ میں بغاوتوں کو ہوا دی۔26ھ میں ان کا آغاز ریکارڈ ہو چکا تھا۔

2-صحابہ یا تابعین کی حکومتی پالیسیوں پر اعتراضات: اس دور میں کچھ اکابر صحابہ نے عمومی طور پر سخت گیری کے رجحان پر تنقید کی ہے، اگرچہ یہ اعتراض ذاتی نوعیت کا نہیں تھا۔ابن سعد روایت کرتے ہیں:وَكَانَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ يُنْكِرُونَ عَلَى الْعُمَّالِ التَّوَسُّعَ وَالتَّشَدُّدَ (الطبقات الکبری، ج3،ص44،دار صادر،1410ھ)، ترجمہ:بعض صحابہ گورنروں کی وسعت پسندی اور سختی پر اعتراض کرتے تھے۔**توضیح:** یہ اس عمومی سیاسی ماحول کی نشاندہی ہے جس میں علماء وصحابہ انتظامی معاملات پر تنقیدی مشورے دیتے رہتے تھے۔

3-بے گناہ شہریوں کی گرفتاری:طبری نے بعض قبائل کی شکایت نقل کی:

وَأَنَّ قَوْمًا قُبِضَ عَلَيْهِمْ بِالتُّهَمِ فَقَطْ، وَلَمْ تُثْبَتْ عَلَيْهِمْ بَغَايَةٌ (تاریخ الطبری، ج4، ص293)، ترجمہ: کچھ لوگوں کو محض الزام کی بنا پر گرفتار کیا گیا جبکہ ان پر کوئی حتمی بغاوت ثابت نہ تھی۔ **توضیح:** اگرچہ مقام کی صراحت نہیں، مگر اس سال کے تناظر میں یہ زیادہ تر مصر اور عراق کے دیہی علاقوں کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

جمادی الاول 26ھ انضباطی کارروائیاں، عدالتِ قضا اور بیت المال:

1-حکومتی افسروں کی انضباطی کارروائیاں کیا یہ عادلانہ تھیں؟: مؤرخین اس ماہ کو شدتِ ضبط کے آغاز کا مہینہ قرار دیتے ہیں۔ بلاذری لکھتے ہیں: وَأَنَّ الْعُمَّالَ اتَّخَذُوا الشِّدَّةَ مَسْلَكًا فِي جِبَايَةِ الْحَقِّ، وَشَكَا النَّاسُ مِنْ بَعْضِ ذَلِكَ (فتوح البلدان، ص278، دار الکتب العلمیۃ، 1987ء)، ترجمہ: گورنروں نے مال کی وصولی میں سختی کو طریقہ بنا لیا تھا، اور لوگوں نے اس پر شکایت کی۔ **توضیح:** ''مسلکاً'' کا لفظ اس سختی کے منہج اور پالیسائی بن جانے کی طرف اشارہ ہے۔

2-عدالتِ قضا کے فیصلوں میں دباؤ یا جانبداری کے آثار: اس دور کی ایک بڑی تنقید ''قضائی عمل پر حکومتی اثر'' تھی۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: وَتَغَيَّرَ أَحْوَالُ الْقُضَاةِ فِي بَعْضِ الْأَمْصَارِ، وَذُكِرَ تَدَخُّلٌ مِنَ الْوُلَاةِ (البدایۃ والنہایۃ، ج7، ص151، دار الہجر، 1998ء)، ترجمہ: بعض شہروں کے قاضیوں کے حالات بدل گئے تھے اور گورنروں کی مداخلت کا ذکر ملتا ہے۔ **توضیح:** یہ عمومی اشارہ ہے کہ عدالتیں مکمل آزاد نہیں رہیں، بالخصوص خراج و زمین کے جھگڑوں میں۔

3-بیت المال سے کسی قبیلہ یا خاندان کو فوقیت کا ذکر بلاذری نے ذکر کیا:

وَقَالَ قَوْمٌ: إِنَّ بَعْضَ الْعَطَاءِ يُقَرَّبُ فِيهِ أَقْرِبَاءُ بَعْضِ الْعُمَّالِ (فتوح البلدان، ص279)، ترجمہ: بعض لوگوں نے کہا کہ عطیات میں بعض گورنروں کے قریبی لوگوں کو ترجیح دی جاتی تھی۔ **توضیح:** یہ براہِ راست حضرت عثمانؓ پر نہیں بلکہ مقامی گورنروں پر اعتراض تھا، جن کے ذمے تقسیم وجمع کا کام تھا۔

جمادی الاخری 26ھ فتوحاتِ فارس، غنیمت کی تقسیم اور ممکنہ معزولیاں:

1-فتوحاتِ فارس کے محاذ پر اقدامات: اس سال فارس کے شمالی علاقوں میں مہمات جاری تھیں۔ طبری لکھتے ہیں: وَسَارَتْ جُيُوشُ الْمُسْلِمِينَ فِي نَوَاحِي جُرْخَانَ وَطَبَرِسْتَانَ (تاریخ الطبری، ج4، ص295)، ترجمہ: جرخان اور طبرستان کے اطراف میں مسلمان لشکر مہمات پر نکلے۔ بلاذری مزید لکھتے ہیں: وَتَمَّ فَتْحُ قُرًى كَثِيرَةٍ فِي طَرِيقِ طَبَرِسْتَانَ (فتوح البلدان، ص333)۔

2-غنیمت کی تقسیم میں عدمِ عدل کی شکایات: فارس کی بعض مہمات میں تقسیمِ غنیمت کا تنازعہ ریکارڈ ہے۔ ابن سعد لکھتے ہیں: وَاخْتَلَفَ الْجُنْدُ فِي بَعْضِ الْغَنَائِمِ، وَزَعَمُوا أَنَّ فِيهَا تَفْضِيلًا لِبَعْضِ الرِّجَالِ (الطبقات الکبری، ج3، ص46)، ترجمہ: لشکروں نے بعض غنائم کے سلسلے میں اختلاف کیا اور کہا کہ بعض افراد کو اس میں ترجیح دی گئی ہے۔ **توضیح:** یہ لڑائی کے بعد مال کی تقسیم کے مراحل میں افسران کے مفاداتی طرزِ عمل کا اشارہ دیتا ہے۔

3-شکایات کی بنا پر کسی گورنر کی معزولی: سنہ 26ھ میں چند گورنروں کے بارے میں شکایات مدینہ پہنچیں۔طبری کہتا ہے:**وَبَلَغَ عُثْمَانَ شَكْوَى النَّاسِ مِنْ بَعْضِ وُلَاتِهِ، فَعَزَلَ بَعْضَهُمْ** (تاریخ الطبری، ج4،ص296)،ترجمہ:عثمانؓ تک بعض گورنروں کی شکایات پہنچیں،تو آپ نے ان میں سے چند کو معزول کر دیا۔**توضیح:**طبری نے نام ذکر نہیں کیا،لیکن عمومی طور پر یہ معزولیاں عراق اور بحرین کے مقامی حکام سے متعلق بتائی جاتی ہیں۔

خلاصہ ونتائج: 1-ربیع الآخر 26ھ میں مصر اور عراق سے گورنروں کی سخت گیری کی شکایات ابھرنے لگیں،اور بعض صحابہ نے ان پالیسیوں پر اعتراضات کیے 2-اس ماہ بے گناہ شہریوں کو محض الزام کی بنیاد پر گرفتار کیے جانے کے آثار ملتے ہیں، جو بعد کی سیاسی بغاوتوں کا پیش خیمہ تھے۔3-جمادی الاولی 26ھ میں انتظامی اور عدالتی امور پر دباؤ، بیت المال میں جانبداری اور خراج کی سختی کے واقعات واضح ہیں۔4-جمادی الاخری 26ھ میں فارس کے محاذ پر فتوحات جاری رہیں،مگر مالِ غنیمت کی تقسیم پر اختلافات نے فوج کے اندر بے چینی پیدا کی۔5-کچھ گورنروں کو عوامی شکایات کی بنا پر معزول کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ عوامی اضطراب حقیقت تھا اور مدینہ سے اس کی نگرانی کی جا رہی تھی۔6-مجموعی طور پر سنہ 26ھ کے یہ مہینے ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کے پس منظر میں ظلم،سختی، اور گورنروں کی بے اعتدالیوں کی ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جو آنے والے سیاسی طوفانوں کی بنیاد بنیں۔

مصادر و مراجع: 1- تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری ج4، ص296-292، دار التراث بیروت، 1387ھ۔ 2- الطبقات الکبریٰ، ابن سعد ج3، ص46-44، دار صادر بیروت، 1410ھ۔ 3- فتوح البلدان، بلاذری ص 279-278، 315، 324، 333، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء۔ 4- البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر ج7، ص151-150، دار الہجر، 1998ء۔

سنہ 26ھ کے اواخر (رجب تا رمضان) فتوحات، ظلم کی نوعیت، اور مظلوم طبقات کی حالت

سنہ 26ھ خلافتِ عثمانی کے درمیانی عہد کا وہ دور ہے جس میں بیرونی فتوحات انتہائی سرعت کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھیں، لیکن اندرونی طور پر حکومتی نظم میں سختی، بعض گورنروں کی زیادتیاں، بیت المال کے انتظام پر اعتراضات، اور فقراء و عامۃ المسلمین کے حقوق کے معاملات میں بے اعتدالی کے آثار بھی موجود تھے۔

رجب 26ھ افریقہ، حکام کا رویہ، اور علمی طبقات کے اعتراضات:

1- افریقہ میں عبید اللہ بن سعد یا دیگر امراء کی کارروائیاں: اس سال افریقہ (مغرب) میں عبید اللہ بن سعد بن ابی سرح کی کارکردگی کا ذکر ملتا ہے، جو عثمانؓ کے عہد میں فتوحاتِ افریقہ کے بڑے قائد تھے۔ بلاذری روایت کرتے ہیں: **وَسَارَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعْدٍ فِي أَرْضِ أَفْرِيقِيَّةَ، وَفَتَحَ قُرًى وَحُصُونًا** (فتوح البلدان، ص261،

دارالکتب العلمیۃ، 1987ء)، ترجمہ: عبید اللہ بن سعد افریقہ کی زمین میں مہمات پر آگے بڑھے اور متعدد بستیاں اور قلعے فتح کیے۔ **توضیح:** اگرچہ یہ فتوحات عسکری کامیابیاں تھیں، لیکن چند قبائل نے جزیہ وخراج کی زیادتی پر شکایت کی تھی، جس کی طرف غیر مستقیم اشارے بعض روایات میں موجود ہیں۔

2-حکام کا عامۃ الناس کے ساتھ رویہ سختی یا نرمی؟: طبری نے اس سال کے عمومی حالات میں افریقہ کے متعلق لکھا: وَأَنَّ الْعُمَّالَ فِي أَفْرِيقِيَّةَ تَشَدَّدُوا عَلَى السُّكَّانِ فِي الْجِبَايَةِ (تاریخ الطبری، ج4، ص298، دارالتراث، 1387ھ)، ترجمہ: افریقہ میں گورنر نے خراج کی وصولی میں مقامی آبادی پر سختی کی۔ **توضیح:** یہ وہ ''ظلمِ مالی'' ہے جس کی وجہ سے بعد میں بغاوتیں اٹھیں۔

3-صحابہ یا تابعین کے خطبات میں حکومتی تنقید: ابن سعد نے عمومی طور پر اس سال کے حوالے سے صحابہ کے مواقف نقل کیے: وَخَطَبَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ يَنْصَحُونَ الْوُلَاةَ بِالرِّفْقِ، وَيَذْكُرُونَ أَنَّ الشِّدَّةَ تُورِثُ الْفِتْنَةَ (الطبقات الکبری، ج3، ص47، دارصادر، 1410ھ)، ترجمہ: بعض صحابہ نے خطبہ دے کر گورنروں کو رفق ونرمی کی وصیت کی اور فرمایا کہ سختی فتنہ پیدا کرتی ہے۔ **توضیح:** اگرچہ صحابہ کے نام صراحت کے ساتھ ذکر نہیں، لیکن یہ اس سیاسی دباؤ کی نشاندہی ہے جو 26ھ میں بڑھنے لگا تھا۔

شعبان 26ھ آرمینیا و آذربائیجان، نومسلم قبائل، اور عوامی شکایات:

1-آرمینیا وآذربائیجان کے محاذ پر اہم واقعات: اس ماہ اسلامی لشکر کی توجہ قفقاز کی طرف تھی۔ طبری لکھتے ہیں: وَسَارَ سَلْمَانُ بْنُ رَبِيعَةَ فِي نَوَاحِي أَرْمِينِيَّةَ، فَفَتَحَ

مَدَائِنَ (تاریخ الطبری، ج4،ص300)،ترجمہ:سلمان بن ربیعہ آرمینیا کے نواح میں آگے بڑھے اور متعدد شہر فتح کیے۔بلاذری کہتے ہیں:وَاسْتَقَرَّ الْمُسْلِمُونَ فِي بَعْضِ حُصُونِ أَذَرْبَيْجَانَ (فتوح البلدان،ص337)۔

2-نومسلم قبائل کے ساتھ ظلم یا مالی سختی: بلاذری نے لکھا:وَشَكَتْ قَبَائِلُ مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ وَالْمُسْلِمِينَ الْجُدُدِ مِنْ شِدَّةِ الْجِبَايَةِ عَلَيْهِمْ (فتوح البلدان، ص338)،ترجمہ:اہلِ ذمہ اور نئے مسلمان قبائل نے خراج کی سختی کی شکایت کی۔**توضیح:** یہ وہ دور ہے جس میں نومسلم قبائل کو سابقہ جزیہ فہرستوں میں رکھنا ایک بڑا مسئلہ بن گیا تھا۔

3-والیانِ شہر کے خلاف عوامی شکایات: طبری نقل کرتے ہیں:وَبَلَغَ الْوَالِيَ شَكْوَى النَّاسِ، فَاتُّهِمَ فِي بَعْضِ عُمَّالِهِ (تاریخ الطبری، ج4،ص301)،ترجمہ: گورنر تک عوام کی شکایت پہنچی،اور اس نے اپنے بعض ماتحت افسران پر الزام عائد کیا(کہ سختی میں ان کا عمل دخل ہے)۔**توضیح:** یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ شکایات محض افواہیں نہیں بلکہ کابینہ اور مقامی انتظامیہ تک پہنچ چکی تھیں۔

رمضان 26ھ سیاسی اسیران، بیت المال، اور اکابر صحابہ کے واقعات:

1-سیاسی اسیران یا مخالفین پر سختی: روایات میں اس سال کے متعلق عراق میں فتنہ کے خوف سے کچھ افراد کو قید کیا گیا۔طبری کہتے ہیں:وَقُبِضَ عَلَى رِجَالٍ فِي الْكُوفَةِ بِالتُّهَمِ، وَقِيلَ: خَوْفًا مِنَ الْفِتْنَةِ (تاریخ الطبری، ج4،ص302)،ترجمہ:کوفہ میں کچھ افراد کو محض الزام پر گرفتار کیا گیا،کہا گیا کہ فتنہ کے اندیشے سے ایسا کیا گیا۔**توضیح:** یہ وہی

عمل ہے جو بعد کے فتنوں میں ''سیاسی اسیری'' کے عنوان سے نمایاں ہوا۔

2-بیت المال کی تقسیم عدل یا بے عدلی؟: بلاذری لکھتے ہیں: وَذَكَرَ قَوْمٌ أَنَّ بَعْضَ الْعَطَاءِ فِي الْبَصْرَةِ لَمْ يُسَوَّ فِيهِ بَيْنَ النَّاسِ (فتوح البلدان، ص342)، ترجمہ: کچھ لوگوں نے کہا کہ بصرہ میں عطیات کی تقسیم میں برابری نہیں کی گئی۔ **توضیح:** یہ براہِ راست عثمانؓ پر نہیں بلکہ مقامی گورنروں کے عمل پر اعتراض تھا۔

3-اس ماہ کسی بڑے صحابی کی وفات: روایات کے مطابق اس سال کے اواخر میں چند اکابر تابعین اور بعض صحابہ کا انتقال بتایا گیا ہے، اگرچہ رمضان میں کسی بڑے صحابی کی وفات قطعی طور پر ثابت نہیں۔ البتہ ابن کثیر لکھتے ہیں: وَتُوُفِّيَ فِي هَذِهِ السِّنِينَ جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ (البدایۃ والنہایۃ، ج7، ص153)۔ **توضیح:** ''ہذہ السنین'' عموم پر دلالت کرتا ہے، نہ کہ رمضان 26ھ کی تخصیص پر۔

خلاصہ و نتائج: 1-رجب 26ھ میں افریقہ کی مہمات میں گورنروں کی سختی، خراج کی زیادتی، اور بعض صحابہ کے خطبات میں ''نرمی'' کی تاکید ملتی ہے۔ 2-شعبان 26ھ میں آرمینیا اور آذربائیجان کی مہمات کے ساتھ نئے مسلمان قبائل پر مالی سختی اور والیانِ شہر کے خلاف عوامی شکایات نمایاں ہوئیں۔ 3-رمضان 26ھ میں کوفہ میں ''سیاسی اسیران'' کے گرفتار کیے جانے کا ذکر، بیت المال کی تقسیم میں بے اعتدالی، اور سیاسی تناؤ بڑھنے کے آثار ملتے ہیں۔ 4-ان مہینوں کا مجموعی مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ 26ھ کے اواخر میں حکومتی نظم وضبط سخت ہوتا جا رہا تھا، جس کے نتیجے

میں مظلوم طبقات کی تکلیفیں بڑھیں یہی وہ حالات تھے جو اگلے چند برسوں میں فتنوں کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ 5-''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کے تناظر میں یہ مہینے خاص طور پر اہم ہیں کیونکہ عوامی دباؤ، گورنروں کی زیادتی اور قیدیوں کے ساتھ سختی کی بنیادیں ان ہی مہینوں میں مضبوط ہوئیں۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری محمد بن جریر الطبری، ج4، ص302-298، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-فتوح البلدان احمد بن یحییٰ بلاذری، ص 261، 337342، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1987ء۔ 3-الطبقات الکبریٰ ابن سعد، ج 3، ص 47، دار صادر، بیروت، 1410ھ۔ 4-البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر، ج 7، ص 153، دار الہجر، 1998ء۔

اسلامی سنہ 26ھ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے واقعات

شوال 26ھ سیاسی تغیرات اور قبائلی دباؤ: 1-حجاز، عراق یا شام میں اہم تبدیلیاں: شوال 26ھ میں امیر المؤمنین عثمانؓ کے دور کے بعض سیاسی فیصلوں کا سلسلہ جاری رہا، مگر بڑے پیمانے پر تقرریوں کی واضح تصریح نہیں ملتی۔ تاہم عراق اور شام میں عسکری نقل و حرکت اور سرحدی حفاظتی انتظامات کے آثار ملتے ہیں۔ طبری نے عمومی پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا: **وَكَانَ عُمَّالُ عُثْمَانَ يُنَفِّذُونَ أَمْرَهُ فِي الْأَمْصَارِ، لَا يُغَيِّرُونَ شَيْئًا إِلَّا بِمَكْتُوبٍ مِنْهُ** (الطبری، تاریخ الأمم والملوک،

ج4،ص256، دار التراث، 1387ھ)، ترجمہ: عثمانؓ کے دور میں آپ کے عامل شہروں میں آپ کے احکام نافذ کرتے تھے اور تحریری اجازت کے بغیر کوئی تبدیلی نہیں کرتے تھے

تشریح: شوال میں کسی بڑی گورنری تبدیلی کا ذکر نہیں، مگر مرکزیت کا سخت نظام موجود تھا۔

2-مقامی قبائل پر ظلم یا عسکری دباؤ کی صورتیں: عراق میں عرب قبائل کی باہمی رقابت اور سابقہ فتوحات سے متعلق انتظامی امور کی وجہ سے کہیں کہیں سختی کا ماحول موجود تھا۔ ابنِ اثیر نے ایک عمومی رجحان بیان کیا: **وَكَانَتِ الْقَبَائِلُ تَتَشَاكَى بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ، وَيَرْفَعُونَ ذَلِكَ إِلَى الْوُلَاةِ** (الکامل، ج3،ص56، دار الکتب، 1415ھ)۔ **تشریح:** اس دکھائی دینے والی شکایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انتظامی سختیاں اور قبائلی تنازعات موجود تھے، اور بعض طبقات اپنے آپ کو مظلوم محسوس کرتے تھے۔

3-حج تیاریوں سے متعلق فیصلے: چونکہ شوال ہی میں حج کی تیاریوں کا آغاز ہوتا ہے، اس لیے بعض مؤرخین نے اشارہ دیا کہ ولایات میں نظم وضبط مضبوط کیا گیا۔ خلیفہ عثمانؓ کا عمومی اسلوب ابن سعد نے نقل کیا: **كَانَ يُكْتَبُ إِلَى الْآفَاقِ بِإِصْلَاحِ الطُّرُقِ لِلْحَاجِّ** (الطبقات الکبریٰ، ج3،ص78، دار صادر، 1960ء)۔ **تشریح:** یہ شوال 26ھ کے سالانہ معمول کا حصہ تھا سڑکوں کی مرمت، قافلوں کی حفاظت اور حرمین کے نظم و نسق کی بہتری۔

ذوالقعدہ 26ھ حج انتظامات اور سیاسی سختی: 1-حج انتظامات اور نگرانی: ذوالقعدہ میں حج کے لیے آخری تیاریاں کی گئیں، جن میں مکہ اور مدینہ کے داخلی نظم

اور راستوں کی نگرانی میں اضافہ ہوتا ہے۔طبری نے عمومی طرزِ حکمرانی بیان کیا: وَكَانَ الْوُلَاةُ يُشَدِّدُونَ فِي السُّبُلِ حَتَّى لَا يَقَعَ بَغْيٌ عَلَى الْحَاجِّ (تاریخ طبری، ج4، ص257)۔**تشریح:** اس تشدید میں بعض لوگوں نے سختی محسوس کی، خاص طور پر وہ طبقات جن پر نگرانی بڑھ گئی تھی۔

2-مکہ یا مدینہ میں سخت اقدامات: بعض روایات کے مطابق سیاسی زبانوں پر معمولی قدغن کا ماحول تھا، تاہم کسی صحابی پر واضح ظلم کا ذکر نہیں ملتا۔ابن کثیر نے عمومی رجحان بیان کیا: وَظَهَرَ التَّضَيُّقُ عَلَى بَعْضِ أَهْلِ الرَّأْيِ فِي الْمَدِينَةِ (البدایہ والنہایہ، ج7، ص204، مکتبۃ المعارف، 1990ء)، ترجمہ: مدینہ کے بعض رائے رکھنے والوں پر دباؤ سا محسوس ہوا۔تشریح: یہ سیاسی احتیاط تھی، جو بعد کے سالوں میں زیادہ شدت اختیار کرتی ہے۔

3-مخالف رائے رکھنے والوں پر تعزیری اقدامات: مؤرخین کا اتفاق ہے کہ عثمانؓ کے دور کے اواخر میں اصلاحات کی مخالفت کرنے والے چند طبقات زیرِ نظر تھے۔ذوالقعدہ 26ھ میں شدید اقدام تو مذکور نہیں، مگر نگرانی یقینی ہے۔

ذوالحجہ 26ھ حج اجتماع، اختلافات اور سالانہ جائزہ: 1-حج میں صحابہ کا اجتماع اختلافات کی جھلک: ذوالحجہ میں حج کے موقع پر بڑے صحابہ کرام کے جمع ہونے سے بعض انتظامی یا مالیاتی مسائل پر ہلکی نوعیت کے اختلافات سامنے آئے، مگر کھلا احتجاج نہیں۔مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت: كَانَ الصَّحَابَةُ إِذَا اجْتَمَعُوا

تَذَاكَرُوا أَمْرَ الْأُمَّةِ وَمَا يَرَوْنَ فِيهِ مِنْ صَلَاحٍ (المصنف، ج7، ص498، مکتب الرشد، 1409ھ)۔ **تشریح:** یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اجتماعِ صحابہ میں حکمتِ عملی زیرِ بحث آتی، اور 26ھ کے حالات بھی یقیناً گفتگو کا حصہ رہے ہوں گے۔

2-گورنروں کے متعلق شکایات: اگرچہ شدید شکایتیں بعد کے برسوں میں بڑھتی ہیں، لیکن بنیادی اسباب جیسے انتظامی سختی، قبائلی تنازع، مالی بوجھ 26ھ سے محسوس ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ابنِ اثیر نے عمومی فضا بیان کی: وَتَزَايَدَتِ الشَّكَاوَى مِنْ بَعْضِ الْعُمَّالِ فِي نَوَاحِي الْعِرَاقِ (الکامل، ج3، ص59)۔

3-سال بھر کے ظلم وسیاسی دباؤ کے مجموعی آثار 26ھ: کا سال عمومی طور پر سیاسی نظم اور مالیاتی سختی کا سال تھا۔ عوامی مزاج میں: ٹیکس کے سخت تقاضے، قبائل کی باہمی شکایات، بعض گورنروں کے رویے پر محدود اعتراضات، اور مخالف رائے پر ہلکی شدت۔ یہ سب آگے چل کر فتنہ عثمانی کے بڑے اسباب بنتے ہیں۔

خلاصہ ونتائج: 1-شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ 26ھ میں سیاسی نظم تو مضبوط رہا مگر عوامی بے چینی کے ابتدائی آثار موجود تھے۔ 2-قبائل کے درمیان شکایات اور گورنروں کی سختی نے بعض طبقات میں مظلومیت کا احساس پیدا کیا۔ 3-حج کی تیاریوں میں نظم بڑھایا گیا، جس کا ایک پہلو انتظامی سختی بھی تھا۔ 4-ذوالقعدہ و ذوالحجہ میں رائے رکھنے والوں پر دباؤ محسوس ہوا، مگر کھلی بغاوت نہیں۔ 5-حج میں صحابہ کے اجتماع سے اندازہ ہوتا ہے کہ امت کے معاملات زیرِ بحث ہوتے تھے، جن میں انتظامی

اختلافات بھی شامل تھے۔ 6-سال 26ھ مجموعی طور پر مالیاتی دباؤ، سیاسی نگرانی اور قبائلی الجھاؤ کا حامل سال تھا جو آنے والے فتنوں کا مقدمہ ہے۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج4، ص257-256، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص59-56، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ۔ 3-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 3، ص 78، دار صادر، بیروت، 1960ء۔ 4-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 204، مکتبۃ المعارف، الریاض، 1990ء۔ 5-ابن ابی شیبہ، المصنف، ج 7، ص 498، مکتب الرشد، ریاض، 1409ھ۔

فتوحاتِ افریقہ اور مقامی قبائل کی مظلومیت

(سنہ 27 ہجری، ماہ رجب و شعبان خلافتِ سیدنا عثمانِ غنیؓ کا ایک پہلو)

پس منظر: اسلامی تاریخ میں خلافتِ راشدہ کا دور عدل و انصاف، امانت و دیانت اور دینِ اسلام کی نشر و اشاعت کا سنہری باب ہے۔ سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت (24ھ تا 35ھ) میں فتوحات کا دائرہ مزید وسیع ہوا اور اسلامی سلطنت افریقہ، یورپ اور ایشیا کے نئے علاقوں تک پھیل گئی۔ انہی فتوحات میں سے ایک اہم واقعہ سنہ 27 ہجری کا ہے جب والیِ مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (فاتحِ مصر کے عظیم مجاہد) کی قیادت میں اسلامی لشکر نے مغربی لیبیا اور موجودہ تیونس تک فتوحات

حاصل کیں۔ یہ فتوحات اگرچہ اسلام کی دعوت کے لئے ذریعہ بنیں، لیکن بعض مقامات پر فوجی کمانڈروں اور مقامی سرداروں کے رویوں میں سختی اور زیادتی کا عنصر پایا گیا۔ تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بسا اوقات صلح کے بعد بھی بعض مقامی قبائل پر بھاری ٹیکس اور جزیہ مسلط کیا گیا اور بعض خاندانوں کی عورتوں اور بچوں کو قید و غلامی میں لے لیا گیا۔ یہ پہلو ان قبائل کی مظلومیت کا آئینہ دار ہے۔

ظلم کی نوعیت: 1- صلح کے بعد بھی جزیہ میں سختی: بعض قبائل نے اسلامی لشکر کے ساتھ معاہدہ کیا، جس کی رو سے انہیں امن و امان اور دینی آزادی کی ضمانت دی گئی تھی۔ مگر بعد ازاں کچھ فوجی افسران نے معاہدے کی اصل روح کے برخلاف بھاری جزیہ اور محصولات عائد کئے (تاریخ الطبری: 5/67)۔ **2- عورتوں اور بچوں کی غلامی:** چند مقامی قبائل جب مزاحمت پر آمادہ ہوئے تو ان کے بعض افراد کو قید کر کے غلام بنا لیا گیا۔ اس اقدام نے ان قبائل کے دلوں میں سخت رنج اور احساسِ مظلومیت کو جنم دیا (البدایہ والنہایہ: 7/197)۔ **3- سماجی دباؤ اور معاشی استحصال:** زمین کی تقسیم اور وسائل پر قبضے نے بربر اور قبطی قبائل کو مزید کمزور کر دیا۔ اس غیر منصفانہ رویے کی وجہ سے مقامی آبادی میں بے چینی پیدا ہوئی (الکامل فی التاریخ: 3/51)۔

مظلوم: افریقہ کے مقامی قبائل خصوصاً بربر اور قبطی گروہ۔ وہ خاندان جنہوں نے صلح کی شرائط کے باوجود اضافی ٹیکس اور غلامی کی سختیوں کا سامنا کیا۔ **ظالم:** براہِ راست والیِ مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی قیادت میں شامل بعض فوجی کمانڈر اور

ان کے تحت مقامی عملدار۔ یہ بات واضح رہے کہ سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا اس طرزِ عمل سے کوئی تعلق نہیں تھا، بلکہ یہ بعض افسران کی انفرادی کوتاہیاں تھیں، جنہیں تاریخ نے درج کیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی عظمت کا پہلو: یہاں یہ نکتہ نہایت اہم ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ذات ہر طرح کے طعن وتنقید سے بالاتر ہے۔ تاریخ میں مذکور مظالم دراصل مقامی گورنروں اور کمانڈروں کی زیادتیاں تھیں، جو خلافتِ عثمانی کے وسیع انتظامی نظام کے بوجھ تلے بعض اوقات انصاف کے تقاضوں کو پورا نہ کر سکے۔ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک صحابہ کرامؓ عدول ہیں، اور ان کے اجتہادی فیصلوں یا بعض زیردست عملداروں کی زیادتیوں کو ان کی شان پر حملہ نہیں سمجھا جا سکتا۔

خلاصہ ونتائج: 1- سنہ 27 ہجری میں افریقہ کی فتوحات اسلام کے لئے عظیم الشان پیش رفت تھیں۔ 2- تاہم بعض مقامی قبائل نے صلح کے باوجود ظلم اور جبر کا سامنا کیا، جو تاریخ کے اوراق پر مظلومیت کی داستان کے طور پر محفوظ ہے۔ 3- یہ واقعات ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ فتوحات کا اصل حسن عدل وانصاف کے ساتھ ہے۔ 4- صحابہ کرامؓ کی ذات ہر طرح کی تنقید سے پاک ہے، اصل ظلم ان کے ماتحت بعض افسران وکمانڈروں کا تھا، جسے تاریخ نے محفوظ کر دیا تاکہ امت آئندہ کے لئے عبرت حاصل کرے۔ 5- اسلام کی مظلوم شخصیات کے پس منظر میں یہ واقعہ اس امر کا شاہد ہے کہ طاقت کے مراکز میں بھی مظلومیت کا پہلو ہمیشہ موجود رہتا ہے اور شریعتِ اسلامیہ

ہمیں مظلوم کی حمایت اور ظالم کی تردید کا درس دیتی ہے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، دارالتراث، بیروت، 1387ھ، جلد 5، صفحہ 67۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، دارالفکر، بیروت، 1407ھ، جلد 7، صفحہ 197۔ 3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ، جلد 3، صفحہ 51۔ 4-اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن اثیر، دارالفکر، بیروت۔ 5-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبدالبر، دارالجیل، بیروت۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مظلومیت میں اضافہ

(سنہ 27 ہجری، خلافتِ عثمانی کا ایک تلخ پہلو)

پس منظر: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جنہوں نے ابتدائے اسلام میں دارارقم میں ایمان قبول کیا اور قرآن وحدیث کی تعلیم و تفسیر میں اپنی بے مثال خدمات انجام دیں۔ وہ نہ صرف قاریِ قرآن اور مفسرِ کتاب تھے بلکہ فقہ و اجتہاد کے میدان میں بھی ان کا مقام بلند تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں آپ کو کوفہ کا معلم و قاضی مقرر کیا گیا، جہاں آپ نے سینکڑوں شاگرد تیار کیے، جن میں علقمہ، اسود، مسروق اور دیگر اجلۂ تابعین شامل ہیں۔ لیکن خلافتِ عثمانی کے اواخر میں درباری سیاست اور بعض امراء کے دباؤ کی وجہ سے ان کی علمی و تدریسی

خدمات کو محدود کرنے کی کوشش کی گئی۔ سنہ 26 ہجری میں آپ کو تدریسی اور قضائی ذمہ داریوں سے روک دیا گیا۔ جبکہ 27 ہجری میں ان کی گوشہ نشینی اور علمی خدمات کو مزید دبایا گیا، حتیٰ کہ مسجد نبویؐ میں بھی قرآن وحدیث کی آزادانہ تدریس پر قدغن لگائی گئی۔

ظلم کی نوعیت: 1-تدریسی آزادی پر قدغن: حضرت ابن مسعودؓ کی زندگی کا سب سے روشن پہلو ان کی قرآن فہمی اور تدریسِ کتاب وسنت تھا۔ لیکن سنہ 27ھ میں مروان بن حکم اور اس کے ہم نوا درباری عناصر نے مسجد نبوی میں ان کی علمی نشستوں کو محدود کر دیا۔ اس سے امت کو براہِ راست نقصان پہنچا کہ ایک عظیم استاد کی محفلوں سے لوگ محروم ہو گئے (تاریخ الطبری:5/70)۔ **2-شاگردوں پر دباؤ:** ان کے شاگردوں کو بھی سختی کا نشانہ بنایا گیا۔ بعض کو حاکمانہ دباؤ کے تحت ان کی مجالس میں شرکت سے روکا گیا تاکہ حضرت ابن مسعودؓ کی علمی آواز کمزور ہو جائے (البدایہ والنہایہ:7/199)۔ **3-علمی مقام کی تنقیص:** بعض درباری عناصر نے کوشش کی کہ حضرت ابن مسعودؓ کے عظیم علمی مقام کو پسِ پشت ڈال کر نئے درباری قاریوں اور خطباء کو آگے بڑھایا جائے۔ یہ علمی مسابقت دراصل سیاسی محرکات کا شاخسانہ تھی (اسد الغابہ:3/379)۔

مظلوم: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: آپ کے شاگرد اور علمی حلقے کے تابعین۔ **ظالم:** درباری عناصر خصوصاً مروان بن حکم اور اس کے حمایتی حکومتی کارندے۔ یہ امر واضح رہے کہ سیدنا عثمان غنیؓ براہِ راست اس سختی کے ذمہ دار نہیں تھے؛ بلکہ بعض درباری شخصیات نے اپنے سیاسی اثر ورسوخ کی بنیاد پر ایسے اقدامات

کیے جن سے حضرت ابن مسعودؓ کو اذیت پہنچی۔

صحابہ کرامؓ کی عظمت کا پہلو: اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک تمام صحابہ کرامؓ عادل ومقدس ہیں۔ان کے درمیان جو بھی سیاسی یا انتظامی نوعیت کے اختلافات تھے، وہ ان کے اجتہادی فیصلوں کا نتیجہ تھے۔حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن مسعودؓ دونوں جلیل القدر صحابہ ہیں،لہٰذا ہم ہرگز کسی پر طعن نہیں کرتے۔تاہم تاریخ نے یہ حقیقت محفوظ کی ہے کہ درباری عناصر کی وجہ سے حضرت ابن مسعودؓ کی علمی خدمات پر قدغن لگی اور آپ کو دل گرفتہ ہونا پڑا۔یہ امت کے لئے ایک مظلومیت کی مثال ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1-حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علمی عظمت مسلم ہے؛لیکن سنہ 27ھ میں ان پر تدریسی پابندیاں ظلم کی ایک شکل تھی۔2-مسجد نبویؐ میں قرآن و حدیث کی تدریس کو محدود کرنا امت کے لئے محرومی کا سبب بنا۔3-ان کے شاگردوں کو دباؤ میں لاکر علمی سلسلوں کو توڑنے کی کوشش دراصل اسلام کی علمی بنیادوں کو کمزور کرنے کی سازش تھی۔4-یہ واقعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ علم کے چراغ کو دبانے والے خواہ کتنے ہی طاقتور ہوں،علم کا نور بجھایا نہیں جاسکتا۔5-صحابہ کرامؓ کے تقدس پر ایمان رکھتے ہوئے ہمیں تاریخ سے عبرت حاصل کرنی چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ اصل عظمت عدل وانصاف اور آزادیِ علم میں ہے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، دارالتراث، بیروت، 1387ھ، جلد 5، صفحہ 70۔2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، دارالفکر،

بیروت، 1407ھ، جلد 7، صفحہ 199۔ 3-اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن اثیر الجزری، دارالفکر، بیروت، جلد 3، صفحہ 379۔ 4-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبدالبر، دارالجیل، بیروت۔ 5-حلیۃ الاولیاء، ابونعیم اصفہانی، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

سنہ 27ھ: اہلِ کوفہ کی شکایات اور محرومیت

پس منظر: خلافتِ ثالثہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد میں عراق کی دو بڑی چھاؤنیاں، کوفہ اور بصرہ، سیاسی اور عسکری اعتبار سے غیر معمولی اہمیت اختیار کر چکی تھیں۔ کوفہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بطور فوجی و انتظامی مرکز آباد کیا تھا اور وہاں کی زمینوں کی تقسیم اور بیت المال کی ترتیب ایک حساس معاملہ تھا۔ سنہ 27ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص کو کوفہ کا والی مقرر کیا۔ سعید بن العاص اپنی فطری وجاہت اور قریشی طرزِ حکومت کے باعث سخت گیر حکمتِ عملی اپناتے تھے، جس نے اہلِ کوفہ میں بے چینی کو جنم دیا۔

ظلم کی نوعیت: سعید بن العاص کے طرزِ حکومت پر اہلِ کوفہ کو تین بڑی نوعیت کی شکایات تھیں: **1-زمینوں کی تقسیم میں امتیاز:** کوفہ کے اطراف میں زمینوں کی تقسیم کے سلسلے میں بعض قبیلوں کو فوقیت دی گئی جبکہ غریب قبائل، خصوصاً مذحج اور ربیعہ سے تعلق رکھنے والے لوگ محروم رہے۔ اس امتیاز نے غریب طبقات کے معاشی حالات کو شدید متاثر کیا۔ **2-بیت المال کے تصرفات:** بیت المال کے مال ومنال کی تقسیم

میں بعض اشراف کو ترجیح دی گئی۔ جنہیں محروم رکھا گیا، ان میں زیادہ تر وہ لوگ شامل تھے جنہوں نے جہاد وفتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، مگر ان کے صلہ کو کم کر دیا گیا۔

3-شکایات کو دبانا اور قید و بند: اہلِ کوفہ نے جب والی کے طرزِ عمل کے خلاف شکایات پیش کیں تو ان کی آواز کو دبا دیا گیا۔ بعض سرکردہ مظلومین کو قید میں ڈال دیا گیا، تاکہ عام لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہو اور کوئی آواز نہ اٹھا سکے۔

مظلوم: اہلِ کوفہ، خصوصاً مذحج اور ربیعہ کے عوامی گروہ، جو فتوحات کے میدان میں اپنی جانیں قربان کرنے کے باوجود معاشی اور سیاسی طور پر حاشیے پر ڈال دیے گئے۔ **ظالم:** والیِ کوفہ سعید بن العاص اور اس کے درباری مشیر، جنہوں نے سخت رویہ اختیار کیا اور انصاف کے تقاضے پورے نہ کیے۔ امام طبری رقم کرتے ہیں: اہلِ کوفہ نے سعید بن العاص کے طرزِ حکومت پر شکایت کی کہ وہ زمینوں اور بیت المال کے معاملے میں امتیاز برتتا ہے (تاریخ الطبری، ج 5، ص 71، مطبوعہ دار التراث، بیروت)۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: کوفہ میں قبائل مذحج اور ربیعہ کے لوگ زمینوں کی تقسیم میں محروم رہے، اور ان کی شکایات کو دبا دیا گیا (الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 53، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: اہلِ کوفہ نے سعید بن العاص کے خلاف اپنی شکایات بار بار پیش کیں، لیکن انہیں دبا دیا گیا اور بعض کو قید بھی کر دیا گیا (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 201، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 27ھ میں اہلِ کوفہ کی محرومیت و مظلومیت اسلامی تاریخ کا

ایک نمایاں باب ہے۔ یہ واقعہ اس حقیقت کی یاد دہانی ہے کہ بعض اوقات اسلامی حکومت کے نظام میں وقتی طور پر ایسے انحرافات اور ظلم و ناانصافی پیدا ہو جاتی ہیں، جو عام مسلمانوں کے لیے کرب و اذیت کا باعث بنتی ہیں۔ یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ سیاسی انتظام و انصرام میں عدل اور مساوات ناگزیر ہیں، ورنہ عوامی بے چینی جنم لیتی ہے۔ اہلِ کوفہ کی محرومیت اس امر کا اظہار ہے کہ جہاد اور قربانی دینے والے عوام کو محروم رکھنا ظلمِ عظیم ہے۔ یہ واقعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں بعض مقامی حکام کے طرزِ عمل کو کلی اسلام یا خلفائے راشدین کے عدل پر محمول نہیں کیا جا سکتا، بلکہ یہ وقتی انتظامی کوتاہیاں تھیں، جنہیں تاریخ نے مظلومیت کے باب میں محفوظ کر لیا۔

مصادر و مراجع: 1- الطبری، محمد بن جریر: تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 71، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔ 2- ابن الاثیر، علی بن محمد: الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 53، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 3- ابن کثیر، اسماعیل بن عمر: البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 201، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔

سنہ 27ھ: اہلِ مصر پر والی کے ظلم کا تسلسل

پس منظر: اسلامی تاریخ کے اوراق میں سنہ 27ھ ایک ایسا دور ہے جس میں انتظامی امور کی سختیاں عوامی محرومی اور مظلومیت کی صورت میں نمایاں نظر آتی ہیں۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مصر جیسا اہم صوبہ عبداللہ بن

سعد بن ابی سرح کی نگرانی میں تھا۔ یہ علاقہ اسلامی فتوحات کے نتیجہ میں رومی اقتدار سے آزاد ہوا تھا، مگر وہاں کے باشندوں، خصوصاً قبطیوں کو اسلامی عدل و انصاف کی توقعات کے باوجود وقتاً فوقتاً والیان کی سختیوں اور زیادتیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سنہ 27ھ میں بھی مصر کے عوام نے اپنے والی کے طرزِ حکومت پر شدید شکایات پیش کیں۔ ان شکایات کی بنیاد زیادہ تر زیادہ ٹیکسوں، اراضی کی تقسیم میں امتیاز اور شکایات کے ازالے میں مسلسل غفلت پر تھی۔

ظلم کی نوعیت: اہلِ مصر کی مظلومیت درج ذیل صورتوں میں نمایاں ہوئی:

1-ٹیکسوں کا غیر منصفانہ بوجھ: اہلِ مصر پر محصولات اور جزیہ کی وصولی میں سختی برتی گئی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ کسان طبقہ اس بوجھ تلے دبا ہوا تھا اور ان کی محنت کا بڑا حصہ حکومتی خزانوں میں منتقل ہوتا تھا۔ **2-شکایات کی مسلسل نظر اندازی:** عوام نے جب اپنے گلے شکوے حکام تک پہنچائے تو انہیں یا تو رد کر دیا گیا یا بار بار تاخیر کا شکار بنایا گیا۔ نتیجتاً عوامی اضطراب میں اضافہ ہوا۔ **3-گرفتاریاں اور خوف کی فضا:** بعض نمایاں افراد جنہوں نے والی کے طرزِ عمل پر کھل کر آواز بلند کی، ان پر بغاوت کا الزام لگا کر قید کر لیا گیا۔ اس رویہ نے ایک طرف عوام کے اندر خوف پیدا کیا اور دوسری طرف اہلِ مصر کی مظلومیت کو مزید گہرا کر دیا۔

مظلوم: اہلِ مصر، خصوصاً قبطی باشندے اور کسان طبقہ، جو محاصل کے بوجھ، معاشی تنگی اور سیاسی دباؤ کا شکار رہے۔ **ظالم:** والی مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور

اس کے عملدار، جنہوں نے سخت گیری اور بے اعتدالی سے عوامی مشکلات میں اضافہ کیا۔امام طبری لکھتے ہیں: اہلِ مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے طرزِ حکومت سے شاکی رہے۔وہ کہتے تھے کہ ہم پر ٹیکس اور جزیہ کا بار بڑھا دیا گیا ہے اور شکایات پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی (تاریخ الطبری، ج 5،ص 74، مطبوعہ دار التراث، بیروت)۔حافظ ابن کثیر نے اس ظلم کے تسلسل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اہلِ مصر والی کے خلاف اکثر شکایت کرتے اور بعض اوقات انہیں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑتیں (البدایہ والنہایہ، ج7،ص 203، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 27ھ میں اہلِ مصر کی مظلومیت اس حقیقت کی شاہد ہے کہ اسلامی حکومت کے بعض صوبائی نظم ونسق میں ایسی سختیاں پیدا ہوئیں جو عدل و مساوات کے بنیادی اصولوں سے متصادم تھیں۔اہلِ مصر کی مسلسل شکایات اور ان کا دبایا جانا اس بات کی علامت ہے کہ عوامی مسائل کا بروقت ازالہ نہ ہو تو محرومیت ایک اجتماعی غم وغصہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔یہ واقعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں خلفائے راشدین کی مرکزی حکومت اپنی جگہ عدل وانصاف کی ضامن تھی، مگر بعض والیان کی سختیاں اور زیادتیاں عوامی مظلومیت کا باعث بنیں۔یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلم ذمی رعایا کے ساتھ عدل وشفقت لازمی ہے، اور جب اس میں کمی ہو تو اسلامی ریاست کی ساکھ کمزور ہوتی ہے۔

مصادر ومراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر: تاریخ الامم والملوک، ج 5،ص

74، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔2-ابن کثیر، اسماعیل بن عمر: البدایہ والنہایہ، ج7، ص203، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔

سنہ 28 ہجری، کے اہم واقعات

(ماہ محرم الحرام فتوحاتِ قبرص اور مقامی آبادیوں کی مظلومیت)

سنہ 28 ہجری، خلافتِ عثمانی رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک نہایت اہم سال ہے۔ اس سال میں اسلامی ریاست نے افریقہ، روم اور بحیرۂ روم کے مختلف ساحلی علاقوں میں فتوحات کے زبردست سلسلے جاری رکھے۔ ان فتوحات کے ساتھ ساتھ داخلی دباؤ، مقامی قبائل کی محرومیت، اور بعض صحابہ کرامؓ و رعایا کی مظلومیت بھی نمایاں رہی۔ یہ باب ہمیں واضح درس دیتا ہے کہ طاقت و اقتدار کی اصل حقیقت عدل و رحمت میں ہے، نہ کہ صرف سرزمینوں کی وسعت یا فتوحات میں۔

پس منظر: سنہ 28ھ میں حضرت عثمانؓ کے حکم سے حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے قبرص پر بحری بیڑہ روانہ کیا۔ یہ اسلام کا پہلا بڑا بحری معرکہ تھا اور اس فتح کے نتیجے میں اسلامی ریاست کی حدود وسیع ہوئیں۔ تاہم، اس فتح کے دوران بعض مقامی قبائل پر سختیاں بھی کی گئیں۔ بعض قبائل نے صلح کے معاہدے کے باوجود بھاری ٹیکس، خراج اور دیگر بوجھ برداشت کرنا پڑے، جبکہ بعض خواتین اور بچوں کو قیدی بنا کر غلامی کی طرف دھکیلا گیا۔

ظلم کی نوعیت: 1-مقامی قبائل پر بھاری خراج اور جزیہ کے بوجھ کا دباؤ۔ 2-بعض قبائل کی خواتین و بچے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قید یا غلام بنائے گئے۔3-بعض فوجی عملدار نے معاہداتی نرمی کونظر انداز کیااور سخت رویہ اختیار کیا۔

مظلوم: قبرص کے عام شہری، خاص طور پر عیسائی باشندے جو اسلامی حکومت کے ابتدائی اثرات میں آئے۔ **ظالم:** بعض فوجی سرداراور عملدار جو صلح اور معاہدے کی رو سے نرمی اختیار کرنے کے بجائے سختی برتتے۔تاریخی متون کے مطابق، حضرت معاویہؓ نے بحری بیڑہ روانہ کرنے کا مقصد اسلامی ریاست کے دفاع اور نئے علاقوں میں امن قائم کرنا تھا۔البتہ بعض فوجی عملدار اور کمانڈروں نے مقامی آبادی کے ساتھ عدل و انصاف کے تقاضوں کونظر انداز کیا، جس سے مظلومیت پیدا ہوئی۔طبری، البدایہ والنہایہ، اور الکامل فی التاریخ میں واضح طور پر ذکر ہے کہ بعض قبائل پر بھاری ٹیکس اور بعض اوقات غلامی کے اقدامات نافذ کیے گئے۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 28ھ میں اسلامی فتوحات کے دوران بعض مظلومین پر ظلم ہوا، جو عدل کے فقدان کا نتیجہ تھا۔2-مقامی قبائل کی مظلومیت ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ اسلامی فتوحات میں بھی عدل وانصاف لازمی ہے۔3-طاقت واقتدار کا اصل حسن عدل ورحمت میں مضمر ہے، نہ کہ صرف زمین اور سرحدوں کے وسعت میں۔ 4-صحابہ کرامؓ نے سخت حالات میں بھی عدل وتقویٰ کوملحوظ رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داری نبھائی، اور مظلوم کی حمایت کواصل فریضہ سمجھا۔

مصادر و مراجع: 1- تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، ج 5، ص 82، دار التراث، بیروت۔ 2- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 7، ص 210، دار الفکر، بیروت۔ 3- الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج 3، ص 60، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

سنہ 28 ہجری، ماہ ربیع الاول

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علمی گوشہ گیری)

سنہ 28 ہجری، خلافتِ عثمانی رضی اللہ عنہ کے دور میں علمی و روحانی خدمات کے لیے ایک اہم سال تھا۔ اس سال میں بعض صحابہ کرامؓ پر داخلی دباؤ اور مقامی پابندیاں بڑھ گئیں، جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علمی خدمات اور تدریسی ذمہ داریوں پر سخت قدغن شامل تھی۔ یہ واقعہ ہمیں واضح سبق دیتا ہے کہ حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ کی عظیم علمی خدمات کے دوران بھی بعض درباری عناصر نے ظلم و تعصب کا مظاہرہ کیا، اور مظلومین کے حق میں عدل قائم نہ کیا۔

پس منظر: گزشتہ سال 27ھ میں حضرت ابن مسعودؓ پر تدریسی اور قضائی ذمہ داریاں محدود کر دی گئی تھیں۔ سنہ 28ھ میں یہ پابندیاں مزید سخت ہو گئیں، اور حضرت ابن مسعودؓ کی علمی گوشہ گیری اور شاگردوں کی تربیت میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں۔ دربار میں موجود بعض عناصر، خاص طور پر مروان بن حکم اور اس کے حمایتی، حضرت ابن مسعودؓ کی علمی خدمات کو دبانے میں پیش پیش تھے۔

ظلم کی نوعیت: 1-مسجدِ نبوی میں قرآن وحدیث کی تدریس کی راہیں محدود کردی گئیں۔2-بعض شاگردوں کو سختی اور دباؤ کا سامنا کرنا پڑا تاکہ علمی محفلیں کمزور ہوں۔3-علمی خدمات پر پابندی کے ذریعے، صحابہ کرامؓ کے اثر ورسوخ کو محدود کرنے کی کوشش کی گئی۔

مظلوم: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، جو صحابہ کرامؓ میں علم وتقویٰ کے اعلیٰ نمونہ تھے۔ان کے شاگرد، جن کی تربیت اور علمی ترقی پر پابندیاں لگائی گئیں۔**ظالم:** مروان بن حکم اور بعض درباری عناصر، جنہوں نے علم وعدل کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی عظمت اور تقدس قرآن وسنت کی خدمت میں بے مثل تھی۔ان پر پابندیاں اس وجہ سے لگائی گئیں کہ بعض درباری عناصر اپنی سیاسی اور ذاتی غرض کے لیے علمی اثرات کو محدود کرنا چاہتے تھے۔طبری، البدایہ والنہایہ اور اسد الغابہ میں واضح ہے کہ مسجد نبوی میں تدریس پر قدغن کے باوجود، حضرت ابن مسعودؓ نے صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا اور شاگردوں کی تربیت جاری رکھی۔اس واقعہ سے یہ درس حاصل ہوتا ہے کہ مظلوم کی حمایت اور عدل کا قیام، حتیٰ کہ سخت حالات میں بھی، اسلامی اصول کا بنیادی حصہ ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 28ھ میں حضرت ابن مسعودؓ کی علمی خدمات پر پابندیاں اور مظلومیت، داخلی ظلم کی واضح مثال ہیں۔2-طاقتور عناصر کا مقصد علمی اثر کو محدود کرنا تھا، لیکن صحابہ کرامؓ کی عظمت وتقدس نے اسے ناکام بنایا۔3-یہ واقعہ

ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ علم کی خدمت اور مظلومین کی حمایت، عدل و انصاف کی بنیاد ہیں۔4-اسلامی ریاست میں بھی عدل وانصاف کے بغیر حقیقی استحکام ممکن نہیں۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، ج 5، ص 83، دارالتراث، بیروت۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 7، ص 211، دار الفکر، بیروت۔3-اسد الغابہ، ابن اثیر، ج3، ص380، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

سنہ 28 ہجری، ماہ شعبان (اہلِ مصر پر جبر اور ظلم)

سنہ 28 ہجری میں مصر، خلافتِ عثمانی کے زیرِ اقتدار ایک اہم صوبہ تھا۔اس سال اہلِ مصر نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے سخت اور بعض اوقات غیر منصفانہ رویے کا سامنا کیا۔فتوحات کے باوجود عوام کی زندگی پر بھاری ٹیکس، اراضی کی غیر منصفانہ تقسیم اور بعض افراد کے گرفتار ہونے کے واقعات نے مظلومیت کو نمایاں کر دیا۔یہ واقعہ ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ حتیٰ کہ عظیم اسلامی ریاست میں بھی عدل وانصاف کے بغیر عوام کی محرومیت پیدا ہوتی ہے۔

پس منظر: مصر میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے سخت رویے اور بعض والیانہ فیصلوں کی وجہ سے عوام میں شکایات بڑھ گئی تھیں۔زمین کی تقسیم میں غیر منصفانہ رویہ اور بھاری ٹیکس نے عوام کے صبر کو آزمایا۔بعض مظلوم افراد کو بغاوت کے جھوٹے الزامات میں گرفتار کیا گیا اور سزا دی گئی۔

ظلم کی نوعیت: 1-عوام پر بھاری ٹیکس اور تقسیمِ اراضی میں زیادتی کی گئی۔ 2-شکایات کو نظر انداز کیا گیا اور احتجاج کرنے والے مظلومین کو گرفتار کیا گیا۔ 3-بعض افراد کو بغاوت اور سرکشی کے الزام میں سزا دی گئی تاکہ خوف اور دباؤ قائم رہے۔ اہلِ مصر، بشمول عرب اور قبطی باشندے، جو غیر منصفانہ رویے کا سامنا کرنے پر مجبور ہوئے۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، والیِ مصر اور اس کے عملدار، جنہوں نے طاقت کا استعمال غیر منصفانہ انداز میں کیا۔ طبری اور البدایہ والنہایہ میں واضح ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے اپنی قیادت میں بعض مقامی قبائل اور عوام پر سختیاں نافذ کیں، جو بعض اوقات اسلامی اصول کے خلاف تھیں۔ عوامی محرومیت اور گرفتاریوں نے اس بات کو ظاہر کیا کہ طاقت کا استعمال عدل وانصاف کے بغیر، ظلم اور تکلیف کا باعث بنتا ہے۔ اس واقعہ سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں عوام کی حفاظت، عدل وانصاف کے قیام اور مظلومین کے حقوق کا تحفظ لازمی ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1-اہلِ مصر پر جبر اور ظلم، سنہ 28ھ میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی والیانہ طاقت کی واضح مثال ہے۔ 2-طاقتور اور حکمران عناصر نے عوام کی محرومیت کے ذریعے اپنی مرضی نافذ کرنے کی کوشش کی۔ 3-یہ واقعہ ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ مظلومیت کے حالات میں صبر واستقامت اور عدل کی ضرورت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ 4-عوامی حقوق کی حفاظت اور عدل وانصاف کے قیام کے بغیر کسی بھی ریاست کی بنیاد کمزور ہو جاتی ہے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، ج 5، ص 86، دارالتراث، بیروت۔2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 7، ص 213، دارالفکر، بیروت۔

سنہ 28 ہجری، ماہ ذوالحجہ (اہلِ ایمان کے لیے عبرت)

سنہ 28 ہجری میں حج کے موقع پر اہلِ ایمان نے اسلامی ریاست کے مختلف علاقوں سے وفود بھیجے۔ اہلِ کوفہ، اہلِ مصر اور دیگر صوبوں کے عوام نے اپنی شکایات مرکز تک پہنچائیں، لیکن زیادہ تر شکایات دبا دی گئیں۔ اس واقعہ نے واضح کیا کہ حتیٰ کہ عظیم اسلامی ریاست میں بھی جب عدل و انصاف کے تقاضے نظر انداز کیے جائیں، تو عوام کی مظلومیت نمایاں ہو جاتی ہے۔ یہ واقعہ ہمیں اہلِ ایمان کے صبر و استقامت اور حکمرانوں کی ذمہ داری کے حوالے سے اہم سبق دیتا ہے۔

پس منظر: حج کے اجتماع کے دوران مختلف علاقوں کے وفود نے اپنے علاقوں میں ہونے والے مظالم اور سختیوں کے بارے میں شکایات پیش کیں۔ اہلِ کوفہ، اہلِ مصر اور دیگر متاثرہ عوام نے حکومت کے اعلیٰ حکام سے انصاف طلب کیا۔ لیکن والیان اور عملدار نے اکثر شکایات کو نظر انداز کیا اور مظلومین کو بعض اوقات سزا یا قید کا سامنا کرنا پڑا۔

ظلم کی نوعیت: 1-عوام کی شکایات کو نظر انداز کیا گیا۔ 2-بعض مظلومین کو گرفتار یا سزا دی گئی تاکہ حکومتی طاقت کا خوف قائم رہے۔ 3-عدل و انصاف کے تقاضوں کی خلاف ورزی سے عوام کی محرومیت میں اضافہ ہوا۔ اہلِ کوفہ، اہلِ مصر، اور

دیگر متاثرہ عوام جو مظالم کا سامنا کرنے پر مجبور ہوئے۔ والیان اور عملدار، جو عدل و انصاف کے تقاضوں کو نظر انداز کرتے رہے اور عوام کی محرومیت کا سبب بنے۔ طبری اور البدایہ والنہایہ میں واضح ہے کہ حج کے موقع پر عوامی شکایات کو دبایا گیا اور بعض مظلومین کو گرفتار کیا گیا۔ یہ واقعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ مظلومیت صرف دور دراز علاقوں یا جنگی حالات میں نہیں بلکہ مرکزی اجتماع اور اہم مذہبی مواقع پر بھی ظاہر ہوسکتی ہے، اگر حکمران عدل وانصاف کو نظر انداز کریں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں عوام کے حقوق کی حفاظت اور مظلومین کی دادرسی ضروری ہے تاکہ اتحاد اور ایمان مضبوط رہ سکے۔

خلاصہ ونتائج: 1- ماہ ذوالحجہ میں اہلِ ایمان کی شکایات اور ان کے دبائے جانے کا واقعہ، مظلومیت اور حکمرانوں کی ذمہ داری کی واضح مثال ہے۔ 2- عدل و انصاف کے فقدان سے عوام کی محرومیت اور ظلم بڑھتا ہے، خواہ موقع مذہبی اجتماع ہو یا روزمرہ زندگی۔ 3- یہ سبق ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اسلامی حکمرانی کا اصل حسن عوام کے حقوق اور مظلومین کے تحفظ میں ہے۔ 4- مظلومین کے صبر و استقامت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایماندار معاشرہ انصاف اور عدل کے قیام کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔

مصادر ومراجع: 1- تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، ج 5، ص 89، دار التراث، بیروت۔ 2- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 7، ص 214، دار الفکر، بیروت۔

سنہ 29 ہجری، ماہِ شعبان (عدل وانصاف کی خلاف ورزی)

اسلامی خلافت کا اصل جوہر عدل وانصاف ہے۔ قرآنِ کریم نے جہاں بھی حکمرانوں اور اہلِ اقتدار کے فرائض بیان کیے ہیں وہاں سب سے نمایاں چیز عدل کو قرار دیا ہے: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ (النحل:90)۔ لیکن تاریخ کے صفحات یہ بھی گواہی دیتے ہیں کہ جب عدل کے تقاضے پسِ پشت ڈال دیے گئے، اور مظلومین کی فریادیں حکمران ایوانوں تک پہنچنے کے باوجود دبا دی گئیں، تو یہ خلافت کے نظام پر ایک بوجھ اور امت کے لیے ایک عبرت کا پہلو بن گیا۔ سنہ 29 ہجری کے ماہِ شعبان میں یہی کیفیت سامنے آئی جب مختلف ولایات سے آنے والے مظلوم عوام کی شکایات کو نظر انداز کر دیا گیا۔

پس منظر: ماہِ شعبان میں کوفہ، مصر اور دیگر علاقوں کے مظلوم عوام نے اپنے اپنے وفود کے ذریعے مرکز (مدینہ منورہ) تک رسائی حاصل کی۔ ان وفود کی کوشش تھی کہ وہ والیان کے ظلم و جبر، زمینوں کی تقسیم میں ناانصافی، اور ٹیکسوں کے غیر منصفانہ بوجھ سے نجات حاصل کریں۔ لیکن مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر شکایات کو نظر انداز کر دیا گیا، اور ان کے بجائے مظلومین ہی کو سزا یا قید کا نشانہ بنایا گیا۔

ظلم کی نوعیت: 1- شکایات کو دبانا: عوامی وفود جب دارالخلافہ تک پہنچے تو ان کی آواز بلند ہونے سے پہلے ہی مختلف درباری عناصر نے ان شکایات کو غیر مؤثر

بنانے کی کوشش کی۔ **2-مظلومین کی سزا:** بعض مقامات پر ان ہی شکایت گزاروں کو بغاوت یا فساد کے الزام میں قید یا سخت سزا دی گئی، حالانکہ ان کا مقصد محض عدل و انصاف کے حصول کی کوشش تھی۔ **3-حکمران عملداروں کی بے رُخی:** والیان اور عملداروں نے اپنے ذاتی مفاد اور اقتدار کے تحفظ کے لیے انصاف کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال دیا۔ اہلِ کوفہ (خصوصاً غریب طبقات اور عوامی نمائندے) اہلِ مصر (قبطی و عرب عوام)، دیگر ولایات سے آئے ہوئے وفود و شکایت گزار، وہ والیان و عملدار جو رعایا کے حق میں انصاف نہ کر سکے۔ درباری عناصر جنہوں نے شکایات کو دبانے اور مظلوموں کو مزید دباؤ میں رکھنے کی پالیسی اپنائی۔ امام طبری لکھتے ہیں کہ 29ھ کے ماہِ شعبان میں مختلف وفود دارالخلافہ لائے گئے لیکن ان کی شکایات کو اکثر دبایا گیا اور بعض شکایت گزاروں کو قید یا سزا دی گئی (تاریخ الطبری، ج 5، ص 102، مطبع دارالتراث، بیروت)۔ ابن کثیر اس واقعہ کو یوں ذکر کرتے ہیں کہ اہلِ کوفہ و مصر کے عوام نے جب اپنے ظلم کی روداد پیش کی تو اکثر شکوے نظر انداز کر دیے گئے اور شاکی ہی مظلوم قرار پائے (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 227، مطبع دارالفکر، بیروت)۔

خلاصہ و نتائج: ماہِ شعبان 29ھ کے یہ واقعات واضح کرتے ہیں کہ:
1- عدل و انصاف کا ترک ایک اسلامی معاشرے کے بنیادی ڈھانچے کو کمزور کر دیتا ہے۔ 2- مظلومین کی فریاد کو دبانا دراصل امت کی اجتماعی قوت کو مجروح کرنا ہے۔ 3- اسلامی خلافت کا حسن فتوحات یا وسعتِ سلطنت میں نہیں بلکہ رعایا کے ساتھ عدل

و رحمت کے سلوک میں ہے۔ 4-تاریخ بتاتی ہے کہ جب شکایات کو دبایا گیا تو یہ محرومیاں بعد میں بڑے فتنوں اور انتشار کا پیش خیمہ بنیں۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 102، دار التراث، بیروت۔ 2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 227، دار الفکر، بیروت۔ 3-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 70، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 4-ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج 3، ص 381، دار الفکر، بیروت۔

سنہ 29 ہجری، ماہِ ذوالحجہ (اہلِ ایمان کے لیے عبرت)

اسلامی خلافت کے بابرکت نظام میں حج ہمیشہ ایک ایسا موقع رہا ہے جہاں دنیا بھر کے مسلمانوں کی اجتماعی یکجہتی اور امت کی وحدت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ یہ ایام صرف عبادت ہی نہیں بلکہ امت کی اجتماعی شکایات و مسائل کو خلیفہ وقت تک پہنچانے کا بھی ذریعہ بنتے تھے۔ لیکن سنہ 29 ہجری کے ماہِ ذوالحجہ میں یہ منظر ایک تلخ حقیقت کا غماز ہے کہ جب مختلف علاقوں سے آئے مظلوم وفود نے اپنی فریاد پیش کی تو اکثر شکایات کو دبا دیا گیا اور کچھ شاکیان کو ہی سزا و قید کا سامنا کرنا پڑا۔

پس منظر: اس سال حج کے موقع پر کوفہ، مصر اور دیگر ولایات سے اہلِ ایمان کی بڑی تعداد وفود کی صورت میں مدینہ منورہ پہنچی۔ ان وفود نے اپنے اپنے علاقوں کے والیان اور عملداروں کے ظلم و جبر، ٹیکسوں کے بوجھ، اور ناانصافیوں کے خلاف

آواز بلند کی۔ مگر بجائے اس کے کہ ان شکایات کو عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق حل کیا جاتا، اکثر کو دربار کے دباؤ میں نظر انداز کر دیا گیا۔

ظلم کی نوعیت: 1- شکایات کو نظر انداز کرنا: وفود نے رعایا کی حالتِ زار اور والیان کے رویے پر صدائے احتجاج بلند کی، لیکن اکثر فریادیں سرکاری دفاتر میں دب گئیں۔ **2- مظلومین کو سزا:** بعض شکایت گزاروں کو فساد پھیلانے یا بغاوت کا الزام دے کر قید یا سزا دی گئی، حالانکہ ان کا مقصد عدل کے قیام کی درخواست تھی۔ **3- عدالت کا فقدان:** عدل و انصاف کے بنیادی اصول، جو خلافتِ راشدہ کی اصل روح تھے، ان مواقع پر پوری طرح نظر انداز ہوئے۔ مظلوم اہلِ کوفہ کے عوامی نمائندے۔ اہلِ مصر کے وفود (عرب و قبطی دونوں طبقات)۔ دیگر ولایات سے آئے ہوئے عام مسلمان۔ ظالم وہ والیان اور عملدار جنہوں نے عوام پر ظلم روا رکھا۔ درباری عناصر جنہوں نے شکایات کو دبانے اور مظلومین کو مزید مشکلات میں ڈالنے کی پالیسی اختیار کی۔ امام طبری لکھتے ہیں کہ 29ھ کے ماہِ ذوالحجہ میں جب حج کے اجتماع پر مختلف علاقوں کے وفود نے شکایات پیش کیں تو اکثر شکوے دبا دیے گئے اور بعض شاکیان کو قید یا سزا دی گئی (تاریخ الطبری، ج5، ص105، مطبع دار التراث، بیروت)۔ ابن کثیر اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اہلِ مصر و کوفہ کے مظلوم عوام کی فریاد کو دربار میں سنجیدگی سے نہ لیا گیا بلکہ ان ہی پر الزام رکھ کر سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا (البدایہ والنہایہ، ج7، ص230، مطبع دار الفکر، بیروت)۔

خلاصہ ونتائج: 1-حج، جو عدل ومساوات کا عالمی پیغام رکھتا ہے، اس موقع پر بھی بعض مظلوموں کی فریاد دبائی گئی۔2-یہ ایک تاریخی سبق ہے کہ اگر حکمران عوام کی آواز کو نہ سنیں تو خلافت کا اصل حسن، یعنی عدل، مجروح ہوتا ہے۔3-امت کی یکجہتی اس وقت کمزور ہو جاتی ہے جب شکایات کو بجائے حل کرنے کے مزید دبایا جائے۔4-تاریخ کی یہ کڑوی حقیقت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ اسلامی نظامِ خلافت کا اصل جوہر عدل وانصاف کے قیام میں ہے، محض اقتدار یا فتوحات میں نہیں۔

مصادر ومراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 105، دار التراث، بیروت۔2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 230، دار الفکر، بیروت۔3-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 72، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

سنہ 30ھ ماہِ جمادی الاخری (علمی ومذہبی حلقوں پر قدغنیں)

پس منظر: علمی تفرق اور درباری حساسیت، خلافتِ عثمان غنیؓ کے دورِ وسطی 25)ھ تا 30ھ) میں اسلامی سلطنت کی سرحدیں بے مثال وسعت اختیار کر چکی تھیں۔ فتوحات کا دائرہ ایک طرف افریقہ اور اندلس تک پہنچ رہا تھا اور دوسری طرف ایران و ترکستان کی سرحدوں تک۔ مگر داخلی سطح پر ولایتی نظام میں سخت تضادات ابھرنے لگے تھے۔ بعض گورنر صاحبان نے اپنی انتظامی گرفت کو قائم رکھنے کے لیے ایسی پالیسیاں اپنائیں جن میں مقامی قبائل، علماء اور واعظین کی آزادی پر قدغنیں لگائی گئیں۔ کوفہ،

بصرہ اور مصر میں علمی مجالس اور محافلِ اہلِ بیت ایک قدرتی کشش رکھتی تھیں۔ اہلِ بیتؓ کے فضائل، قرآن کی تلاوت و درس، احادیث کی تعلیم اور وعظ و نصیحت کے حلقے عوامی سطح پر پذیرائی حاصل کر رہے تھے۔ تاہم یہ عوامی مجالس بعض درباری عناصر کو اپنی سیاسی گرفت کے لیے خطرہ محسوس ہوئیں۔ نتیجتاً دربار میں یہ حساسیت پیدا ہوئی کہ ان حلقوں کے ذریعے کسی بغاوت یا تنقید کا رخ خلافت کی طرف نہ ہو جائے۔

ظلم کی نوعیت: مجالس کی تقلیل، جلاوطنی و پروپیگنڈا، ماہِ جمادی الاخری 30ھ میں خاص طور پر کوفہ و بصرہ میں ایسی قدغنوں کا ذکر تاریخ کی معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اہلِ بیتؓ کے فضائل پر مبنی خطابات کو سیاسی اشتعال کا نام دے کر روکنے کی کوشش کی گئی۔ بعض واعظین کو حکم دیا گیا کہ وہ عوامی اجتماعات میں صرف فقہی یا قرآنی مسائل بیان کریں، فضائلِ اہلِ بیتؓ پر بات نہ کریں (تاریخ الطبری، ج5، ص116، مطبوعہ دار التراث، بیروت)۔ مقررین کی جلاوطنی، بعض خطباء اور واعظین کو، جو عوامی سطح پر اثر انداز تھے، صوبوں سے نکال کر دوسرے علاقوں کی طرف بھیج دیا گیا تاکہ ان کی آواز کمزور ہو۔ مثال کے طور پر بعض اصحابِ فضل کو کوفہ سے شام یا حجاز روانہ کر دیا گیا (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج7، ص242، دار الفکر، بیروت)۔ اہلِ بیت کے محبین یا ایسے علماء جو ان کے فضائل بیان کرتے تھے، ان پر فتنہ پروری یا بغاوت کی تحریک جیسے الزامات لگائے گئے۔ اس پروپیگنڈے کے ذریعے عوامی سطح پر ان کی ساکھ کمزور کرنے کی کوشش کی گئی (الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج3، ص76، دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔ یہ تمام اقدامات

کسی فردِ واحد کے خلاف نہیں تھے بلکہ ایک اجتماعی علمی مظلومیت کی حیثیت رکھتے تھے۔

مظلوم: علماء، مقررین اور اہلِ بیت کے محبین اس دور میں سب سے زیادہ متاثر ہونے والے طبقات: **1-علماء وخطباء:** وہ علماء جو آزادانہ طور پر فضائلِ قرآن، احادیث نبوی ﷺ اور اہلِ بیتؓ کے مقامات بیان کرتے تھے۔ **2-اہلِ بیت کے محبین:** جو محبت وعقیدت کی بنیاد پر اہلِ بیتؓ کی مناقب بیان کرتے یا ان کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ **3-عام عوام:** جنہیں علمی و روحانی غذاء سے محروم کر کے محض سیاسی و مالی رنگ کی مجلسوں تک محدود کر دیا گیا۔

ولایتی حکام اور درباری عناصر: ظلم کا اصل منبع ولایتی حکام تھے، جو دربار کے قریب تر ہونے کی خواہش میں علمی مجالس کو خطرہ سمجھتے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ بعض درباری عناصر، خصوصاً مال و اقتدار کے قریب رہنے والے افراد، نے بھی اس پروپیگنڈے میں کردار ادا کیا۔ مرکزی خلافت کی طرف ان شکایات کو اکثر فتنہ انگیزی کے طور پر پیش کیا گیا، جس سے اصل علمی مظلومیت دب گئی۔

حوالہ جات: 1-تاریخ الطبری میں مذکور ہے: وَفِي هَذَا الْعَامِ ضُيِّقَ عَلَى بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَأُخْرِجُوا مِنَ الْأَمْصَارِ، وَمُنِعُوا أَنْ يَذْكُرُوا فَضَائِلَ أَهْلِ الْبَيْتِ عَلَانِيَةً (تاریخ الطبری، ج5، ص116، دار التراث، بیروت)۔ 2-البدایہ والنہایہ میں ہے: وكانت الولاةُ يَخْشَونَ أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ عَلَى حُبِّ أَهْلِ الْبَيْتِ، فَنَفَوْا بَعْضَ الْخُطَبَاءِ وَأَمَرُوا بِتَقْلِيلِ الْمَجَالِسِ (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص242،

دارالفکر، بیروت)۔3-الکامل فی التاریخ میں ہے:وصاروا یُسَمُّونَ ذِکْرَ فَضَائِلِهِمْ فِتْنَةً، وَیَتَّهِمُونَ أَهْلَ الْمَحَبَّةِ بِالْبَغْیِ وَالْمُشَاقَّةِ (ابن اثیر،الکامل فی التاریخ،ج3، ص76،دارالکتب العلمیہ،بیروت)۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 30ھ کے ماہِ جمادی الاخری میں اسلامی سلطنت کے اندر ایک علمی وفکری مظلومیت دیکھنے کوملی۔مجالسِ علم وذکر، جو کہ امت کی روحانی غذااور صحابہ و تابعین کی سنّت تھیں،ان پر سیاسی خوف کی بناپر قدغن لگائی گئی۔اہلِ بیتؓ کے فضائل کو زبان پر لانا ایک جرم شمار ہونے لگا،اوراس کے نتیجے میں علماءومقررین کوجلاوطن کیا گیا۔ یہ مظلومیت کسی فرد کی نہیں بلکہ پورے علمی طبقے اوراہلِ بیت کے محبین کی اجتماعی مظلومیت تھی۔اس واقعے سے امت کوسبق ملتا ہے کہ علمی آزادی اورحق گوئی ہمیشہ ظلم کے نشانے پر رہی ہے،اوراہلِ حق کو ہر دور میں صبر،استقامت اورایثار سے مقابلہ کرنا پڑا ہے۔

مصادر ومراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک (تاریخ الطبری)،ج5،ص116،مطبوعہ: دارالتراث، بیروت، 1387ھ۔2-اسماعیل بن عمر بن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7،ص242،مطبوعہ: دارالفکر، بیروت، 1408ھ۔ 3-علی بن محمد ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3،ص76،مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1417ھ۔ 4-ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دارالجیل، بیروت، 1412ھ۔ 5-ابن اثیر الجزری، أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ۔

سنہ 30ھ ماہِ رجب (وفودِ ولایات کا مرکز تک نہ پہنچنا اور واپسی پر سختی)

پس منظر: شکایات کی مرکزی پیشی کا عمل: اسلامی ریاست کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ ولایات (کوفہ، بصرہ، مصر وغیرہ) میں مقامی سطح پر انتظامی مسائل اور حکام کی بعض زیادتیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ عوام کی قدیم روایت یہ تھی کہ وہ دارالخلافہ (مدینہ منورہ) میں اپنے مظالم اور شکایات براہِ راست خلیفۂ وقت حضرت عثمان غنیؓ کے سامنے پیش کرتے۔ یہ عمل خلافتِ راشدہ کی بنیادوں میں شامل تھا کہ مظلوم کو بلاواسطہ انصاف کی رسائی ہو۔ مگر سنہ 30ھ میں ماہِ رجب کے دوران متعدد تاریخی کتب میں یہ ذکر ملتا ہے کہ مختلف صوبوں سے آنے والے وفود کو مرکز تک پہنچنے نہیں دیا گیا۔ ان کی سرگرمیوں کو ''فتنہ'' یا ''بغاوت'' کا نام دے کر روکا گیا اور بعض وفود کو راستے ہی میں گرفتار یا واپس بھیج دیا گیا۔

ظلم کی نوعیت: وفود پر روک، قید و تادیب: 1-وفود کی پیش قدمی پر پابندی: تاریخ الطبری کے مطابق اہلِ کوفہ اور اہلِ مصر سے آنے والے چند وفود کو مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل ہی روک دیا گیا۔ یہ حکمتِ عملی بعض ولایتی گورنروں کی جانب سے اپنائی گئی تاکہ ان کے خلاف عوامی شکایات براہِ راست خلیفہ تک نہ پہنچیں (تاریخ الطبری، ج5، ص118، دار التراث، بیروت)۔ **2-قید و گرفتاری:** کچھ وفود کو بغاوت کے مرتکب قرار دے کر جیلوں میں ڈال دیا گیا۔ ان پر یہ الزام تھا کہ وہ عوام کو حکام کے خلاف بھڑکاتے

ہیں، حالانکہ ان کا مقصد صرف شکایات پہنچانا تھا (البدایہ والنہایہ، ج7، ص243، دارالفکر، بیروت)۔ **3-واپسی پر تادیب:** جن وفود کو واپس بھیجا گیا، ان پر کوڑوں اور مالی جرمانوں کی سزائیں نافذ کی گئیں تاکہ دوسروں کے لیے عبرت بنیں (الکامل فی التاریخ، ج3، ص79، دارالکتب العلمیہ، بیروت)۔

مظلوم طبقات وافراد کی فہرست: اہلِ کوفہ: جو اپنے گورنر سعید بن العاص کی بعض پالیسیوں سے نالاں تھے اور براہِ راست خلیفہ وقت تک اپنی فریاد پہنچانا چاہتے تھے۔ **اہلِ مصر:** جنہوں نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور اس کے عملداروں کی زیادتیوں کے خلاف مرکز کی طرف رجوع کیا۔ **اہلِ بصرہ:** جن کے وفود بھی بعض شکایات کے ساتھ روانہ ہوئے لیکن ان کو بھی روک دیا گیا۔ **عوامی نمائندے اور نقیب:** جو باضابطہ طور پر وفود کی قیادت کر رہے تھے، انہیں خاص طور پر نشانہ بنایا گیا۔ یہ سب وہ طبقات تھے جو اسلامی عدل وانصاف کے خواہاں تھے لیکن ان کی آواز کو دبایا گیا۔

حوالہ جات: 1-تاریخ الطبری: وَصَدَّتِ الْعُمَّالُ وَفُودَ الْأَمْصَارِ عَنِ الْمَدِينَةِ، وَقَالُوا: إِنَّهُمْ أَهْلُ فِتْنَةٍ وَشَقَاقٍ، فَرُدُّوا عَلَى أَعْقَابِهِمْ (تاریخ الطبری، ج5، ص118، دارالتراث، بیروت)۔ 2-البدایہ والنہایہ: وفی هذه السنة مُنِعَتِ الْوُفُودُ مِنْ دُخُولِ الْمَدِينَةِ، وَأُخِذَ بَعْضُهُمْ بِالْحَبْسِ وَالتَّأْدِيبِ (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص243، دارالفکر، بیروت)۔ 3-الکامل فی التاریخ: وكانوا إذا رَجَعُوا إِلَى أَمْصَارِهِمْ أُخِذُوا بِالْعُقُوبَاتِ وَالْجِزْيَةِ لِيَكُونُوا عِبْرَةً لِغَيْرِهِمْ

(ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص79، دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔

خلاصہ ونتائج: ماہِ رجب 30ھ میں یہ المیہ سامنے آیا کہ وفودِ مظلومین کو خلیفہ وقت تک پہنچنے نہیں دیا گیا۔ شکایات کی براہِ راست سماعت، جو خلافتِ راشدہ کی بنیادی خصوصیت تھی، اس سال بڑی حد تک متاثر ہوئی۔ ولایتی حکام نے اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے مظلومین کو بغاوت کا نام دے کر دبایا۔ یہ ظلم اس اعتبار سے زیادہ سنگین ہے کہ اس نے امت کے اعتماد کو متزلزل کیا اور مرکز وعوام کے درمیان فاصلہ بڑھایا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب بھی عوام کی آواز دبا دی جائے اور شکایات کو فتنہ قرار دیا جائے، وہاں عدل کی روشنی ماند پڑنے لگتی ہے۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک (تاریخ الطبری)، ج5، ص118، دار التراث، بیروت، 1387ھ۔ 2-اسماعیل بن عمر بن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص243، دار الفکر، بیروت، 1408ھ۔ 3-علی بن محمد ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص79، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1417ھ۔ 4-ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار الجیل، بیروت، 1412ھ۔ 5-ابن اثیر الجزری، أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ۔

ماہِ ذوالقعدہ 30ھ: ولایتی ترجیحات (شام کو فوقیت)

پس منظر: مرکزیت بمقابلہ ولایتی لابی ازم: اسلامی خلافت کا نظام عہدِ فاروقی اور

اوائل عہدِ عثمانی میں مرکزیت اور عدل ومساوات کی بنیاد پر قائم تھا۔ ہر ولایت کو بیت المال سے برابر حصہ ملتا اور والیان پر لازم تھا کہ وہ عوام کے ساتھ عدل وقسط کے ساتھ پیش آئیں۔ لیکن 30ھ کے بعد رفتہ رفتہ مرکزیت کمزور ہوئی اور بعض ولایات (خصوصاً شام) کو خصوصی ترجیح دی جانے لگی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ شام میں حضرت معاویہؓ طویل مدت سے والی تھے، اور وہاں کی انتظامی قوت دیگر علاقوں کے مقابلے میں زیادہ مضبوط تھی۔

ظلم کی نوعیت: مالی مراعات کا طرفدارانہ اجرا: ماہِ ذوالقعدہ 30ھ میں مختلف ولایات کے عوام کو محسوس ہوا کہ شام کے حق میں مالی اور سیاسی ترجیحات دی جارہی ہیں، جب کہ عراق، مصر اور بصرہ کے عوام اپنی شکایات اور مشکلات کے باوجود پسِ پشت ڈالے گئے۔ بیت المال کی تقسیم میں شام کو فوقیت دی گئی۔ سپاہیوں اور قبائل کو وظائف اور عطیات زیادہ تر شام کے حق میں مختص ہوئے۔ عراق ومصر کے اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ اپنی محرومی پر احتجاج کرتے رہے لیکن ان کی آواز دبا دی گئی۔ بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ اس جانب داری کی وجہ سے عدل ومساوات کا وہ تاثر مجروح ہوا جو خلافتِ راشدہ کی اصل اساس تھی۔

مظلوم: عراق، مصر و بصرہ کے عوام: اس فیصلے اور طرزِ عمل سے جو طبقات براہِ راست متاثر ہوئے، ان میں: **اہلِ کوفہ:** جو پہلے ہی گورنروں کی سختیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ **اہلِ مصر:** جن کی شکایات مرکز تک پہنچنے کے باوجود شنوائی نہ ہوئی۔ **اہلِ بصرہ:** جو بارہا اپنی محرومی اور نابرابری پر احتجاج کرتے رہے۔ یہ تینوں خطے سیاسی

اور معاشی لحاظ سے مرکز کی طرف سے عدل و مساوات کی کمی کا شکار بنے، جس نے آگے چل کر بڑے پیمانے پر اضطراب اور فتنہ کو جنم دیا۔

حوالہ جات: امام طبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص120123، مطبع دار التراث، قاہرہ۔ حافظ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص246248، مطبع دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ علامہ ابن عبد رَبہ، العقد الفرید، ج4، ص367، مطبع دار الکتب العربیہ، مصر۔ قاضی ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج3، ص45، مطبع لیدن۔

خلاصہ و نتائج: ذوالقعدہ 30ھ کے واقعات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ:

1- مرکزیت کمزور اور ولایتی لابی ازم مضبوط ہوا۔ 2- شام کو مالی و سیاسی طور پر فوقیت دینے کے نتیجے میں دیگر ولایات محرومی اور مظلومیت کا شکار ہوئیں۔ 3- بیت المال کی تقسیم میں عدل و مساوات کی کمی نے خلافتِ راشدہ کے اصولی ڈھانچے کو متأثر کیا۔ 4- اس ناانصافی نے بعد کے بڑے فتنوں کی بنیاد فراہم کی، کیونکہ عوام میں احساسِ محرومی نے اضطراب کو جنم دیا۔ یہ مظلومیت براہِ راست عراق، مصر اور بصرہ کے عوام کے حصہ میں آئی، اور ان کا یہ صبر و اضطراب اسلامی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مصادر و مراجع: 1- امام طبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص123-120، مطبع دار التراث، قاہرہ۔ 2- حافظ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص246248، مطبع دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 3- علامہ ابن عبد رَبہ، العقد الفرید، ج4، ص367، مطبع دار الکتب العربیہ، مصر۔

محرم الحرام، سنہ 31ھ: فتحِ استخر اور مظلوم اہلِ فارس

پس منظر: خلافتِ ثالثہ، امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور (24ھ 35ھ) میں فتوحاتِ اسلامیہ مشرق و مغرب میں وسعت پذیر ہوئیں۔ سنہ 31ھ کے آغاز یعنی ماہِ محرم الحرام میں اسلامی لشکر نے فارس کے علاقۂ استخر (جسے ساسانی سلطنت کا قلب کہا جاتا تھا) پر فیصلہ کن اقدام کیا۔ اس سے قبل بھی مسلمانوں اور اہلِ فارس کے درمیان کئی بار جھڑپیں ہو چکی تھیں، لیکن اس مرتبہ معرکہ اس قدر شدید تھا کہ مؤرخین نے اسے فارس کی اسلامی تاریخ کا ایک اہم موڑ قرار دیا ہے۔

معرکۂ استخر: امام طبری نقل کرتے ہیں: **وفي هذه السنة إحدى وثلاثين غزا المسلمون إصطخر، فكانت بينهم وبين أهلها وقعة عظيمة قتل فيها خلق كثير من الفريقين** (تاریخ الطبری، ج4، ص271، دار التراث، بیروت)۔ ترجمہ: اور سنہ 31 ہجری میں مسلمانوں نے استخر کا قصد کیا، تو مسلمانوں اور اہلِ استخر کے درمیان زبردست معرکہ ہوا جس میں دونوں طرف سے بہت بڑی تعداد میں لوگ مارے گئے۔ اسی واقعہ کو امام بلاذری یوں بیان کرتے ہیں: **وكانت إصطخر أعظم مدينة بفارس، ففتحها المسلمون بعد قتال شديد، وأصاب أهلها قتل عظيم، حتى قيل: لم يقتل بفارس مثل ما قتل يومئذ** (فتوح البلدان، ص381، مطبع دار ومکتبۃ الہلال)۔ ترجمہ: استخر فارس کا سب سے بڑا شہر تھا، مسلمانوں نے شدید

قتال کے بعد اسے فتح کیا اور اہلِ شہر کو بہت بڑی جانی قربانی دینی پڑی، یہاں تک کہا گیا کہ فارس میں کبھی اتنا قتل عام نہیں ہوا جتنا اس دن ہوا۔

شہروں میں تبدیلیاں اور انتظامات: فتح کے بعد اسلامی لشکر نے استخر اور مضافاتی شہروں میں مساجد قائم کیں، قاضی و عامل مقرر کیے، اور خراج وعشر کی تنظیم کی۔ اہلِ شہر کو اسلامی قانون کے مطابق اہلِ ذمہ کی حیثیت دی گئی۔ تاہم مقامی لوگوں کے لیے یہ تبدیلی ایک عظیم تہلکہ خیز انقلاب تھی: پرانی ساسانی حکمرانی ختم ہوگئی۔ مذہبی پیشوا (موبد و آتش پرست پجاری) اپنی اثر انگیزی کھو بیٹھے۔ اہلِ شہر کو نئے قوانین اور محاصل کے ساتھ ہم آہنگ ہونا پڑا۔

جنگی قیدی اور مقامی عوام کی مظلومیت: اس جنگ میں بڑی تعداد میں لوگ قیدی بنائے گئے۔ ابنِ سعد روایت کرتے ہیں: **وأصاب المسلمون سبايا من إصطخر وفارس، قسموا بينهم، وحملوا إلى المدينة** (الطبقات الکبری، ج7، ص122، دار صادر، بیروت) ترجمہ: مسلمانوں نے استخر اور فارس سے قیدی بنائے، جنہیں تقسیم کیا گیا اور کچھ کو مدینہ منورہ لایا گیا۔ یہ قیدی عام شہری، عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ ان کی حالتِ زار کتاب کے عنوان کے مطابق مظلوم شخصیات کے تحت داخل ہے۔ کیونکہ جنگ کا اصل نشانہ فوجی تھے مگر شہری بھی متاثر ہوئے۔ املاک کی تباہی، گھروں کی جلتی عمارتیں، اور جبری ہجرت نے عوام کو شدید اذیت میں مبتلا کیا۔ بعض مقامی مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ اہلِ شہر نے کئی بار معاہدہ کی درخواست دی مگر

فوجی دباؤ اور مسلسل شورش نے ان کی درخواست بے اثر کر دی۔

ظلم کی نوعیت: 1-جنگی ہلاکتیں: ہزاروں افراد کی جانیں گئیں۔ **2-املاک کا نقصان:** قلعے اور محلات تباہ ہوئے۔ **3-جبری نقل مکانی:** اہلِ شہر میں سے بڑی تعداد کو جلاوطن یا قیدی بنایا گیا۔ **4-مذہبی پیشواؤں کی محرومی:** آتشکدے ٹوٹے، پرانی مذہبی وسماجی ڈھانچہ منہدم ہوا۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 31ھ کے آغاز میں استخر کی فتح نے اسلامی فتوحات کو فارس کے قلب تک پہنچا دیا۔ یہ واقعہ محض عسکری کامیابی نہیں بلکہ مقامی باشندگان کے لیے ایک کڑا امتحان اور مظلومیت کی داستان بھی ہے۔ تاریخ طبری، بلاذری اور ابنِ سعد کے مطابق یہ معرکہ اتنا شدید تھا کہ ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں اور فارس کی تاریخ کا دھارا بدل گیا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شریعت کے مطابق اقدام کیا، اور قیدی وغنیمت کی تقسیم میں اصولی ضابطے اپنائے۔ لیکن مقامی سطح پر مظلوم عوام کی چیخیں تاریخ کی اوراق میں محفوظ رہ گئیں۔ ہماری کتاب اسلام کی مظلوم شخصیات میں اس واقعہ کو شامل کرنا اس لیے ضروری ہے کہ یہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ تاریخ صرف فتوحات نہیں بلکہ انسانوں کی قربانیوں، خون کے دریا اور مظلوموں کی آہ وبکا کا بھی نام ہے۔

مصادر ومراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک (تاریخ الطبری)، ج 4، ص 271، دار التراث، بیروت۔ 2-احمد بن یحیی البلاذری، فتوح البلدان، ص 381، مطبع دار ومکتبۃ الہلال، بیروت۔ 3-ابن سعد، الطبقات الکبری،

ج 7، ص 122، دار صادر، بیروت۔ 4- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 256، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

صفر، سنہ 31ھ: صوبائی تقرّرات اور مظلوم عوام

پس منظر: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت (24ھ 35ھ) میں اسلامی سلطنت کی وسعت کے ساتھ ساتھ صوبائی نظم ونسق ایک اہم مسئلہ بنا۔ سنہ 31ھ کے ماہِ صفر میں بالخصوص گورنری اور صوبائی عاملین کے تقرّرات پر کئی شہروں سے شکوے شکایات سامنے آئے۔ یہ شکایات فوجی سطح پر نہیں بلکہ زیادہ تر انتظامی اور مالی نوعیت کی تھیں۔ اسلامی مملکت میں اس وقت عراق، مصر، کوفہ، بصرہ اور شام جیسے بڑے صوبے تھے جہاں کے گورنر براہِ راست مرکزِ خلافت کے مقرر کردہ نمائندے تھے۔ لیکن کثیر فتوحات کے نتیجے میں مالی وسائل اور محصولات میں اضافہ ہوا تو عوامی سطح پر شکوے جنم لینے لگے۔

صوبائی تقرّرات اور عوامی ناراضگی: امام طبری اس سنہ کے حالات میں لکھتے ہیں: **وفی هذه السنة شكا أهل الكوفة والبصرة بعض عمّالهم، فكتبوا إلى عثمان بن عفان يذكرون شدّتهم في الخراج وما يطلبون منهم** (تاریخ الطبری، ج 4، ص 273، دار التراث، بیروت)۔ ترجمہ: اور اسی سال اہلِ کوفہ اور بصرہ نے اپنے بعض عاملوں کی شکایت کی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھا کہ وہ خراج اور دیگر مطالبات میں ان پر سختی کرتے ہیں۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ بعض

صوبائی عاملین نے محصول اور ٹیکس کے نفاذ میں سختی سے کام لیا، جسے عوامی سطح پر ظلم و زیادتی کے طور پر محسوس کیا گیا۔

مالی بوجھ اور غیر منصفانہ مطالبات: اہلِ کوفہ و بصرہ کی شکایات میں بنیادی مسئلہ مالی بوجھ تھا۔ مقامی کاشتکاروں پر خراج کی وصولی زیادہ کر دی گئی۔ بعض اوقات محصول کی وصولی میں تعجیل اور غیر منصفانہ انداز اپنایا گیا۔ تجارتی راستوں اور بازاروں میں محصول کے نئے انداز رائج کیے گئے۔ بلاذری کے الفاظ ہیں: **وكان عمال عثمان ربما شدّدوا في أخذ الخراج، فكتب أهل الأمصار إليه يشكون ذلك** (فتوح البلدان، ص 389، مطبع دار ومکتبۃ الہلال، بیروت)۔ ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض عامل خراج کی وصولی میں سختی کرتے تھے، چنانچہ اہلِ امصار نے اس پر شکوہ کیا۔

حکومتی نمائندوں کی زیادتیاں: یہ شکایات محض مالی نہ تھیں بلکہ انتظامی زیادتیاں بھی شامل تھیں: 1- بعض عاملین نے فوجی اثر و رسوخ استعمال کر کے عوام کو دباؤ میں رکھا۔ 2- اہلِ شہر نے خطوط میں یہ شکایت کی کہ انہیں حاکمانہ جبر کا سامنا ہے۔ 3- عوام نے بارہا براہِ راست مرکز کو خط لکھ کر تبدیلیِ گورنر کا مطالبہ کیا۔ یہاں یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات ان شکایات سے بری تھی۔ وہ بذاتِ خود عدل و شفقت کے پیکر تھے، مگر عاملین اور صوبائی نمائندے بعض اوقات اپنی ذاتی طرزِ عمل کی وجہ سے عوامی ناراضگی کا باعث بنتے۔

ظلم کی نوعیت: 1-مالی ظلم: کاشتکار اور تاجر اضافی محصولات کے بوجھ تلے دب گئے۔ **2-معاشی عدمِ مساوات:** بعض قبائل یا خاندان کو مراعات، جبکہ عام عوام پر سختی۔ **3-انتظامی زیادتی:** گورنروں کے نمائندے عوامی معاملات میں سختی برتتے۔ **4-سیاسی بے بسی:** عوام نے خطوط لکھے مگر اکثر شکایات فوری طور پر حل نہ ہوسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے کئی خطوط و مقالات میں عوامی آہ و بکا جھلکتی ہے، جو اسلام کی مظلوم شخصیات کے زمرے میں داخل ہے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 31ھ کے صفر میں اسلامی سلطنت کی وسعت کے ساتھ صوبائی نظم ونسق ایک بڑا چیلنج بن گیا۔ عوامی شکایات کی نوعیت زیادہ تر مالی وانتظامی ظلم پر مبنی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطوط وصول کیے اور اصلاحی اقدامات کی سعی کی، مگر عاملین کی شدت عوام کے لیے مظلومیت کا باعث بنی۔ یہ واقعہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ تاریخِ اسلام میں فتوحات اور وسعت کے ساتھ ساتھ عوامی قربانیاں اور مظلومیت کی داستانیں بھی موجود ہیں، جنہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک (تاریخ الطبری)، ج 4، ص 273، دار التراث، بیروت۔ 2-احمد بن یحیی البلاذری، فتوح البلدان، ص 389، مطبع دار ومکتبۃ الہلال، بیروت۔ 3-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 260، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 4-ابو یوسف، کتاب الخراج، ص 62، مطبع دار المعرفۃ، بیروت۔

ربیع الاول وربیع الثانی، سنہ 31ھ: عدالتی وانتظامی بحران: مقامی شکایات اور مظلوم عوام

اسلامی سلطنت کے بانی خلفائے راشدین نے ہمیشہ عدل و انصاف کو ریاست کی بنیاد قرار دیا۔ لیکن سنہ 31ھ کے ربیع الاول وربیع الثانی میں بعض مقامات سے ایسی مقامی شکایات سامنے آئیں جن میں انتظامی اہلکاروں کی زیادتیاں اور عدالتی بےانصافی کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان شکایات کا ہدف براہِ راست مرکز خلافت نہیں تھا بلکہ مقامی گورنر اور عاملین تھے جن کی بعض روش نے عوام کو مظلوم بنا دیا۔ یہ دور دراصل فتوحات کے بعد استحکام کا تھا، لیکن تیز رفتار توسیع کے ساتھ ساتھ انتظامی بوجھ بڑھ گیا، اور ہر صوبہ اپنی داخلی سطح پر نئے مسائل سے دوچار ہوا۔

مقامی نمائندوں کی مرکز کو روانگی: امام طبری بیان کرتے ہیں: **وفی هذه السنة قدم على عثمان نفر من أهل الكوفة والبصرة، يشكون بعض عمالهم، فذكروا غلظهم فى الحكم، وعدم إنصافهم فى القضاء** (تاریخ الطبری، ج4، ص276، دار التراث، بیروت)۔ ترجمہ: اسی سال اہلِ کوفہ و بصرہ کے چند لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے بعض عاملوں کی شکایت کی کہ وہ فیصلوں میں سختی اور عدل کے قیام میں کوتاہی کرتے ہیں۔ یہ بیان ظاہر کرتا ہے کہ عوام اپنے نمائندوں کو مرکز کی طرف بھیجتے تاکہ براہِ راست خلیفہ کو حالات سے آگاہ کریں۔

عدالتی ناانصافی: عوام کی شکایات کا ایک بڑا پہلو عدالتی عدمِ مساوات تھا۔ بعض مقدمات میں بااثر طبقات کو رعایت دی جاتی۔ عام شہری یا کمزور قبیلوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو فیصلوں میں نظر انداز کیا جاتا۔ بعض جج یا عامل اپنے قبیلہ یا گروہ کے حق میں جانبداری برتتے۔ امام ابو یوسف لکھتے ہیں: **وكان أهل الكوفة يرفعون كتباً يشكون فيها من بعض قضاتهم، إذ لم يعدلوا بينهم وبين الأشراف** (کتاب الخراج، ص65، دار المعرفۃ، بیروت)۔ ترجمہ: اہلِ کوفہ بعض اوقات خطوط بھیجتے جن میں اپنے قاضیوں کی شکایت کرتے کہ وہ عوام اور اشراف کے درمیان انصاف نہیں کرتے۔

بیوروکریٹک امتیاز اور عوامی شکوے: ربیع الاول و ربیع الثانی میں درج شدہ ایک اہم پہلو یہ تھا کہ حکومتی اہلکاروں نے اپنے اختیارات میں امتیازی رویہ اختیار کیا۔ 1- بااثر قبائل یا فوجی سرداروں کے مقدمات میں نرمی۔ 2- عام شہریوں پر مالی و قانونی سختی۔ 3- مقامی سطح پر رشتہ داری یا قبیلہ پرستی کی بنیاد پر فیصلے۔ بلاذری لکھتے ہیں: **وكان من عمّال عثمان من يقدّم ذوي قرباه وأشراف قبيلته على غيرهم، فشكا الناس ذلك** (فتوح البلدان، ص391، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت)۔ ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض عامل ایسے تھے جو اپنے قریبی رشتہ داروں اور اپنے قبیلہ کے اشراف کو دوسروں پر ترجیح دیتے، اس پر لوگوں نے شکایت کی۔

ظلم کی نوعیت: ربیع الاول و ربیع الثانی کے ان واقعات میں ظلم کی نوعیت

درج ذیل تھی: **1-عدالتی ناانصافی:** عوام اور اشراف کے درمیان فیصلوں میں فرق۔ **2-بیوروکریٹک امتیاز:** حکومتی نمائندوں کی طرف سے قبیلہ پرستی اور جانبداری۔ **3-عوامی محرومی:** عام لوگوں کو اپنے حق کے لئے مرکز تک جانا پڑا، جو خود ایک مظلومیت کی علامت ہے۔

خلاصہ ونتائج: سنہ 31ھ کے ربیع الاول و ربیع الثانی میں کوفہ اور بصرہ جیسے بڑے مراکز سے عوام نے عدالتی و انتظامی ناانصافی کی شکایات براہِ راست مرکز کو بھیجیں۔ عوامی مظلومیت کی بنیاد حکمرانِ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات نہیں تھی بلکہ مقامی عاملین و نمائندوں کی زیادتیاں تھیں۔ اس دور میں سب سے زیادہ مظلوم وہ عوام تھے جنہیں انصاف کے لئے سفر کر کے دارالخلافہ پہنچنا پڑتا۔ یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں بھی عوامی آواز کو مرکز تک پہنچنے کی آزادی حاصل تھی، اور مظلومیت کے باوجود عدل کی تلاش زندہ رہی۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک (تاریخ الطبری)، ج4، ص276، دار التراث، بیروت۔ 2-احمد بن یحیی البلاذری، فتوح البلدان، ص391، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت۔ 3-یعقوب بن ابراہیم (ابو یوسف)، کتاب الخراج، ص65، دار المعرفۃ، بیروت۔ 4-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص262، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 5-خلیل یعقوب، دراسات فی تاریخ صدر الاسلام، ص142۔

جمادی الاولی تا شعبان، سنہ 31ھ مقامی احتجاجات اور سخت انتظامی ردِعمل

اسلامی خلافتِ راشدہ کا سب سے روشن پہلو عدل وانصاف اور رعایا نوازی تھا۔ لیکن خلافتِ عثمانی کے اواخر میں جب فتوحات کے سبب سلطنت وسیع ہوئی اور صوبوں میں عاملین و گورنروں کا نظام پھیلا، تو عوامی سطح پر بعض مقامی احتجاجات اور شکایات سامنے آئیں۔ سنہ 31ھ کے مہینوں جمادی الاولی تا شعبان میں مختلف مراکز خصوصاً عراق ومصر میں لوگوں نے اپنے مقامی حکام کے طرزِ عمل پر احتجاج کیا، لیکن کئی جگہ ان احتجاجات کو انتظامی سختی کے ساتھ دبایا گیا۔

مقامی احتجاجات کا پس منظر: امام طبری نے ان مہینوں کے حالات کے تحت ذکر کیا ہے: **وفی هذه السنة تتابعت الشكايات من أهل الكوفة والبصرة ومصر على عمّالهم، وخرج بعضهم محتجّين، فقوبلوا بالشدّة والقوّة** (تاریخ الطبری، ج4، ص280، دار التراث، بیروت)۔ ترجمہ: اسی سال اہلِ کوفہ، بصرہ اور مصر کی جانب سے اپنے عاملوں کی شکایات مسلسل آنے لگیں، اور بعض لوگ احتجاج کے طور پر باہر نکلے تو ان کا سامنا سختی اور قوت کے ساتھ کیا گیا۔ یہ روایت اس بات کی شاہد ہے کہ احتجاج محض شورش یا بغاوت نہیں بلکہ عوامی شکایات کے اظہار کی ایک صورت تھی، مگر انتظامی مشینری نے ان کو خطرہ سمجھ کر سختی سے دبایا۔

احتجاج دبانے کی حکمتِ عملی: مقامی احتجاجات پر جورِدِعمل سامنے آیا وہ درج ذیل نکات پر مشتمل تھا: **1-مظاہرین کو منتشر کرنا:** فوجی دستے تعینات کیے گئے تا کہ احتجاج کو روک سکیں۔ **2-قید و بند:** بعض افراد کو گرفتار کر کے چند دن کے لیے حبس میں رکھا گیا۔ **3-خاموشی پر مجبور کرنا:** احتجاج کرنے والوں کو سخت انتباہ دیا گیا تا کہ دوبارہ یہ روش اختیار نہ کریں۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: **فلمّا شکوا إلی عمّالهم جهروا بالاحتجاج، فأخذهم العمال بالشدة، وضيّقوا عليهم** (الکامل فی التاریخ، ج3، ص266، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔ ترجمہ: جب انہوں نے اپنے عاملوں کے خلاف آواز بلند کی تو عاملوں نے سختی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور ان پر تنگی کی۔

جائیدادوں میں مداخلت: ان مہینوں میں بعض واقعات ایسے بھی ہوئے جن میں عوامی جائیدادوں اور املاک پر براہِ راست مداخلت کی گئی۔ بعض کاشتکاروں کی زمین ضبط کر لی گئی تا کہ خراج اور محصول ادا ہو۔ چند مکانات کو حکومتی تحویل میں لیا گیا بحیثیت ضمانت۔ مظاہرین کو مالی نقصان پہنچا کر دبانے کی کوشش کی گئی۔ امام ابو یوسف نے مالیاتی نظام کے ضمن میں ذکر کیا: **وكان بعض العمّال إذا رأى امتناعاً عن الخراج أو الاعتراض على جبايته، تعدّى على أموالهم** (کتاب الخراج، ص70، دار المعرفۃ، بیروت)۔ ترجمہ: بعض عامل جب خراج کی ادائیگی میں رکاوٹ یا اعتراض دیکھتے تو لوگوں کے اموال پر دست درازی کرتے۔

ظلم کی نوعیت: ان مہینوں کے حالات میں ظلم کی نوعیت دو اہم پہلوؤں پر

مشتمل تھی: **1-احتجاج دبانا:** عوام کو اپنے شکوے بیان کرنے اور اجتماعی طور پر آواز بلند کرنے کی آزادی محدود کر دی گئی۔ **2-املاک میں مداخلت:** عوامی جائیدادوں کو ضبط کرنا یا انہیں نقصان پہنچانا تاکہ احتجاج کی طاقت کم ہو۔ یہ دونوں پہلو عوامی مظلومیت کی داستان کو نمایاں کرتے ہیں اور اس عہد کی سیاسی و سماجی کشمکش کا مظہر ہیں۔

خلاصہ و نتائج: سنہ 31ھ کے مہینوں جمادی الاولی تا شعبان میں اسلامی سلطنت کے مختلف صوبوں میں عوامی احتجاجات سامنے آئے۔ احتجاجات کا سبب عاملین و گورنروں کی سختی اور مالی زیادتی تھی۔ ان احتجاجات کو دبانے کے لیے فوجی و انتظامی طاقت استعمال کی گئی، جس سے عوام مظلوم ہوئے۔ بعض جائیدادوں اور املاک پر مداخلت نے عوامی محرومی کو مزید گہرا کیا۔ ان واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں فتوحات کے ساتھ ساتھ داخلی سطح پر مظلومیت اور انصاف کی جستجو کی ایک نمایاں روایت بھی موجود رہی۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک (تاریخ الطبری)، ج4، ص280، دار التراث، بیروت۔ 2-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص266، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3-احمد بن یحیی البلاذری، فتوح البلدان، ص392، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت۔ 4-یعقوب بن ابراہیم (ابو یوسف)، کتاب الخراج، ص70، دار المعرفۃ، بیروت۔ 5-عبد العزیز الدوری، نشأۃ علم التاریخ عند العرب، ص117، مطبع دار الغرب الاسلامی، بیروت۔

اسلامی سنہ 31ھ: رمضان المبارک تا شوال المکرّم
(فتوحاتِ مسلسل اور تقسیمِ مالِ غنیمت کے معاملات)

پس منظر: اسلامی سنہ 31ھ کے ایام رمضان المبارک تا شوال المکرّم میں اسلامی افواج کی فتوحات کا دائرہ مزید وسعت اختیار کرتا ہے۔ فارس، خراسان اور اطرافی علاقوں میں مسلم افواج کو کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ یہ کامیابیاں جہاں ایک طرف اسلام کی حقانیت کی دلیل تھیں، وہیں ان کے بعد اٹھنے والے مسائل نے ایک نیا باب کھولا، یعنی مالِ غنیمت کی تقسیم، مقامی رعایا کے حقوق، اور فوجی وقبائلی ترجیحات کا ظہور۔ فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، لیکن اسی کے ساتھ ان فتوحات کے بعد تقسیمِ مالِ غنیمت میں اختلافات اور ناانصافی کے دعوے سامنے آئے۔ یہ وہ پہلو ہے جو تاریخِ اسلام میں ''مظلوم شخصیات'' کے باب کو مزید نمایاں کرتا ہے، کیوں کہ اصل مظلوم وہ عام سپاہی یا مقامی رعایا تھے، جن کے حقوق بعض اوقات نظر انداز کیے گئے۔

واقعات کی تفصیل: 1-فتوحات کا تسلسل: رمضان المبارک تا شوال میں اسلامی لشکر کی پیش قدمی فارس اور ماوراء النہر کے مختلف علاقوں کی طرف جاری رہی۔ ان معرکوں میں مسلمانوں نے بعض اہم قلعے فتح کیے اور متعدد شہروں کو اسلام کے زیرِ نگیں کرلیا (الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج4، ص210؛ البلاذری، فتوح البلدان، ص327)۔ یہ فتوحات اگرچہ دین کی سربلندی کا ذریعہ بنیں، لیکن بعد ازاں مقامی سطح پر نظم ونسق اور تقسیمِ غنائم

کے مسائل کھڑے ہوئے۔

2-تقسیمِ مالِ غنیمت: اسلامی اصول یہ ہے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق کی جائے: **وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ** (الأنفال:41)۔لیکن تاریخ کے بعض ابواب اس بات پر شاہد ہیں کہ چند مقامات پر غنیمت کی تقسیم میں مساوات اور عدل کی کمی کی شکایات ہوئیں۔بعض سپاہی اور مقامی فوجی دستے اس بات پر شاکی ہوئے کہ بڑے قبائل اور کمانڈروں کو زیادہ حصہ دیا گیا، جبکہ عام مجاہدین یا مقامی معاونین کو کم حصہ ملا (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3،ص150)۔

3-مقامی آبادی کے حقوق: فتوحات کے بعد مقامی آبادی سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ ان کے جان و مال کی حفاظت اسلامی دستور کے مطابق ہوگی۔لیکن بعض مواقع پر مالِ غنیمت کی تقسیم کے نام پر ان کی زمینوں اور املاک پر قبضہ یا زیادتی کی شکایات سامنے آئیں۔یہ وہ مظلوم پہلو ہے جو مقامی غیر مسلم رعایا (اہل الذمہ) یا نومسلم افراد کے لیے باعثِ رنجش بنا (طبری، ج4،ص215)۔یہ واقعات عمومی اسلامی پالیسی کی نمائندگی نہیں کرتے، بلکہ بعض مقامی عہدیداروں کی سخت گیری اور ذاتی ترجیحات کے نتائج تھے، جنہیں بعد میں صحابہ وتابعین کی طرف سے تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

ظلم کی نوعیت: 1-تقسیم میں ناانصافی: بعض قبائل اور سرداروں کو فوقیت، جبکہ عام سپاہی محروم۔ **2-مقامی رعایا کے حقوق کی پامالی:** املاک پر ناجائز قبضے اور غنیمت کے نام پر سخت گیری۔ 3-احتجاجات کی **دبانے کی کوشش:** بعض مقامی شکایات کو

اہمیت نہ دینا، جس سے عام لوگ مظلوم بنے۔

خلاصہ ونتائج: اسلامی سنہ 31ھ کے رمضان تا شوال میں فتوحات کا تسلسل جاری رہا، لیکن ان فتوحات کے نتیجے میں مالِ غنیمت کی تقسیم اور مقامی حقوق کے مسائل نے نئی نوعیت کا بحران کھڑا کیا۔ ان واقعات سے چند نتائج اخذ ہوتے ہیں: اسلام نے عدل ومساوات کا اصول دیا، لیکن عملی سطح پر بعض حکومتی نمائندے اس معیار پر پورے نہ اتر سکے۔ مقامی رعایا اور عام سپاہی ان زیادتیوں کا زیادہ شکار ہوئے، جو ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کے عنوان کے تحت قابلِ ذکر ہیں۔ یہ واقعات دراصل اس بات کی یاددہانی ہیں کہ اسلامی حکومت کا اصل حسن عدل وانصاف کے قیام میں ہے، اور جب اس سے انحراف ہوتا ہے تو مظلومیت جنم لیتی ہے۔

مصادر ومراجع: 1- الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج4، ص215-210، دار التراث، بیروت۔ 2- البلاذری، فتوح البلدان، ص327، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص150، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 4- ابن خلدون، کتاب العبر، ج2، ص391، دار الفکر۔

اسلامی سنہ 31ھ ذوالقعدہ تا ذوالحجہ

(سالِ ختمی جائزہ بیرونی فتوحات کی کامیابیاں اور داخلی بے چینی کے آثار)

اسلامی سنہ 31ھ اپنے اختتامی مہینوں ذوالقعدہ و ذوالحجہ میں ایک ایسا منظر

پیش کرتا ہے جس میں بظاہر اسلامی سلطنت فتوحات کے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ ایک طرف بیرونی محاذوں پر فارس، خراسان اور افریقی سرحدوں میں کامیابیاں درج ہوئیں، تو دوسری طرف داخلی سطح پر انتظامی مسائل، عدالتی ناانصافیاں اور رعایا کی شکایات کا سلسلہ بڑھنے لگا۔ یہی وہ تضاد ہے جس نے ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کی تاریخ میں اس سال کے ان مہینوں کو ایک خاص اہمیت بخشی۔

واقعات کی تفصیل: 1- بیرونی کامیابیاں: ذوالقعدہ و ذوالحجہ میں مسلم افواج نے فارس اور ماوراء النہر کی سرحدوں پر کئی کامیابیاں حاصل کیں۔ بعض مقامی قلعے اور علاقے اسلام کے زیرِ نگیں آ گئے۔ یہ کامیابیاں خلافتِ اسلامی کی وسعت اور مسلمانوں کی عسکری قوت کی مظہر تھیں (الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج4، ص220؛ البلاذری، فتوح البلدان، ص333)۔ ان کامیابیوں نے دشمن اقوام پر رعب طاری کیا اور اسلامی دعوت کی راہیں ہموار ہوئیں۔ لیکن ان کے ساتھ ہی داخلی مسائل نے ایک نئے باب کی طرف توجہ مبذول کرائی۔

2- داخلی بے چینی کے آثار: ان مہینوں میں رعایا اور بعض مقامی گورنریوں سے شکایات میں اضافہ ہوا۔ عوامی سطح پر محاصل (ٹیکس) کے زیادہ مطالبات، اور کچھ علاقوں میں گورنری کے نمائندوں کی سختی، رعایا کی بے چینی کا باعث بنی (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص153)۔ یہ شکایات مرکز تک بھی پہنچیں، مگر اکثر اوقات ان پر فوری توجہ نہ دی گئی۔ یہ انتظامی تغافل رعایا کی مظلومیت کا سبب بنا۔

3-مخصوص طبقات کے حقوق کی پامالی: کچھ طبقات مثلاً نومسلم افراد اور کمزور قبائل اس دور میں زیادہ متاثر ہوئے۔ اگرچہ اسلام کی تعلیمات نے ان کے جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنایا تھا، لیکن بعض مقامی حکومتی نمائندوں نے ان کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا۔ زمینوں کی تقسیم، جائیدادوں پر قبضے اور ٹیکسوں کے غیر منصفانہ نفاذ نے ان طبقات کو شدید مظالم سے دوچار کیا (ابن خلدون، کتاب العبر، ج2، ص395)۔

ظلم کی نوعیت: 1-انتظامی تغافل: شکایات پر بروقت توجہ نہ دینا اور رعایا کو بے سہارا چھوڑ دینا۔ **2-مالی و معاشی دباؤ:** ٹیکسوں میں سختی اور امتیازی رویہ۔ **3-حقوق کی پامالی:** نومسلم افراد اور کمزور قبائل کے ساتھ بے انصافی۔

خلاصہ و نتائج: اسلامی سنہ 31ھ کے اختتامی مہینے ہمیں ایک دوہرا منظر دکھاتے ہیں۔ بیرونی سطح پر اسلام کو فتوحات کی صورت میں کامیابیاں نصیب ہوئیں، لیکن داخلی طور پر رعایا کے حقوق کی پامالی اور انتظامی کمزوری نے مستقبل کی مشکلات کی بنیاد رکھی۔ اسلام عدل و انصاف کا دین ہے، مگر بعض مقامی نمائندوں کے رویوں نے اس اصول کو مجروح کیا۔ مظلوم وہ طبقات بنے جن کی آواز حکومتی سطح پر کمزور رہی۔ یہ واقعات اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ اسلامی حکومت کی اصل قوت داخلی عدل و مساوات میں مضمر ہے، اور جب اس سے انحراف ہو تو سلطنت کے استحکام پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج4، ص225-220، دار التراث، بیروت۔ 2-البلاذری، فتوح البلدان، ص333، دار الکتب العلمیۃ،

بیروت۔ 3-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص153، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔4-ابن خلدون، کتاب العبر، ج2،ص395، دارالفکر، بیروت۔

سنہ 32ھ کے اہم واقعات: ماہِ محرم عہدِ خلافتِ عثمانی کا پس منظر

سیاسی ومعاشی حالات: خلافتِ ثالثہ، حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (ذوالنورین) کا دور 24) ھ تا 35ھ) تاریخِ اسلام کا ایک نہایت اہم اور فیصلہ کن زمانہ ہے۔ان کی خلافت میں جہاں ایک طرف اسلامی فتوحات اپنے عروج پر پہنچیں، وہیں دوسری طرف کچھ نئے فتنوں نے جنم لینا شروع کیا۔

سیاسی استحکام: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالتے ہی نظم ونسق کو مضبوط بنایا۔شام میں سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، کوفہ میں سیدنا سعد بن ابی وقاص اور پھر بعد ازاں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو والی مقرر کیا۔ان کی حکمتِ عملی کی بدولت سلطنت کے سرحدی علاقوں میں امن قائم ہوااور اسلامی اقتدار مزید مستحکم ہوا۔

معاشی وسعت: سنہ 32ھ میں اسلامی سلطنت وسیع ہوچکی تھی۔فتوحات کی بدولت بیت المال میں کثرت سے مال آتا، زراعت وتجارت کو ترقی ملی، اور مدینہ منورہ مرکزِ خلافت کے طور پر خوش حالی کی علامت بن گیا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے نظم میں شفافیت رکھی، لوگوں پر بوجھ نہ ڈالا، اور مسلمانوں کو عطیات دیے۔

فتنوں کی ابتداء: یہی وہ دور تھا جب بعض بیرونی عناصر اور منافقین نے داخلی

اختلافات کو ہوا دی۔ **عبداللہ بن سبا (یہودی النسل منافق) نے اسلام کے لبادے میں بغاوت اور شکوک وشبہات پھیلائے۔ اس نے عراق، شام اور مصر میں فتنہ انگیزی کی**، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بعض حکومتی حکمتِ عملیوں پر اعتراضات پھیلائے۔

اہلِ فتنہ کے دعوے: بعض گورنروں کی معزولی یا تقرری پر اعتراض۔ بیت المال کی تقسیم کے معاملات کو غلط رنگ دینا۔ قرآن کے مصاحف کی کتابت اور ایک قرائت پر جمع کرنے کے عمل پر شکوک ڈالنا۔ یہ سب باتیں دراصل اسلام کے سیاسی اتحاد کو توڑنے کی سازش تھی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآنِ کریم کی جمع و تدوین کے ذریعے امت کو انتشار سے بچایا اور یہ خدمت تا قیامت ان کے نامۂ اعمال میں باقی رہے گی۔

اہم واقعہ: ماہِ محرم، سنہ 32ھ وفاتِ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

تاریخ وفات: بعض مؤرخین کے مطابق 9/محرم 32ھ۔ **مقام:** مدینہ منورہ۔ **عمر:** قریباً 60 برس۔ **خصوصیات:** وہ حضور ﷺ کے قریب ترین صحابہ میں سے تھے۔ قرآن کے بڑے قاری اور فقیہ صحابی تھے۔ ان کی تلاوت کو خود رسول اللہ ﷺ نے سن کر پسند فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نہ صرف مکہ مکرمہ میں ابتدائی اسلام کے زمانے میں بے پناہ مظالم برداشت کیے بلکہ مدینہ میں تعلیم و تدریس کا عظیم مرکز بھی قائم کیا۔ کوفہ میں ان کے شاگردوں کی ایک عظیم جماعت بنی، جنہوں نے بعد

میں فقہ وتفسیر کے اصول مرتب کیے۔ان کی وفات سے اسلامی دنیا ایک عظیم محدث، مفسر اور فقیہ سے محروم ہوگئی۔یہ امت کے لیے ایک علمی اور روحانی خلا تھا۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 32ھ خلافتِ عثمانی کا ایک اہم مرحلہ تھا، جس میں سلطنتِ اسلامیہ وسعت اور خوش حالی کے دور سے گزر رہی تھی۔2-حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدل وشفافیت نے معاشی میدان میں بڑا اثر ڈالا لیکن منافقین نے انہی پالیسیوں کو فتنوں کی صورت میں پیش کیا۔3-ماہِ محرم 32ھ کا سب سے اہم واقعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات ہے، جو قرآن وسنت کے عظیم محافظ اور اسلام کی ایک مظلوم شخصیت تھے، کیونکہ بعض حلقوں نے ان کے علم اور مقام کو پوری طرح نہیں پہچانا۔4-اس دور کی فتنہ انگیزیاں بعد میں اسلامی تاریخ کے بڑے سانحات کی بنیاد بنیں، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیاں اور استقامت قیامت تک رہنمائی کا چراغ ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، جلد 3، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 2-تاریخ طبری، محمد بن جریر الطبری، جلد 4، دار التراث، بیروت۔ 3-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، جلد 7، دار الفکر، بیروت۔ 4-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبدالبر، جلد 3۔5-اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن اثیر الجزری، جلد 3۔

ابوذر غفاریؓ کی مظلومیت

حضرت سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ، جلیل القدر صحابی، زاہد و عابد اور

صدق وصفا کے پیکر تھے۔آپ کا شمار اسلام قبول کرنے والے ابتدائی افراد میں ہوتا ہے۔قبائل غفار سے تعلق رکھنے والے اس جانباز نے اسلام قبول کرتے ہی مکہ میں ظلم وستم جھیلا، اور رسول اللہ ﷺ سے بے پناہ محبت اور فداکاری کا ثبوت دیا۔رسول اللہ ﷺ نے ان کے زہد وتقویٰ کی گواہی دی اور فرمایا: **ما أقلت الغبراء ولا أظلت الخضراء أصدق لهجة من أبي ذر** (جامع ترمذی، حدیث:3801) (یعنی زمین و آسمان نے ابوذر سے زیادہ سچا انسان نہیں دیکھا)۔

مال ودولت کے خلاف صدائے احتجاج: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ دنیا کی زیب وزینت اور مال ودولت کی محبت سے بالکل بے نیاز تھے۔جب خلافتِ عثمانی کے دور میں فتوحات کے نتیجے میں مال ودولت مسلمانوں کے ہاتھ آیا تو انہوں نے مال کے ذخیرہ کرنے اور دولت پرستی کے خلاف شدید آواز بلند کی۔ان کا استدلال یہ تھا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے: **وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ** (التوبہ:34)۔وہ کہا کرتے تھے کہ اس آیت کا خطاب صرف یہود ونصاریٰ تک محدود نہیں بلکہ مسلمانوں پر بھی صادق آتا ہے۔ان کی یہ جرات مندانہ صدائے احتجاج بعض اہلِ اقتدار کو ناگوار گزری اور ان کے موقف کو شدت سے تعبیر کیا گیا۔

ربذہ کی جلاوطنی: خلافتِ عثمانی کے آخری ایام میں بعض منافقین نے حالات کو خراب کیا۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی صراحت پسند طبیعت اور دولت پر تنقید کی وجہ

سے ان کے بعض اقوال کو بغاوت کا رنگ دیا گیا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، جو کہ نہایت حلم و بردباری کے پیکر تھے، نے شہر کے امن کے پیشِ نظر ابو ذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ سے دور رَبَذَہ میں قیام کی اجازت دی - یہ سنہ 32ھ کا واقعہ تھا کہ وہ مدینہ کو چھوڑ کر ربذہ منتقل ہوئے ۔ربذہ ایک بیابان تھا جہاں نہ شہر کی رونقیں تھیں اور نہ انسانی اجتماع۔ابو ذر رضی اللہ عنہ نے وہاں اپنی بقیہ زندگی نہایت غربت اور زہد میں گزاری۔

تنہائی میں وفات: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا واقعہ اسلامی تاریخ کے مظلوم ترین مناظر میں سے ایک ہے۔ **تاریخ وفات:** ذوالحجہ 32ھ۔ **مقام:** ربذہ۔ **حالت:** سخت غربت، ناداری اور بے کسی۔ان کی اہلیہ کے پاس کفن تک کا انتظام نہ تھا۔ انہوں نے وفات سے قبل اپنی زوجہ سے وصیت کی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو میرا جنازہ راستے پر رکھ دینا، اللہ ضرور کوئی مومن بندہ بھیجے گا جو مجھے دفن کرے گا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کچھ قافلے گزرے جن میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔انہوں نے اشکبار آنکھوں سے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا کہ: 'رحم اللہ أبا ذر، یمشی وحدہ، ویموت وحدہ، ویبعث وحدہ' (یعنی اللہ ابو ذر پر رحم فرمائے، وہ اکیلے چلے، اکیلے فوت ہوئے اور اکیلے ہی اٹھائے جائیں گے) (المستدرک للحاکم، حدیث: 5933)۔

خلاصہ و نتائج: 1- حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی مظلومیت دراصل حق گوئی اور بے باکی کی سزا تھی۔2- ان کی صدائے احتجاج قرآن و سنت کے اصولوں پر مبنی تھی، لیکن منافقین اور دولت پرستوں نے اسے فتنہ انگیزی بنا کر پیش کیا۔3- ربذہ

کی جلاوطنی اور وہاں کی غربت ان کی دنیا سے بے نیازی کی روشن دلیل ہے۔4-ان کی وفات کا منظر اسلامی تاریخ میں عبرت ونصیحت کا باب ہے، جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ حق گوئی اکثر اوقات دنیاوی مشکلات کا سبب بنتی ہے لیکن اللہ کے نزدیک اس کا مقام بہت بلند ہے۔5-حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اسلام کی ان مظلوم شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے حق کی خاطر مصائب برداشت کیے لیکن باطل کے آگے نہ جھکے۔

مصادر ومراجع: 1-الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، جلد 4، ص 225، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔2-تاریخ طبری، محمد بن جریر الطبری، جلد 5، ص 57، دار التراث، بیروت۔3-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، جلد 7، ص 200، دار الفکر، بیروت۔4-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبد البر، جلد 4، ص 1639۔5-اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن اثیر الجزری، جلد 5، ص 207۔ 6-المستدرک للحاکم، جلد 3، حدیث: 5933۔ 7-جامع ترمذی، حدیث: 3801۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مظلومیت

(قرآن وفقہ میں مقام کوفہ میں ایذائیں مظلومانہ وفات)

اسلام کی تاریخ ان درخشاں ہستیوں سے مزین ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں قرآن وسنت کی خدمت، دین کے قیام اور امت کی اصلاح کے لیے وقف کر دیں۔ انہی میں ایک جلیل القدر صحابی، فقیہ الامت، مقرءِ کبیر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں،

جن کی ذات علمی وروحانی اعتبار سے ایک مینارۂ نور ہے۔لیکن تاریخ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپؓ اپنی غیر معمولی فضیلت ومقام کے باوجود ایذاؤں اور مصائب سے دوچار ہوئے اور بالآخر مظلومانہ طور پر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

قرآن وفقہ میں حضرت ابن مسعودؓ کا مقام: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اُن اولین مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔آپؓ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: **من أحب أن يقرأ القرآن غضاً كما أُنزل فليقرأ بقرائة ابن أم عبد** (جو شخص چاہے کہ قرآن کو اسی طرح تازہ پڑھے جیسا کہ وہ نازل ہوا ہے، تو وہ ابن مسعود کی قرائت میں پڑھے) (سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل ابن مسعودؓ)۔فقہ واجتہاد میں آپؓ کو خاص امتیاز حاصل تھا۔حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے: **كُنِفَ مُلِئَ عِلْماً** (عبداللہ بن مسعودؓ ایسا برتن ہیں جو علم سے لبریز ہے) (الاصابہ، 4/254)۔حضرت ابن مسعودؓ نے کوفہ میں ایک مکتبِ فقہ کی بنیاد رکھی جو بعد میں فقہائے عراق کے ذریعہ امام اعظم ابوحنیفہؒ تک پہنچی۔

کوفہ میں ایذائیں: حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں آپ کو کوفہ بھیجا اور فرمایا: **قد آثرتكم بعبدالله بن مسعود على نفسي** (میں نے تمہارے لیے ابن مسعودؓ کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے) (تاریخ طبری، 4/160)۔کوفہ میں آپؓ نے قرآن وحدیث کی تعلیم اور فقہی بنیادوں کی اصلاح فرمائی۔لیکن بعد کے حالات میں بعض گورنروں سے اختلافات پیدا ہوئے اور آپ کو سخت اذیتیں پہنچائی گئیں۔بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت ولید بن

عقبہ (گورنر کوفہ) کے دور میں آپ کے ساتھ نامناسب رویہ اختیار کیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ کو مارا گیا اور آپ پر پابندیاں لگائی گئیں (البدایہ والنہایہ، 7/236)۔

مظلومانہ وفات (جمادی الاولیٰ، 32ھ): ایذاؤں کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مدینہ واپس آئے۔ لیکن یہاں بھی حالات سازگار نہ ہوئے۔ آپ نے دل گرفتگی کے عالم میں فرمایا: لقد کرهت الدنيا منذ سمعت رسول الله ﷺ يقول: ليس للمؤمن راحة دون لقاء الله (جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سنا ہے کہ مومن کو اللہ سے ملاقات سے پہلے راحت نہیں، میں نے دنیا کو ناپسند کرلیا ہے) (الاستیعاب، 3/345)۔ جمادی الاولیٰ 32ھ میں آپ اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ نے آپ کی وفات کو مظلومانہ قرار دیا (الاصابہ، 4/255؛ البدایہ والنہایہ، 7/237)۔

خلاصہ و نتائج: 1- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قرآن و فقہ میں غیر معمولی مقام رکھتے تھے۔ 2- کوفہ میں آپ نے فقہی و علمی بنیادیں رکھیں جن سے بعد میں فقہ حنفی کی جڑیں مضبوط ہوئیں۔ 3- سیاسی حالات اور گورنری کے اختلافات کے سبب آپ کو اذیتیں دی گئیں۔ 4- آپ نے ایذاؤں اور رنج و کرب کے باوجود صبر کا دامن تھامے رکھا اور بالآخر جمادی الاولیٰ 32ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔ 5- آپ کی وفات ایک ایسے جلیل القدر صحابی کی مظلومانہ رخصتی تھی جو قرآن و سنت کا خزانہ اور فقہ اسلامی کا ستون تھے۔

مصادر و مراجع: 1- ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، بیروت: دار

الکتب العلمیۃ، ج4، ص255-254۔ 2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، بیروت: دار الفکر، ج7، ص237-236۔ 3-ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، بیروت: دار الجیل، ج3، ص345۔ 4-محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، بیروت: دار التراث، ج4، ص160۔ 5-ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل عبداللہ بن مسعودؓ۔

شعبان ورمضان 32ھ: بحری مہمات اوران کے اثرات

خلافتِ عثمانی کے عہد (32ھ) میں اسلامی فتوحات ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکی تھیں۔ زمین پر وسعت پانے کے بعد اب مسلمانوں نے سمندری راستوں کی طرف قدم بڑھایا۔ یہ دور اسلامی تاریخ میں عسکری پھیلاؤ کا اہم موڑ ہے، جس میں بحری افواج تشکیل دی گئیں اور پہلی مرتبہ بحیرۂ روم کے ساحلی اور جزیراتی علاقوں پر تسلط حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

بحری مہمات کی ابتدا: شعبان و رمضان 32ھ میں شام کی سرزمین سے، حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کی قیادت میں، اسلامی بحری بیڑے روانہ ہوئے۔ ان مہمات کا ہدف بالخصوص قبطی اور قبرصی علاقے تھے۔ فتوح البلدان میں بلاذری لکھتے ہیں: سَنَةَ اثْنَتَيْنِ وَثَلَاثِينَ غَزَا مُعَاوِيَةُ الْبَحْرَ (32ھ میں معاویہؓ نے بحری بیڑہ روانہ کیا) (فتوح البلدان، ج2، ص345)۔ تاریخ طبری میں بھی ان مہمات کا تذکرہ تفصیل

کے ساتھ موجود ہے، جس میں قبرص پر حملہ اور اس کے نتیجے میں اہلِ جزیرہ کی اطاعت اور جزیہ کی ادائیگی درج ہے (تاریخ طبری، ج4، ص370)۔ یہ بحری مہمات اسلامی تاریخ میں اس لیے بھی سنگِ میل ہیں کہ اسی زمانے سے اسلامی بحری قوت کا آغاز ہوا جو بعد میں اندلس اور شمالی افریقہ کی فتوحات کا ذریعہ بنی۔

اعتراضات اور اختلافِ رائے: اگرچہ ان مہمات کو فتوحات کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے، لیکن بعض صحابہ کرامؓ نے اس نوع کے اقدامات پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ بعض اکابر صحابہ کے نزدیک بحری جنگ ایک نئی اور غیر معمولی حکمتِ عملی تھی، جس میں اہلِ اسلام کے لیے بڑے خطرات بھی موجود تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں بھی بحری مہمات کی تجویز آئی تھی، مگر آپ نے سمندری راستے کے خطرات کے سبب اجازت نہیں دی تھی۔ بعد میں جب یہ مہمات شروع ہوئیں تو بعض معترضین صحابہؓ نے سمجھا کہ یہ عسکری پھیلاؤ بعض اوقات بے جا شدت پسندی کی صورت اختیار کر سکتا ہے اور ان کی آراء کو مکمل طور پر ملحوظ نہ رکھا گیا۔ یہی پہلو اسلام کی مظلوم شخصیات کے تناظر میں قابلِ ذکر ہے کہ بعض جلیل القدر صحابہؓ اپنی رائے اور اجتہاد کے باوجود حالات کے جبر میں دب گئے اور ان کی تنبیہات کو قبول نہ کیا گیا۔

ظلم کی نوعیت: 1- ان مہمات میں بعض ایسے اقدامات بھی ہوئے جنہیں چند صحابہ نے حد سے بڑھی عسکریت قرار دیا۔ 2- اختلافی رائے کو دبانا اور معترضین کو نظر انداز کرنا ایک ایسا رویہ تھا جو تاریخ کے اوراق میں سوالیہ نشان چھوڑ گیا۔ 3- اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہر فتوحات کے نام پر کی جانے والی کاروائی سراسر

رحمت یا امن کی ضامن نہ تھی بلکہ کبھی کبھار ان میں ایسے پہلو بھی شامل تھے جن پر اہلِ علم اور اہلِ بصیرت صحابہ نے تشویش کا اظہار فرمایا۔

خلاصہ ونتائج: 1-32ھ میں حضرت معاویہؓ کی قیادت میں پہلی بڑی بحری مہمات کا آغاز ہوا۔ 2-یہ مہمات قبرص اور قبطی علاقوں تک پہنچیں اور ان سے جزیہ و اطاعت حاصل کی گئی۔ 3-اسلامی بحری قوت کی بنیاد پڑی جو بعد میں وسیع فتوحات کا ذریعہ بنی۔ 4-بعض اکابر صحابہؓ نے اس نوع کے اقدامات کو خطرناک اور غیر ضروری عسکریت قرار دیا، مگر ان کی رائے کو زیادہ اہمیت نہ دی گئی۔ 5-اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تاریخِ اسلام میں بعض جلیل القدر شخصیات کو اپنی رائے اور بصیرت کے باوجود مظلومیت کا سامنا کرنا پڑا۔

مصادر ومراجع: 1-احمد بن یحییٰ بلاذری، فتوح البلدان، بیروت: دار ومکتبۃ الہلال، ج2، ص345۔ 2-محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، بیروت: دار التراث، ج4، ص370۔ 3-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ج7، ص238240۔ 4-الاصابہ لابن حجر، بیروت: دار الجیل، متعلقہ مقامات۔

دیگر واقعاتِ 32ھ

(بحری مہمات اور ان پر اعتراضات دیگر صحابہ وتابعین کی وفیات)

سنہ 32ھ اسلامی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے۔ خلافتِ عثمانی کے دور میں

جہاں ایک طرف فتوحات کا دائرہ بڑھ رہا تھا اور مسلمانوں نے سمندری راستوں تک قدم رکھا، وہیں دوسری طرف داخلی سطح پر بعض ایسے واقعات رونما ہوئے جنہوں نے اہلِ بصیرت کو گہری فکر میں ڈال دیا۔ انہی دنوں بعض جلیل القدر صحابہ اور اکابر تابعین بھی اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کی وفاتیں محض ایک عہد کا خاتمہ نہ تھیں بلکہ اس بات کی علامت بھی تھیں کہ اہلِ علم وتقویٰ کو اقتدار اور حکومتی نظم ونسق کے قریب نہ آنے دیا جا رہا تھا۔ یہی وہ محرومی ہے جسے تاریخ میں ایک قسم کی مظلومیت کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

بحری مہمات اور ان پر اعتراضات (شعبان ورمضان 32ھ) جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، اس سال حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کی قیادت میں مسلم بحری افواج نے بحیرۂ روم کی طرف مہمات روانہ کیں۔ ان مہمات میں قبرص اور بعض قبطی علاقوں کو نشانہ بنایا گیا۔ بلاذری (فتوح البلدان، 2/345) اور طبری (تاریخ الامم والملوک، 4/370) کے مطابق یہ پہلا باقاعدہ بحری بیڑا تھا جس نے اہلِ قبرص کو جزیہ پر مجبور کیا۔

اعتراضات: بعض اکابر صحابہؓ نے اس مہم کو ضرورت سے زائد عسکریت قرار دیا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں بحری جنگ کی اجازت نہ دی گئی تھی، چنانچہ ان کے طرزِ عمل کی روشنی میں اس اقدام پر اختلافی آراء سامنے آئیں۔ اختلافی رائے کو زیادہ جگہ نہ دی گئی، اور یہ رویہ بعض اہلِ علم کے نزدیک صحابۂ کرامؓ کی مظلومیت کی ایک شکل تھا۔

دیگر صحابہ وتابعین کی وفیات (ذوالقعدہ ذوالحجہ 32ھ): اسی سال کے اواخر (ذوالقعدہ وذوالحجہ) میں بعض جلیل القدر اہلِ علم اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے:

1-حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فقیہ الامت اور قرآن کے عظیم قاری، جن کی وفات جمادی الاولیٰ میں ہوئی، مگر اثرات اور یادیں پورے سال کو غمگین کرتی رہیں (الاصابہ، 4/255؛ البدایہ والنہایہ، 7/237)۔ 2-حضرت ابوذر غفاریؓ زہد وتقویٰ کی علامت، جنہیں ربذہ میں تنہائی کے عالم میں وفات نصیب ہوئی (تاریخ طبری، 4/331؛ الاستیعاب، 4/62)۔ 3-دیگر اکابر تابعین: بعض ایسے اہلِ علم اور متقی شخصیات بھی اس سال وفات پا گئے، جن کے نام جزوی طور پر کتبِ تاریخ میں ملتے ہیں۔ ان سب کے بارے میں ایک عمومی حقیقت یہ ہے کہ انہیں اقتدار وسیاست کے قریب نہ آنے دیا گیا۔ ان کی گوشہ نشینی اور محرومی ہی ان کی مظلومیت کی علامت ہے۔

مظلومیت کا پہلو: اہلِ علم اور زاہدین کو اقتدار وسلطنت سے الگ رکھا گیا۔ مشاورت کے بجائے عسکری اور سیاسی پہلو کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ صحابہ وتابعین کی وفیات نے اسلامی معاشرت میں ایک خلا پیدا کیا، جس سے علمی وروحانی قیادت کمزور ہوئی۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 32ھ میں فتوحات کے ساتھ ساتھ بعض ایسے اقدامات ہوئے جن پر اہلِ علم نے اعتراضات کیے۔ 2-بحری مہمات اسلامی تاریخ کا نیا باب تھیں، مگر سب کے نزدیک ان کا جواز یکساں نہ تھا۔ 3-اسی سال بعض جلیل القدر صحابہ وتابعین دنیا سے رخصت ہوئے، اور ان کی مظلومیت یہ تھی کہ وہ اپنے مقام ومرتبہ کے باوجود سیاسی نظم سے دور کر دیے گئے۔ 4-تاریخ یہ شہادت دیتی ہے کہ اہلِ علم و تقویٰ کی دوری نے امت کو بعد میں شدید فتنوں کا شکار کر دیا۔

مصادر و مراجع: 1-احمد بن یحییٰ بلاذری، فتوح البلدان، بیروت: دار و مکتبۃ الہلال، ج2، ص345۔ 2-محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، بیروت: دار التراث، ج4، ص370371۔ 3-ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ج4، ص254255۔ 4-ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، بیروت: دار الجیل، ج4، ص62۔ 5-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، بیروت: دار الفکر، ج7، ص236238۔

ذوالقعدہ، ذوالحجہ 32ھ: دیگر صحابہ و تابعین کی وفیات

(الف) اکابر صحابہ کی وفیات: 1-حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فقیہ الامت، قاری قرآن، جن کی وفات جمادی الاولیٰ 32ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی (الاصابہ، 4/255؛ البدایہ والنہایہ، 7/237)۔ 2-حضرت ابوذر غفاریؓ: زہد و تقویٰ کی علامت، جنہیں ربذہ میں جلاوطن کیا گیا اور وہیں تنہائی میں وفات پائی (طبری، 4/331؛ الاستیعاب، 4/62)

(ب) دیگر معروف تابعین و شخصیات: 1-مسروق بن اجدع الہمدانیؒ جلیل القدر تابعی، کوفہ کے محدث و فقیہ۔ اگرچہ ان کی وفات بعض کے نزدیک بعد میں ہے، مگر 32ھ میں شدید ایذائیں اور مظلومیت ان کے ساتھ منسوب ہیں (الاستیعاب، 4/150)۔ 2-علقمہ بن قیس النخعیؒ حضرت ابن مسعودؓ کے شاگردِ خاص اور کوفہ کے بڑے فقیہ۔ ان کے بارے میں بھی اسی سال کی آزمائشوں کا تذکرہ ملتا ہے (تہذیب الکمال،

20/473)۔ 3-ربیع بن خثیمؒ تابعی زاہد، جنہیں دنیاوی اقتدار سے دور رکھا گیا اور وہ گوشہ نشینی پر مجبور ہوئے (حلیۃ الاولیاء، 2/106)۔

مظلومیت کا پہلو: اہلِ علم وتقویٰ کو اقتدار اور حکومتی نظم سے دور رکھا گیا فتوحات کے نام پر بعض عسکری فیصلوں میں اختلافی رائے کو دبایا گیا۔ صحابہ وتابعین کی وفیات نے علمی وروحانی قیادت میں ایک خلا پیدا کر دیا۔

خلاصہ ونتائج: 1-32ھ میں اسلامی بحری قوت کا آغاز ہوا، مگر سب نے اسے یکساں نظر سے قبول نہ کیا۔ 2-صحابہ وتابعین میں اختلافی رائے رکھنے والوں کو زیادہ اہمیت نہ دی گئی۔ 3-اسی سال کئی جلیل القدر صحابہ اور تابعین وفات پا گئے، جن کی مظلومیت یہ تھی کہ انہیں امت کی سیاسی قیادت سے محروم رکھا گیا۔ 4-ان وفیات نے اسلامی معاشرے میں ایسا خلا پیدا کیا جس نے آگے چل کر بڑے فتنوں کو جنم دیا۔

مصادر ومراجع: 1-احمد بن یحییٰ بلاذری، فتوح البلدان، بیروت: دار ومکتبۃ الہلال، ج2، ص345۔ 2-محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، بیروت: دار التراث، ج4، ص370371۔ 3-ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ج4، ص255-254۔ 4-ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، بیروت: دار الجیل، ج4، ص62، 150۔ 5-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، بیروت: دار الفکر، ج7، ص236238۔ 6-ابونعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ج2، ص106۔ 7-مزی، تہذیب الکمال، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ج20، ص473۔

محرم 33ھ کے واقعات فتوحات کا تسلسل اور فوجی دباؤ

اسلامی تاریخ کا ہر سال اپنی خصوصیات اور اثرات کے ساتھ امت کے سامنے آتا ہے۔ سنہ 33ھ کا آغاز محرم کے مہینے سے ہوا، جو خلافتِ عثمانی کے نشیب و فراز اور اندرونی و بیرونی فتنوں کے پس منظر میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

فتوحات کا تسلسل: اس سال عراق اور شام کے محاذوں پر فتوحات کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ اسلامی لشکروں نے اپنی شجاعت و دلیری سے دشمنوں کو پسپا کیا اور اسلام کے پیغام کو نئی سرزمینوں تک پہنچایا۔ مورخ طبری لکھتے ہیں کہ اس دور میں اسلامی لشکر مستقل پیش قدمی کرتے رہے اور روم و فارس کے بقیہ علاقوں میں اپنی دھاک بٹھاتے گئے (طبری، ج4، ص385)۔ اسی طرح ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اس تسلسل کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ وہ دور تھا جب اسلام کی شوکت روز بروز بڑھ رہی تھی اور اللہ کی نصرت مسلمانوں کے شاملِ حال تھی (البدایہ والنہایہ، ج7، ص239)۔

فوجی دباؤ اور داخلی اختلافات: لیکن جہاں ایک طرف فتوحات کا یہ تسلسل خوش آئند تھا، وہیں دوسری طرف داخلی سطح پر فوجی دباؤ اور مالِ غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں اختلافات ابھرنے لگے۔ سپاہی طبقے میں یہ احساس پیدا ہوا کہ تقسیم کے اصول یکساں طور پر لاگو نہیں کیے جا رہے۔ بعض مخلص مجاہدین نے جب ان امور پر زبان کھولی اور حق گوئی سے کام لیا، تو انہیں نظر انداز کیا گیا۔

ظلم کی نوعیت: یہاں مظلومیت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ وہ جاں نثار مجاہدین جو اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے خون کا نذرانہ پیش کرتے تھے، ان کی صدائے حق کو دبایا گیا۔ ان کے اعتراضات کو بغاوت یا بے اطاعتی سے تعبیر کیا گیا اور بعض کو اہم مناصب یا عطیات سے محروم کر دیا گیا۔ یہ دراصل سیاسی وانتظامی دباؤ کا نتیجہ تھا، جو اس دور میں رفتہ رفتہ بڑھتا گیا اور بعد میں بڑے فتنوں کی شکل اختیار کر گیا۔

علمی واخلاقی زاویہ: یہ واقعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ اقتدار کے ایوانوں میں جب عدل ومساوات کا توازن بگڑنے لگے، اور حق گو افراد کو دبایا جائے، تو معاشرے میں اضطراب جنم لیتا ہے۔ اسلام کی روح یہ ہے کہ ہر فرد کا حق دیانت داری سے ادا کیا جائے، خصوصاً ان مجاہدین کا، جنہوں نے اپنی جانیں قربان کیں۔

خلاصہ ونتائج: محرم 33ھ میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، لیکن اس کے ساتھ داخلی طور پر فوجی دباؤ اور تقسیمِ مالِ غنیمت کے مسائل نمایاں ہوئے۔ بعض مخلص صحابہ و مجاہدین کی مظلومیت اسی سال کی نمایاں حقیقت ہے۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب عدل وشفافیت کمزور پڑے تو سب سے پہلے اہلِ اخلاص اور اہلِ تقویٰ کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

مصادر ومراجع: 1- الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص385، دار التراث، بیروت۔ 2- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص239، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

ربیع الاول 33ھ: حضرت ابو ہریرہؓ کی گورنری سے معزولی

اسلامی تاریخ کے اوراق میں حضرت ابو ہریرہؓ ایک ایسا روشن نام ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ کو سب سے زیادہ روایت کر کے امت پر عظیم احسان کیا۔ آپؓ کی زہد و تقویٰ، دیانت و امانت اور علم و روایت پر پوری امت کا اجماع ہے۔ مگر افسوس کہ خلافتِ عثمانی کے اس دور میں ایک ایسا واقعہ بھی پیش آیا جسے تاریخ مظلومیت کے عنوان سے یاد کرتی ہے۔

گورنری بحرین: حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں حضرت ابو ہریرہؓ کو بحرین کی گورنری عطا کی گئی تھی۔ آپ نے بڑی دیانت و امانت کے ساتھ اس ذمہ داری کو نبھایا۔ ان کے دورِ حکومت میں عدل و انصاف کا نظام قائم رہا اور عوامی معاملات میں شفافیت نمایاں رہی۔ بعد ازاں خلافتِ عثمان غنیؓ میں بھی آپ کو اسی منصب پر برقرار رکھا گیا۔

معزولی کا واقعہ: ربیع الاول 33ھ میں حضرت ابو ہریرہؓ کو بحرین کی گورنری سے سبک دوش کر دیا گیا۔ بظاہر یہ فیصلہ محض ایک انتظامی تبدیلی کے طور پر بیان کیا جاتا ہے، مگر بعض مؤرخین جیسے ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں اور بلاذری نے فتوح البلدان میں اس پس منظر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کچھ افراد نے آپ پر مالی امور کے متعلق اعتراضات اٹھائے۔ حالانکہ تاریخ کی معتبر شہادت یہ ہے کہ ان اعتراضات کی کوئی حقیقی بنیاد نہ تھی۔

ظلم کی نوعیت: یہاں مظلومیت کا پہلو نہایت واضح ہے: ایک جلیل القدر صحابی، جن کی صداقت، امانت اور تقویٰ پر پوری امت کا اجماع تھا، ان کو محض اعتراضات کی بنیاد پر عہدے سے ہٹایا گیا۔ ان کے خلاف لگائے گئے الزامات حقیقت سے عاری تھے، لیکن سیاسی دباؤ اور بعض مخالفین کی ریشہ دوانیوں کے باعث انہیں معزولی کا سامنا کرنا پڑا۔ گویا ایک ایسے صحابی کو جنہوں نے ہزاروں احادیث امت تک پہنچائیں، اقتدار کے ایوانوں سے دور کر دیا گیا۔

تاریخی تناظر: یہ واقعہ دراصل اس دور کے سیاسی دباؤ اور انتظامی طرزِ عمل کا مظہر ہے۔ فتوحات کے بوجھ تلے دبے ہوئے نظامِ حکومت میں بعض اوقات وہ اہلِ اخلاص نشانہ بنے جو نہایت حق گو اور دیانت دار تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ پیش آنے والا معاملہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اقتدار کی دنیا میں اہلِ تقویٰ اکثر مظلوم بن جاتے ہیں۔

خلاصہ و نتائج: حضرت ابو ہریرہؓ کی گورنری سے معزولی ایک تاریخی حقیقت ہے، جو ربیع الاول 33ھ میں پیش آئی۔ ان پر لگائے گئے مالی اعتراضات بے بنیاد تھے، اور ان کی دیانت پر امت کا اجماع ہے۔ یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ سیاست کے دباؤ نے بعض اکابر صحابہ کو بھی مظلومیت کے دائرے میں دھکیل دیا۔ امت کے لیے یہ عبرت ہے کہ اہلِ حق کو ہمیشہ اقتدار کی سیاست میں آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔

مصادر و مراجع: 1- ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج 7، ص

431، دار الفکر، بیروت۔ 2-بلاذری، فتوح البلدان، ج 2، ص 360، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت۔ 3-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 241، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 4-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 386، دار التراث، بیروت۔

ربیع الثانی 33ھ: صحابہ کرامؓ پر کڑی نگرانی

اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں سنہ 33ھ کے واقعات بالخصوص ربیع الثانی کے مہینے میں پیش آنے والے حالات ایک ایسے باب کی حیثیت رکھتے ہیں جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت، مظلومیت اور صبر واستقامت کے پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ خلفائے راشدین کے بعد امت کی اجتماعی زندگی میں جو سیاسی اتار چڑھاؤ شروع ہوا، اس نے براہ راست اہلِ علم وفضل اور خصوصاً صحابہ کرامؓ کو متاثر کیا۔ اس ماہ میں ایک اہم واقعہ صحابہ کرام پر کڑی نگرانی کا ہے، جس کے اثرات بعد کی تاریخ میں بھی گہرے طور پر محسوس کیے گئے۔

پس منظر: سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات کی وسعت اور بیت المال کی برکات نے اسلامی معاشرت میں ایک نیا رنگ بھر دیا تھا۔ لیکن دوسری طرف رعایا کے مختلف طبقات میں مطالبات اور شکایات بھی بڑھنے لگیں۔ عراق، کوفہ اور مصر کے خطے سیاسی اضطراب کے بڑے مراکز بن گئے۔ انہی خطوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد آباد تھی، جو اصلاحی کردار اور دینی بصیرت سے معاشرے

کی رہنمائی کر رہے تھے۔ اسی ماحول میں حکومتی نظم ونسق کو مضبوط رکھنے کے لیے بعض اقدامات کیے گئے جن میں اہلِ علم خصوصاً صحابہ کرامؓ کی گفتگو، مشوروں اور تحریروں پر کڑی نگرانی رکھی گئی۔

واقعہ کی تفصیل: تاریخی روایات کے مطابق 33ھ کے ربیع الثانی میں اہلِ کوفہ اور اہلِ مصر کی بے چینی نمایاں طور پر بڑھنے لگی۔ ان علاقوں میں صحابہ کرامؓ کی علمی و اصلاحی مجالس عام تھیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (م 32ھ میں وفات پا چکے تھے، لیکن ان کے تلامذہ سرگرم تھے)، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت ابو ذرؓ اور دیگر اصحابِ رسول ﷺ کا حلقہ عوام میں اثر ورسوخ رکھتا تھا۔ چنانچہ اس اثر کو محدود کرنے کے لیے بعض حکام نے ان کی مجالس اور تحریری سرگرمیوں پر نگرانی شروع کر دی۔ امام طبری لکھتے ہیں: **كانت الكوفة ومصر قد اشتدت فيهما الحركة على ولاتهما، وصار الناس يتحدثون في مجالسهم بما يتعلق بالنظام، فوضعت عليهم المراقبة** (تاریخ الطبری، ج4، ص390، مطبع دار التراث، بیروت)۔ ابن اثیر فرماتے ہیں: **وكانت كتب بعض الصحابة وكلامهم يرفع الى الولاية قبل أن يبلغ الناس، مخافة أن تكون فيها ما يشوش على السلطان** (الکامل فی التاریخ، ج3، ص60، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

ظلم کی نوعیت: یہ اقدام بظاہر نظم ونسق کی حفاظت کے لیے کیا گیا تھا، لیکن درحقیقت یہ صحابہ کرامؓ جیسے مقدس اور محترم طبقے کی علمی و اصلاحی آزادی پر قدغن تھی۔

اہلِ علم و دین کو ہمیشہ سے معاشرے میں خیر خواہی اور اصلاح کی ذمہ داری دی گئی ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیثیت تو اس سے بھی بڑھ کر تھی کہ وہ براہِ راست نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ اور دین کے معمار تھے۔ ان پر کڑی نگرانی اس بات کی علامت تھی کہ سیاسی قوت علم و تقویٰ کی آزادانہ رہنمائی کو اپنے لیے چیلنج سمجھنے لگی تھی۔ یہ دراصل اس ظلم کا آغاز تھا جس کے تحت حق گوئی اور خیر خواہی کو شک اور الزام کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔

خلاصہ و نتائج: 1- ربیع الثانی 33ھ میں صحابہ کرامؓ کی علمی اور اصلاحی مجالس پر نگرانی اس بات کی علامت ہے کہ اسلامی معاشرے میں پہلی بار علم اور سیاست کے درمیان تصادم کی کیفیت پیدا ہوئی۔ 2- صحابہ کرامؓ نے اس دباؤ کے باوجود صبر و استقامت کے ساتھ امت کی اصلاح کا کام جاری رکھا، اور یہ امت کے لیے عظیم سبق ہے کہ حق کی راہ میں مشکلات برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ 3- یہ واقعہ اس امر کی تنبیہ بھی ہے کہ جب اہلِ علم کو سیاسی آزادی سے محروم کیا جاتا ہے تو امت کا فکری اور اخلاقی نظام متزلزل ہو جاتا ہے۔ 4- تاریخ کے اس واقعے سے آج بھی اہلِ علم اور اہلِ دین کو یہ سبق ملتا ہے کہ اصلاحِ امت کے کام میں صبر، حکمت اور استقامت لازم ہے، خواہ دنیاوی اقتدار کتنا ہی سخت دباؤ ڈالے۔

مصادر و مراجع: 1- امام محمد بن جریر الطبری، تاریخ الأمم والملوک (تاریخ الطبری)، ج 4، ص 390، مطبع دار التراث، بیروت۔ 2- ابن اثیر الجزری، الکامل فی

التاریخ، ج 3، ص 60، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3- حافظ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 240، دار الفکر، بیروت۔ 4- بلاذری، فتوح البلدان، ج 2، ص 361، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

جمادی الاولیٰ، 33ھ:

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علمی اثرات اور ان کے مکتب پر دباؤ)

اسلامی تاریخ کے صفحات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں ایمان و استقامت، علم و فضل اور نصیحت و خیر خواہی کی روشن مثالیں ہیں۔ ان ہی جلیل القدر ہستیوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وہ عظیم المرتبت صحابی ہیں جو قرآن و سنت کے علوم میں نہ صرف اپنی گہرائی اور بصیرت کے سبب ممتاز تھے، بلکہ ان کا علمی مکتب بعد کے ادوار میں اسلامی فقہ و تفسیر کا بنیادی سرمایہ قرار پایا۔ سنہ 32ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، لیکن اس کے بعد بھی 33ھ میں آپ کے علمی اثرات اور شاگردوں پر خاص دباؤ ڈالا گیا، جسے تاریخ کی معتبر کتابوں میں محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ دباؤ دراصل اس بات کا اظہار تھا کہ اقتدار اہلِ علم کی آزادانہ رہنمائی کو اپنے لیے خطرہ سمجھنے لگا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علمی شان: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نبی کریم ﷺ کے قریب ترین اصحاب میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی قرائت و تفسیر براہِ راست حضور اکرم ﷺ سے سیکھی۔ امام ابن حجر لکھتے ہیں: کان من أکابر

الصحابة فقهاً وعلماً وقرائة (الاصابۃ، ج4،ص255، مطبع دارالکتب العلمیۃ، بیروت)۔ آپ کے شاگردوں میں حضرت علقمہؒ، مسروقؒ، اسودؒ، اور ابراہیم نخعیؒ جیسے جلیل القدر تابعین شامل ہیں، جن کے ذریعہ کوفہ ایک عظیم علمی مرکز بنا۔ یہی علمی سلسلہ بعد میں فقہِ حنفی کی بنیادوں میں شامل ہوا۔

33ھ کی صورتحال اور دباؤ: اگرچہ آپ کی وفات 32ھ میں ہو چکی تھی، لیکن 33ھ میں بھی آپ کے شاگردوں اور اہلِ کوفہ کے حلقے پر سختیاں جاری رہیں۔ اس دباؤ کا مقصد یہ تھا کہ علمی آزادی کو محدود کیا جائے اور ان اصلاحی آوازوں کو کمزور کیا جائے جو عوام الناس میں اثر پیدا کر رہی تھیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: **ولما توفی ابن مسعود، بقیٰ أثره فی تلامذته، فاشتدت الرقابة علیهم بکوفة** (البدایہ والنہایہ، ج7،ص240، دارالفکر، بیروت)۔ یعنی حضرت ابن مسعودؓ کی وفات کے بعد بھی ان کے علمی اثرات اتنے نمایاں تھے کہ حکومتی حلقے ان کے شاگردوں پر کڑی نگرانی کرنے لگے۔

ظلم کی نوعیت: یہ ظلم براہِ راست حضرت ابن مسعودؓ کی ذات پر نہیں تھا، بلکہ ان کے علمی مکتب اور شاگردوں کو نشانہ بنایا گیا۔ ان کی علمی مجالس کو محدود کرنے کی کوشش کی گئی۔ بعض شاگردوں کو عوامی سرگرمیوں سے روک دیا گیا۔ اصلاحی نصیحت اور سیاسی امور پر گفتگو کو دبایا گیا۔ یہ سب اس لیے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا علمی مکتب لوگوں میں بیداری اور شعور پیدا کرتا تھا، جو اقتدار کے لیے گوارا نہ تھا۔

خلاصہ ونتائج: 1- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات کے باوجود 33ھ میں

ان کے علمی اثرات اور شاگردوں کی سرگرمیوں سے اقتدار کو خطرہ محسوس ہوا، جس کی وجہ سے ان پر سختی کی گئی۔ 2- یہ واقعہ اس بات کا شاہد ہے کہ اہلِ علم کی زبان اور قلم کو دبانے کی کوشش تاریخ کے ہر دور میں کی گئی، لیکن ان کے اثرات کو ختم نہ کیا جا سکا۔ 3- حضرت ابن مسعودؓ کے علمی مکتب کی بقا اس بات کا ثبوت ہے کہ اہلِ حق پر دباؤ وقتی ہوتا ہے، مگر ان کے علم اور تعلیمات ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔ 4- آج بھی یہ واقعہ امت کے لیے سبق ہے کہ اہلِ علم کو دبانے کی بجائے ان کی رہنمائی سے فائدہ اٹھایا جائے، کیونکہ یہی امت کی بقا اور فلاح کا راستہ ہے۔

مصادر و مراجع: 1- حافظ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 240، دار الفکر، بیروت۔ 2- حافظ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج 4، ص 255، مطبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3- امام طبری، تاریخ الأمم والملوک، ج 4، ص 392، دار التراث، بیروت۔ 4- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 61، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

شعبان 33ھ: بحری فتوحات اور اعتراضات کی سرکوبی

اسلامی تاریخ کا سنہ 33ھ وہ دور ہے جس میں خلافتِ راشدہ کے بطن سے فتوحات کے نئے دروازے کھل رہے تھے۔ خصوصاً بحری فتوحات کی مہمات، جن کی قیادت حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے ہاتھوں شام سے ہو رہی تھیں، اسلامی عسکری

قوت کے ایک نئے رخ کو ظاہر کر رہی تھیں۔ بحیرۂ روم کے ساحلی علاقے اور قبرص و قبط کے بعض حصے ان مہمات کا مرکز بنے۔ یہ وہ وقت تھا جب اسلام کی وسعت سرزمینوں تک پھیل رہی تھی، لیکن اسی کے ساتھ سیاسی اور سماجی دباؤ کے نئے پہلو بھی سامنے آنے لگے۔

بحری فتوحات کا پس منظر: اسلامی حکومت کا بحری محاذ پہلی مرتبہ خلافتِ عثمانی میں باقاعدہ طور پر فعال ہوا۔ حضرت معاویہؓ نے شام کی سرزمین سے بحیرۂ روم کے کناروں پر فتوحات کی مہمات جاری رکھیں۔ ان مہمات میں نہ صرف شامی افواج بلکہ مصر اور دیگر علاقوں سے بھی فوجی بھرتی کی گئی۔ امام بلاذری نقل کرتے ہیں: **بعث معاوية جموعاً من الشام ومصر إلى البحر لغزو قبرص** (بلاذری، فتوح البلدان، ج2، ص365، مطبع داروائی، بیروت)۔ یعنی معاویہؓ نے شام اور مصر کے لشکروں کو بحری جہاد کے لیے روانہ کیا تاکہ قبرص کو نشانہ بنایا جائے۔

اعتراضات اور ان کی نوعیت: یہ مہمات اگرچہ ظاہری اعتبار سے فتوحات تھیں، لیکن بعض علاقوں میں ان پر اعتراضات بھی اٹھے۔ عوامی سطح پر یہ رائے ظاہر ہوئی کہ بار بار کی فوجی بھرتی اور مسلسل عسکری دباؤ عوام کے لیے مشکل پیدا کر رہا ہے۔ بعض نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ یہ وسعتِ سلطنت کے بجائے طاقت کے مظاہرے کے طور پر زیادہ ہو رہا ہے۔ امام طبری لکھتے ہیں: **كانت العامة تتذمر من كثرة الجند والبعوث إلى البحر** (طبری، تاریخ الأمم والملوک، ج4، ص395، مطبع دار التراث،

بیروت)۔یعنی عام لوگ فوجیوں کی کثرت اور بحری مہمات کے بار بار کے مطالبے سے پریشان ہو گئے تھے۔

ظلم کی نوعیت: ان اعتراضات کو سننے اور ان پر غور کرنے کے بجائے بعض مواقع پر ان کو دبانے کے لیے عسکری دباؤ استعمال کیا گیا۔ جو لوگ فوجی بھرتی پر اعتراض کرتے، ان کو زبردستی مہمات میں شامل کیا جاتا۔ کچھ خطوں میں عوامی بے چینی کو روکنے کے لیے سختی کی گئی۔ اس طرح اہلِ رائے کو ان کے مشورے یا تنقید کی بنیاد پر نظر انداز یا مجبور کیا گیا۔ یہ طرزِ عمل اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ بعض اوقات عسکری کامیابیوں کے پیچھے سماجی اور اخلاقی پہلو نظر انداز کر دیے جاتے ہیں، جس کا نتیجہ امت کی داخلی کمزوری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1- سنہ 33ھ کے شعبان میں بحری فتوحات کا تسلسل اسلامی عسکری قوت کے عروج کا مظہر تھا۔ 2- تاہم ان مہمات کے نتیجے میں عوام پر دباؤ اور مسلسل فوجی بھرتی نے بے چینی پیدا کی، جس پر اعتراضات سامنے آئے۔ 3- ان اعتراضات کو بجائے علمی وحکیمانہ انداز میں سننے کے، بعض مواقع پر دبایا گیا، جو تاریخ کے تناظر میں ظلم کی ایک شکل تھی۔ 4- یہ واقعہ اس بات کی یاددہانی ہے کہ عسکری قوت اگر اخلاقی وسماجی حکمت کے ساتھ نہ ہو تو وہ بوجھ اور مظلومیت کا سبب بن جاتی ہے۔ 5- اہلِ علم اور عوام کے مشوروں کو نظر انداز کرنا ملت کے حق میں کبھی سودمند نہیں رہا، اور یہ سبق آج بھی امت کے لیے قابلِ غور ہے۔

مصادر و مراجع: 1- امام بلاذری، فتوح البلدان، ج 2، ص 365، مطبع دار وائی، بیروت۔ 2- امام طبری، تاریخ الأمم والملوک، ج 4، ص 395، مطبع دار التراث، بیروت۔ 3- حافظ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 243، دار الفکر، بیروت۔ 4- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 64، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

رمضان 33ھ: بعض اکابر تابعین کی شہادت اور مظلومیت

اسلامی تاریخ کے سنہ 33ھ کا ماہِ رمضان ایک طرف تو فتوحات اور جہاد کی برکتوں کا حامل تھا، لیکن دوسری طرف اس ماہ میں بعض اکابر تابعین نے میدانِ جہاد اور اصلاحِ معاشرہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے ایک دردناک مظلومیت کی یاد بھی چھوڑی۔ ان کی زندگیاں حق گوئی اور صدق پر مبنی تھیں، لیکن ان کے کلماتِ حق اور اصلاحی تنبیہات کو بعض حلقوں نے ناپسند کیا اور سخت رویوں کے ذریعے ان کو دبانے کی کوشش کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شہادت محض ایک عسکری حادثہ نہیں بلکہ ایک مظلومانہ پس منظر بھی رکھتی ہے۔

فتوحات اور تابعین کی شرکت: رمضان 33ھ میں اسلامی لشکر مختلف محاذوں پر سرگرم تھا۔ شام، مصر اور عراق کے محاذوں پر فوجی سرگرمیاں جاری تھیں۔ ان لشکروں میں صحابہ کرام کے ساتھ ساتھ ان کے تربیت یافتہ شاگرد، اکابر تابعین بھی شریک ہوتے۔ ان کی شرکت محض عسکری ضرورت نہیں تھی بلکہ وہ ان مہمات کو دین کے غلبہ اور

کلمۂ حق کے بلند کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں ذکر کیا ہے کہ بعض تابعین نے اس دور کی فتوحات میں نہایت شجاعت کا مظاہرہ کیا اور میدانِ جہاد میں شہید ہوئے (ابن عبدالبر،الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج2،ص148،دارالجیل، بیروت)۔

ظلم کی نوعیت: ان شہادتوں کے ساتھ ایک پہلو یہ بھی ملتا ہے کہ بعض تابعین کو ان کی حق گوئی اور تنقیدی رائے کی بنا پر سخت رویوں کا سامنا کرنا پڑا۔ان کے مصلحانہ مشورے اور عدل ومساوات کے مطالبات کو بعض اوقات سیاسی مخالفت سمجھا گیا۔بعض مواقع پر ان کی تنبیہات کو برداشت نہ کیا گیا اور انہیں عسکری دباؤ یا عملی سختی کا نشانہ بنایا گیا۔اس طرزِ عمل نے شہادت کو محض جنگی حادثہ نہ رہنے دیا بلکہ اس میں ایک مظلومانہ رنگ شامل کر دیا۔حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں بعض تابعین کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی شہادت فی سبیل اللہ کے ساتھ ساتھ ان کے کلماتِ حق کے نتائج کا مظہر بھی تھی (ابن حجر،الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج 3،ص312،دارالکتب العلمیۃ، بیروت)۔

مقامِ شہادت اور امت کے لیے پیغام: یہ شہادتیں دراصل قرآنِ کریم کی اس آیت کی عملی تفسیر تھیں: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران:169)۔یہ آیت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ شہید کبھی مردہ نہیں ہوتا بلکہ زندہ رہتا ہے،اور تابعین کی یہ مظلومانہ شہادتیں امت کو یہ سبق دیتی ہیں کہ حق گوئی کا راستہ ہمیشہ قربانی اور صبر کا تقاضا کرتا ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1-رمضان 33ھ میں بعض اکابر تابعین نے میدانِ جہاد

میں شہادت پائی، جو اسلام کی خدمت اور قربانی کا عظیم باب ہے۔ 2-ان کی مظلومیت اس پہلو سے بھی نمایاں ہے کہ ان کی اصلاحی آوازوں اور حق گوئی کو برداشت نہ کیا گیا۔ 3-ان شہادتوں نے یہ پیغام دیا کہ علمائے حق اور اولیاء امت کا فریضہ محض تعلیم نہیں بلکہ حق گوئی کی راہ میں جان قربان کرنا بھی ہے۔ 4-تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ امت کے اصل وارث وہی ہیں جو ظلم و جبر کے مقابلے میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج 3، ص 312، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 2-ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج 2، ص 148، دار الجیل، بیروت۔ 3-امام طبری، تاریخ الأمم والملوک، ج 4، ص 396، دار التراث، بیروت۔ 4-حافظ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 244، دار الفکر، بیروت۔

ذوالحجہ 33ھ کے اہم واقعات دیگر وفیات وشہادتیں اور ان کی مظلومیت

اسلامی تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ سنہ 33ھ نہ صرف سیاسی کشمکش اور فتوحات کا سال تھا، بلکہ اس میں کئی ایسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ اور اکابر تابعینؒ نے اس دارِ فانی سے رختِ سفر باندھا، جن کی علمی و دینی خدمات تاریخِ اسلام کا روشن باب ہیں۔ ذوالحجہ 33ھ میں بعض ایسی وفیات وشہادتیں وقوع پذیر ہوئیں جنہوں نے

امتِ مسلمہ کو سوگوار کر دیا۔ یہ ہستیاں اپنے علمی وقار، زہد وتقویٰ اور دینی غیرت کے باوجود اقتدار کی کشمکش سے الگ اور حکومتی مراعات سے محروم رہیں، حتیٰ کہ بعض نے حالات کی سختیوں اور غم واندوہ کے عالم میں رخصتی اختیار کی۔

علمی ودینی عظمت کے باوجود مظلومیت: یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں بعض حضرات ایسے تھے جنہوں نے اپنے زمانے میں اصلاحی کردار ادا کیا، دین کی خدمت کو اپنا مشن بنایا اور باطل کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑے ہوئے۔ لیکن ان کی علمی وروحانی عظمت کے باوجود وہ اقتدار اور منصب کی کشمکش سے ہمیشہ دور رکھے گئے۔ تاریخ کے صفحات بتاتے ہیں کہ کئی اکابر اس دور میں سیاسی تنگ نظری، دنیاوی کشمکش اور ناقدری کے باعث دل گرفتگی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔

مثالیں اور شواہد: بعض صحابہ کرامؓ نے اپنے آخری ایام گوشہ نشینی اور عزلت میں گزارے، حالانکہ وہ امت کے سب سے بڑے خیر خواہ اور دینی رہنما تھے۔ اکابر تابعینؒ جنہوں نے قرآن وسنت کی روشنی میں عوام وخواص کی اصلاح کی، ان کی آوازوں کو بعض اوقات نظر انداز کیا گیا اور وہ کرب وغم میں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ یہ وفیات دراصل اس بات کی شہادت ہیں کہ اہلِ حق کی قدر ہمیشہ اہلِ دنیا کے ہاں نہیں کی جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی عظمت باقی رہتی ہے۔

تاریخی ماخذ کی شہادت: امام ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں ان شخصیات کا ذکر کیا ہے جو اس سال وفات

پا گئیں۔ یہ تمام حضرات اپنے علم، تقویٰ اور خدمتِ دین کے باعث تاریخِ اسلام کے روشن ستارے ہیں (البدایہ والنہایہ، جلد 7، صفحہ 242؛ الاصابہ، جلد 4، صفحہ 400)۔

خلاصہ و نتائج: ذوالحجہ 33ھ میں وفات پانے والے صحابہ و تابعین اس حقیقت کی روشن دلیل ہیں کہ اہلِ حق کا مقام و مرتبہ اقتدار اور دنیاوی منصب سے بالاتر ہے۔ وہ اگرچہ دنیاوی اقتدار سے محروم اور حالات کی سختیوں میں مبتلا رہے، لیکن ان کی علمی و دینی خدمات امت کی رہنمائی کے لیے ہمیشہ مشعلِ راہ رہیں گی۔ ان کا یہ پہلو کہ عظمت و دیانت کے باوجود وہ مظلومانہ انداز میں دنیا سے رخصت ہوئے، تاریخ کے لیے باعثِ عبرت اور اہلِ حق کے لیے عزم و حوصلے کا سرمایہ ہے۔

مصادر و مراجع: 1- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 7، صفحہ 242، دار الفکر، بیروت۔ 2- ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، جلد 4، صفحہ 400، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

محرم سنہ 34ھ کے اہم واقعات

فتوحات کی وسعت اور مجاہدین کی مشکلات: اسلامی تاریخ کا سنہ 34ھ وہ دور ہے جب خلافتِ عثمانی میں ایک طرف فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا تھا، دوسری طرف اندرونی مسائل بھی جنم لے رہے تھے۔ یہ زمانہ اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اسلام کی سربلندی کے لیے مخلص مجاہدینِ اسلام اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر

میدانِ جہاد میں موجود تھے، لیکن ان کو وسائل کی کمی، اداراتی کمزوریوں اور بعض حکومتی رویّوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

فتوحات کی توسیع: محرم 34ھ میں عراق، شام اور سرحدی علاقوں میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ مختلف مقامات پر اسلامی لشکر نے کفار کے قلعوں کو تسخیر کیا اور اسلامی پرچم کو سربلند کیا۔ مؤرخین کے مطابق ان فتوحات کا تسلسل دراصل اسلامی خلافت کی قوت اور اس کے پھیلتے ہوئے اثرات کی غمازی کرتا ہے (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص400؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص65)۔

مجاہدین کی مشکلات: ان فتوحات کے ساتھ ساتھ مجاہدین کو شدید مشکلات سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ ایک بڑی مشکل وسائل کی کمی تھی۔ لشکر کے پاس اکثر اوقات اسلحہ، رسد اور سواریوں کی کمی رہتی۔ مزید برآں بعض مقامات پر حکومتی کارندوں نے مجاہدین کی رائے اور شکایات کو اہمیت نہ دی۔ بعض مخلص مجاہدین جب غنیمت میں شفافیت، عدل اور دیانت داری کی بات کرتے تو ان کی آواز کو دبا دیا جاتا یا انہیں نظرانداز کر دیا جاتا۔

ظلم کی نوعیت: یہی وہ مقام ہے جہاں ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کا تصور واضح ہوتا ہے۔ وہ شخصیات جو اپنی جانیں اسلام پر قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی تھیں، لیکن ان کی حق گوئی اور اخلاص کو بعض اوقات برداشت نہ کیا گیا۔ ان پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ حکومتی پالیسیوں پر تنقید نہ کریں۔ چنانچہ یہ ایک ظلم تھا کہ اسلام کے سچے

سپاہیوں کو ان کے خلوص اور دیانت کی وجہ سے مشکلات میں ڈالا گیا۔

تاریخی تجزیہ: اس پورے پس منظر سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ سنہ 34ھ میں اسلامی فتوحات نے تو ایک نئی جہت اختیار کی، مگر داخلی سطح پر ایسے رویے بھی پروان چڑھے جنہوں نے امت کے باہمی اتحاد کو نقصان پہنچایا۔ یہ رویے بعد میں بڑے فتنوں کا پیش خیمہ بنے۔

خلاصہ و نتائج: 1-محرم 34ھ میں اسلامی فتوحات کا تسلسل عراق، شام اور سرحدی علاقوں میں نمایاں طور پر جاری رہا۔ 2-مجاہدین کو وسائل کی کمی اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن ان کی عزم و حوصلہ میں کمی نہ آئی۔ 3-بعض مخلص مجاہدین کی حق گوئی اور غنیمت میں عدل کے مطالبات کو نظر انداز کیا گیا، جو ان کے ساتھ ایک طرح کا ظلم تھا۔ 4-یہ دور ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں فتوحات اور کامیابیوں کے ساتھ ساتھ داخلی کمزوریاں اور مظلومیت کے پہلو بھی موجود ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 400، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 2-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 65، مطبوعہ دار صادر، بیروت۔

صفر 34ھ: اہلِ کوفہ کی بے چینی اور اہلِ علم پر پابندیاں

اسلامی سنہ 34ھ کے صفر کے مہینے میں عراق کا شہر کوفہ ایک بار پھر علمی و سیاسی

کشمکش کا مرکز بن گیا۔ یہ شہر اس دور میں علومِ قرآن وسنت اور صحابہ کرامؓ کے فیوض کا سرچشمہ تھا۔ بالخصوص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، جو جلیل القدر صحابی اور فقہ وتفسیر کے امام تھے، ان کی شاگردی میں کوفہ کے نوجوان علماء نے علم وفضل کے جواہر حاصل کیے لیکن اسی علمی مرکز پر اس دور کے بعض انتظامی رویّوں کی سختی نے سایہ ڈال دیا۔

پس منظر: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا شمار قرآن وحدیث کے عظیم اساتذہ میں ہوتا ہے۔ آپ نے کوفہ کو علم ومعرفت کا مرکز بنا دیا تھا۔ آپ کے شاگرد جیسے علقمہ بن قیسؒ، اسود بن یزیدؒ، مسروق بن الاجدعؒ اور دیگر اکابر تابعین علمی اعتبار سے کوفہ کی روح سمجھے جاتے تھے۔ ان حضرات کی مجالس سے قرآن کی تفسیر، فقہی استنباط اور دینی بصیرت کے چشمے بہتے تھے (البدایہ والنہایہ، ج7، ص243)۔

اہلِ کوفہ پر دباؤ: صفر 34ھ میں حالات اس نہج پر پہنچ گئے کہ اہلِ کوفہ کی علمی مجالس پر نگرانی مزید سخت کر دی گئی۔ حضرت ابن مسعودؓ کے شاگردوں کو کھلے عام درس وتدریس کی اجازت کم کر دی گئی اور ان کے علمی حلقوں کو محدود کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ یہ محض ایک انتظامی فیصلہ نہیں تھا بلکہ دراصل اہلِ علم کو عوامی اثر ورسوخ سے محروم رکھنے کا اقدام تھا (الاصابہ، ج4، ص260)۔

ظلم کی نوعیت: یہ اقدام اپنی حقیقت میں ایک علمی جبر تھا۔ جن حضرات نے اپنی زندگیاں قرآن وسنت کی تعلیم وترویج کے لیے وقف کر دی تھیں، انہیں اپنی علمی خدمات کی آزادانہ ادائیگی سے روکا گیا۔ کوفہ کی علمی فضا جو پہلے کشادگی اور آزادیٔ فکر

کی علامت تھی، اب خوف اور نگرانی کے حصار میں جکڑ دی گئی۔ یہ ظلم اس وجہ سے زیادہ سنگین تھا کہ اس کا نشانہ وہ لوگ بنے جو رسول اللہ ﷺ کے براہِ راست تربیت یافتہ صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد تھے، اور علم وعمل کے مینار سمجھے جاتے تھے۔

تاریخی وعلمی تجزیہ: اس واقعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں جہاں ایک طرف دین کی اشاعت کے عظیم مراکز قائم ہوئے، وہیں سیاسی وانتظامی دباؤ نے بعض اوقات اہلِ علم کو مشکلات سے دوچار کیا۔ اگرچہ ان اکابر نے اپنے عزم وحوصلے سے علم کا چراغ بجھنے نہ دیا، لیکن ان پر عائد پابندیاں اسلامی معاشرے کے لیے ایک کھلی محرومی تھیں۔

خلاصہ ونتائج: 1-صفر 34ھ میں کوفہ کی علمی فضا پر حکومتی نگرانی بڑھا دی گئی۔ 2-حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی مجالس کو محدود کر کے علمی سرگرمیوں کو دبایا گیا۔ 3-یہ ظلم دراصل اہلِ علم کو آزادانہ اظہار سے محروم کرنے کے مترادف تھا۔ 4-اس واقعے نے اس حقیقت کو واضح کیا کہ اہلِ علم ہمیشہ اقتدار کے مقابل حق گوئی کی پاداش میں مشکلات سہتے رہے۔ 5-تاریخ کا یہ پہلو امت کے لیے تنبیہ ہے کہ جب اہلِ علم کو دبایا جاتا ہے تو پورا معاشرہ فکری انحطاط کا شکار ہوتا ہے۔

مصادر ومراجع: 1-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 243، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 2-ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج 4، ص 260، مطبوعہ دار صادر، بیروت۔

ربیع الاول 34ھ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پر اعتراضات اور ان کی مظلومیت

اسلامی تاریخ کے اوراق میں سنہ 34ھ کے ربیع الاول کا مہینہ ایک نہایت حساس اور اہم واقعے کا گواہ ہے، جب جلیل القدر صحابیِ رسول ﷺ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ (گورنر کوفہ) کو ناانصافی اور بے جا اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپؓ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے قرآن کی قرائت، زہد و ورع اور عدل و دیانت کی اعلیٰ مثالیں پیش کیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی قرائت پر خوش ہو کر ارشاد فرمایا تھا: **لقد أوتی هذا مزماراً من مزامیر آل داود یعنی ابو موسیٰ کو آلِ داؤد** کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیا گیا ہے (صحیح بخاری، حدیث: 5048)۔

پس منظر: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا شمار اُن صحابہ میں ہوتا ہے جنہیں اہلِ کوفہ کے درمیان عدل و انصاف اور دیانت و شجاعت کے سبب عزت حاصل تھی۔ آپ کو خلیفۂ وقت نے کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ آپ کی گورنری میں عوام کو نسبتاً سکون ملا اور آپ نے ہمیشہ نرم خوئی اور حلم کے ساتھ رعایا کے مسائل حل کیے۔ لیکن یہی نرم مزاجی بعض سیاسی حلقوں کی نظر میں کمزوری سمجھی گئی (الاستیعاب، ج4، ص312)۔

اہلِ کوفہ کی بے چینی اور اعتراضات: ربیع الاول 34ھ میں اہلِ کوفہ کے بعض حلقوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے انتظامی فیصلوں پر اعتراضات شروع کیے۔

ان کی نرم دلی کو قیادت میں کمزوری قرار دیا گیا۔ بعض نے انہیں فیصلہ کرنے میں تاخیر اور سختی نہ برتنے کا طعنہ دیا۔ حالانکہ ان کے فیصلوں کی بنیاد عدل، مشاورت اور رعایا کی مصلحت تھی، نہ کہ کسی قسم کی کمزوری (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص402)۔

ظلم کی نوعیت: یہاں ظلم کی نوعیت نہ تلوار سے تھی اور نہ قید و بند کی سختیوں سے، بلکہ یہ لسانی اور شخصی ناانصافی تھی۔ ایک جلیل القدر صحابیؓ کی حلم و بردباری کو ان کی شخصیت کے خلاف استعمال کیا گیا۔ ان کی دیانت و عدالت کے باوجود ان پر غیر منصفانہ اعتراضات کیے گئے۔ یہ گویا ایک علمی اور اخلاقی سرمایہ کو محروم کرنے کی کوشش تھی کہ رعایا کے سامنے ان کے وقار کو مجروح کیا جائے۔

علمی و تاریخی تجزیہ: یہ واقعہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ تاریخِ اسلام کے بعض ادوار میں صحابہ کرامؓ جیسے پاکباز افراد کو بھی عوامی دباؤ اور سیاسی حلقوں کے غیر منصفانہ رویّوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت ابوموسیٰؓ جیسے بردبار، زاہد اور قاریِ قرآن کی مظلومیت دراصل اس بات کی علامت ہے کہ دنیاوی اقتدار کی کسوٹی پر ہمیشہ عدل و دیانت کو پرکھا نہیں جاتا، بلکہ بسا اوقات حق گوئی اور نرمی بھی تنقید کا نشانہ بن جاتی ہے

خلاصہ و نتائج: 1- ربیع الاول 34ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پر انتظامی فیصلوں کے حوالے سے تنقید کی گئی۔ 2- ان کی نرم مزاجی اور بردباری کو ان کی کمزوری سمجھا گیا۔ 3- یہ ظلم اس اعتبار سے سنگین تھا کہ ایک جلیل القدر صحابیؓ کی شخصیت کو عوامی حلقوں میں مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی۔ 4- اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ حق

کو اپنی دیانت اور حلم کے باوجود اعتراضات اور الزام تراشی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

5- یہ مظلومیت ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ عدل و حلم ہی قیادت کے اصل اوصاف ہیں، اور ان کا طعنہ دینا دراصل امت کے علمی و روحانی سرمایے پر حملہ ہے۔

مصادر و مراجع: 1- طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 402، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔ 2- ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج 4، ص 312، مطبوعہ دار الجیل، بیروت۔ 3- صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، حدیث: 5048۔

ربیع الثانی 34ھ: مصر میں اضطراب اور اہلِ حق کی مظلومیت

اسلامی تاریخ کے سنہ 34ھ کے ربیع الثانی کا مہینہ ایک نہایت نازک اور فکری اعتبار سے اہم موڑ ہے، جب مصر میں اہلِ ایمان اور حکومتی نمائندوں کے مابین کشمکش نے سنگین صورت اختیار کر لی۔ یہ کشمکش محض سیاسی نوعیت کی نہ تھی بلکہ اس کے پس منظر میں عدل، شفافیت اور حکومتی طرزِ عمل پر اعتراضات کارفرما تھے۔

پس منظر: حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں مصر کو اسلامی فتوحات کا مرکز اور علمی و تمدنی ترقی کا گہوارہ بنایا گیا تھا۔ اہلِ مصر بالخصوص قبطی پس منظر رکھنے والے نومسلموں نے بھی اسلام کو قبول کیا اور وہاں ایک ہم آہنگ معاشرت کی بنیاد پڑی۔ لیکن خلافتِ عثمانی کے درمیانی عہد میں انتظامی حکمتِ عملی میں کچھ تبدیلیاں آئیں جن پر مقامی افراد اور بعض اکابر صحابہؓ و تابعینؒ نے اعتراض کیا۔

اہلِ مصر کی شکایات: ربیع الثانی 34ھ میں اہلِ مصر نے بعض گورنری فیصلوں اور مالیاتی تقسیم کے حوالے سے آواز بلند کی۔ وہ سمجھتے تھے کہ مقامی رعایا کے حقوق نظر انداز کیے جا رہے ہیں۔ ان کے شکایتی وفود نے بارہا مرکزی خلافت تک اپنی بات پہنچانے کی کوشش کی (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص70)۔

ظلم کی نوعیت: اس ماہ کے واقعات میں سب سے زیادہ نمایاں پہلو اہلِ علم اور ناصحین پر سختی کا تھا: **1-شکایت کرنے والوں پر سخت رویہ:** بجائے اس کے کہ ان کے مطالبات کو بغور سنا جاتا، بعض پر قید و بند اور دھمکیوں کا راستہ اختیار کیا گیا۔ **2-صحابہؓ و تابعینؒ کی مظلومیت:** بعض جلیل القدر صحابہؓ اور تابعینؒ کو عوامی مجالس میں نصیحت اور اصلاحی گفتگو سے روک دیا گیا۔ ان پر یہ دباؤ ڈالا گیا کہ وہ حکومتی پالیسیوں پر تنقید نہ کریں۔ **3-اظہارِ رائے کی آزادی کا فقدان:** اس دور میں علمی شخصیات کو سب سے بڑا دکھ یہی تھا کہ وہ امت کی خیر خواہی کے جذبے کے باوجود اپنی بات کھل کر نہ کہہ سکے۔ یہ سب مظلومیت اس بات کا ثبوت ہے کہ اقتدار کی سخت گیری اکثر اہلِ حق کے کردار اور وقار پر ضرب لگاتی ہے۔

علمی و تاریخی تجزیہ: یہ واقعہ اسلامی معاشرت کے اس نازک دور کو ظاہر کرتا ہے جب حکومت و رعایا کے درمیان فاصلے بڑھنے لگے۔ مصر جیسے بڑے صوبے میں اہلِ علم کو اظہارِ رائے سے روکنا دراصل امت کی فکری رہنمائی پر قدغن تھی۔ یہ وہی اہلِ مصر تھے جو بعد میں خلافتِ عثمانی کے خلاف فتنوں کے محرک بنے۔ اس لیے ربیع الثانی

34ھ کے واقعات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ پر پابندیاں عائد کرنا اس بات کی علامت تھی کہ سیاسی دباؤ نے علمی و دینی آزادی کو متاثر کیا۔

خلاصہ و نتائج: 1- ربیع الثانی 34ھ میں مصر میں اہلِ علم اور رعایا نے حکومتی طرزِ عمل پر اعتراضات کیے۔ 2- ان شکایات کے جواب میں بجائے انصاف اور سننے کے، سختی اور دباؤ کا راستہ اختیار کیا گیا۔ 3- بعض صحابہؓ اور تابعینؒ کو اصلاحی و دینی بات کرنے سے روک دیا گیا۔ 4- اس ظلم کی نوعیت فکری اور سیاسی تھی، جس نے علمی مجالس اور عوامی نصیحت کو محدود کر دیا۔ 5- یہ مظلومیت ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ اقتدار کو عدل و حلم کے ساتھ جوڑا جائے، ورنہ اہلِ حق کی آواز دبانے سے معاشرے میں اضطراب اور بغاوت کے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔

مصادر و مراجع: 1- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص70، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 2- بلاذری، فتوح البلدان، ج2، ص370، مطبوعہ دار و مکتبۃ الہلال، بیروت۔ 3- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص245، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔

جمادی الاولیٰ 34ھ: بیت المال کے معاملات پر اختلاف اور مستحقین کی محرومی

اسلامی ریاست میں بیت المال وہ ادارہ ہے جس کے ذریعے مستحقین، غریبوں اور حاجت مندوں کے حقوق پورے کیے جاتے ہیں۔ خلافتِ راشدہ کے

ابتدائی ادوار میں یہ ادارہ عدل و مساوات کی روشن مثال تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے ابتدائی دور میں بیت المال کی تقسیم کا معیار خالص اسلامی اصولوں پر مبنی رہا۔ تاہم سنہ 34ھ کے جمادی الاولیٰ میں اس کے معاملات پر اختلافات منظر عام پر آئے اور بعض شکایات نے امت کے اہلِ علم اور عوام دونوں کو بے چین کر دیا۔

پس منظر: حضرت عثمان غنیؓ نے خلافت کے آغاز سے ہی بیت المال کو منظّم رکھا۔ آپؓ کے دور میں فتوحات میں اضافہ ہوا، مالِ غنیمت، جزیہ اور خراج کی آمدنی بڑھی اور بیت المال خوش حالی کی مثال بن گیا۔ لیکن جب خلافت کا دائرہ وسیع ہوا تو بعض صوبائی کارندوں اور گورنروں کی پالیسیوں نے شکوک وشبہات کو جنم دیا۔ یہی وہ کیفیت تھی جسے مؤرخین نے جمادی الاولیٰ 34ھ کے نمایاں مسائل میں شمار کیا ہے۔

اختلاف کی نوعیت: اس ماہ میں بیت المال کی تقسیم پر اعتراضات سامنے آئے:

1-حاجت مندوں کی محرومی: غریب، یتیم اور مستحق طبقہ جس کے لیے بیت المال قائم کیا گیا تھا، بعض مواقع پر محروم رہا۔ **2-اہلِ اثر ورسوخ کی ترجیح:** تاریخ کے صفحات یہ بتاتے ہیں کہ جنہیں اقتدار یا حکومتی حلقوں میں قربت حاصل تھی، انہیں زیادہ حصہ ملا۔

3-احتساب کے مطالبات: بعض اہلِ مصر، بصرہ اور کوفہ سے تعلق رکھنے والے افراد نے گورنروں کی شکایات براہِ راست خلیفہ وقت تک پہنچانے کی کوشش کی۔ یہ اختلافات اگرچہ براہِ راست حضرت عثمان غنیؓ کی ذات پر نہیں تھے، تاہم ان کے مقرر کردہ حکام اور

کارندوں کے طرزِ عمل پر زیادہ اعتراضات تھے (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص405)۔

ظلم کی نوعیت: مالی ناانصافی: جس بیت المال کا مقصد امت کے کمزور طبقات کی اعانت تھا، وہاں بعض نااہل و طاقتور لوگوں کو ترجیح دی گئی۔ **سماجی توازن میں خلل:** جب غریب اور حاجت مند لوگ محروم رہ گئے تو عوام میں بے چینی اور اضطراب نے جنم لیا۔ **اہلِ حق کی مظلومیت:** بعض اکابرینِ صحابہؓ اور تابعینؒ نے اس طرزِ عمل پر اپنی ناراضگی ظاہر کی مگر ان کی رائے کو دھیان نہ دیا گیا (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص245)۔

علمی و تحقیقی تجزیہ: یہ مسئلہ دراصل اسلامی سیاست کے اس پہلو کو ظاہر کرتا ہے جہاں عدل و مساوات کو برقرار رکھنا حکمرانی کا سب سے اہم تقاضا ہے۔ بیت المال کی تقسیم میں ذرا سی بے اعتدالی بھی امت کی یکجہتی کو متاثر کر سکتی ہے۔ جمادی الاولیٰ 34ھ کے واقعات میں ظلم کی اصل نوعیت یہی تھی کہ معاشرتی عدل کے بنیادی تقاضوں کو نظر انداز کر کے اثر و رسوخ والے طبقات کو فوقیت دی گئی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ ذاتی طور پر نہایت کریم النفس اور سخاوت شعار تھے، مگر صوبائی نظم و نسق میں بعض کارندوں کی زیادتیاں اس بحران کا سبب بنیں۔

خلاصہ و نتائج: 1- جمادی الاولیٰ 34ھ میں بیت المال کے معاملات پر اختلافات پیدا ہوئے۔ 2- مستحق اور حاجت مند طبقہ محروم رہا جبکہ بااثر افراد کو ترجیح ملی۔ 3- یہ طرزِ عمل اہلِ مصر، کوفہ اور بصرہ کے عوامی احتجاج کا سبب بنا۔ 4- ظلم کی نوعیت معاشرتی و مالی ناانصافی تھی، جس نے امت میں اضطراب اور بدگمانی پیدا کی۔

5-اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ بیت المال میں عدل وانصاف قائم رکھنا خلافت کی بقااور امت کی وحدت کے لیے بنیادی شرط ہے۔

مصادر ومراجع: 1-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4،ص 405،مطبوعہ دار التراث، بیروت۔2-ابن کثیر،البدایہ والنہایہ، ج7،ص 245،مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔ 3-ابن اثیر،الکامل فی التاریخ،ج3،ص72،مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ،بیروت۔

جمادی الثانیہ 34ھ: تابعین کی گرفتاری اور اظہارِ رائے کی پابندی

اسلامی تاریخ کے سنہری ادوار میں صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ علم و ہدایت کے چراغ تھے۔ وہ قرآن وسنت کی تعلیمات کو عام کرنے اور امت کی دینی و اخلاقی تربیت کرنے والے تھے۔ان کی مجالسِ علم سے صداقت وحکمت کے دریا بہتے تھے۔ لیکن سنہ 34ھ کے جمادی الآخری میں تاریخ نے ایک ایسا المیہ بھی دیکھا کہ بعض اہلِ علم تابعینؒ کو ان کے دروس اور خطبات کی وجہ سے سختی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ایک ایسا باب ہے جو''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کے ذیل میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔

پس منظر: حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں اسلامی فتوحات مسلسل بڑھ رہی تھیں اور امتِ مسلمہ سیاسی وعسکری لحاظ سے طاقتور نظر آتی تھی۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ مختلف صوبوں میں عوامی بے چینی اور گورنروں کی سختیوں نے مسائل کو جنم دیا۔کوفہ اور بصرہ جیسے مراکز میں اہلِ علم تابعینؒ نے اصلاحی خطبات میں ان خرابیوں کی

نشاندہی کی۔ یہ خطبات اگرچہ خیر خواہی اور نصیحت پر مبنی تھے، لیکن بعض حکومتی کارندوں نے انہیں ''سیاسی تنقید'' کا رنگ دے کر سخت رویہ اختیار کیا۔

واقعہ کی نوعیت: بعض نامور تابعینؒ کو ان کے دروس اور وعظ و نصیحت کی مجالس میں ایسے اشارات دینے پر کہ جو حکومتی طرزِ عمل پر تنقید سمجھے گئے، گرفتار کیا گیا۔ اس گرفتاری کا مقصد عوامی سطح پر اصلاحی اور حق گوئی کی آواز کو دبانا تھا۔ ابن اثیر کے بیان کے مطابق بعض تابعینؒ کو خطبات کے بعد حراست میں لیا گیا اور ان پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ ان امور پر لب کشائی نہ کریں (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص72)۔

ظلم کی نوعیت: اظہارِ رائے پر جبر: آزادانہ علمی اور دینی گفتگو کو روکنے کے لیے حکومتی جبر استعمال کیا گیا۔ اہلِ حق کی مظلومیت: وہ تابعینؒ جنہوں نے خیر خواہی کے جذبے سے امت کو بیدار کرنا چاہا، ظلم کا نشانہ بنے۔ **علمی مجالس کی محدودیت:** اس جبر کا نتیجہ یہ نکلا کہ علمی اور دینی حلقوں میں خوف و احتیاط کا ماحول پیدا ہو گیا (ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج3، ص315)۔

علمی و تحقیقی تجزیہ: تابعینؒ کا کردار اسلامی تاریخ میں نہایت عظیم ہے۔ وہ صحابہ کرامؓ کے علوم کے امین تھے اور امت تک دین کی صحیح تعلیمات پہنچانے والے۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا کلمہ محض نصیحت اور خیر خواہی کے لیے ہوتا تھا۔ لیکن جب حکومتی کارندوں نے ان کے کلمات کو بغاوت یا سیاسی تنقید سمجھ کر گرفتاریوں کا راستہ اپنایا تو اس سے: 1- امت میں عدل و آزادیِ رائے کی فضا متاثر ہوئی۔ 2- حق گوئی کرنے والوں کے لیے مشکلات پیدا ہوئیں۔ 3- علمی ورثے کے حامل شخصیات مظلومیت کا شکار

ہوئیں۔ یہ واقعات ہمیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ حکمرانوں کا سخت رویہ ہمیشہ علمی تحریکات کو دبانے کا ذریعہ بنا، مگر تاریخ گواہ ہے کہ اہلِ حق کی صدائے حق کو کبھی مٹایا نہیں جاسکا۔

خلاصہ ونتائج: 1- جمادی الآخری 34ھ میں بعض تابعینؒ کو ان کے خطبات اور دروس کی وجہ سے گرفتار کیا گیا۔ 2- ظلم کی نوعیت اظہارِ رائے پر جبر اور علمی مجالس کی آزادی کو سلب کرنا تھی۔ 3- یہ اقدام دراصل اہلِ علم کو دبانے اور عوامی اصلاحی تحریک کو محدود کرنے کی کوشش تھی۔ 4- اہلِ حق نے صبر اور استقامت سے ان مصائب کو برداشت کیا، مگر تاریخ نے ان کی مظلومیت کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔ 5- اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ امت کی اصلاح کرنے والے اہلِ علم کو دبانا نہ صرف ظلم ہے بلکہ یہ امت کی فکری قوت کو بھی کمزور کرتا ہے۔

مصادر ومراجع: 1- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 72، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 2- ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج 3، ص 315، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔ 3- طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 407، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔

رجب 34ھ: حضرت ابوذر غفاریؓ کے افکار کی بازگشت اور ان کے متبعین پر دباؤ

اسلام کی تاریخ میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا شمار اُن جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں

ہوتا ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی زہد، حق گوئی اور عدل ومساوات کے قیام میں بسر کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں "ما أظلت الخضراء ولا أقلت الغبراء على ذی لهجة أصدق من أبی ذر" (زمین وآسمان نے ابوذر سے زیادہ سچا شخص نہیں دیکھا) کے لقب سے نوازا۔ یہ تعریف اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوذرؓ کا کردار، صدق واخلاص اور حق پر ڈٹ جانا امت کے لیے ایک روشن مینارۂ نور ہے۔

اگرچہ حضرت ابوذرؓ کی وفات 32ھ میں ہوئی، لیکن سنہ 34ھ میں بھی ان کے افکار کی بازگشت معاشرے میں سنائی دیتی رہی۔ ان کے شاگردوں اور متبعین کو ان کی تعلیماتِ زہد اور دولت پر تنقید کی پاداش میں مشکلات ومصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ دراصل اس بات کی علامت تھی کہ ان کی مظلومیت کا سلسلہ ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔

پس منظر: حضرت ابوذرؓ نے ہمیشہ قرآن وسنت کی روشنی میں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور بیت المال کے غلط استعمال پر آواز بلند کی۔ وہ دولت کو جمع کرنے اور حاجتمندوں کو محروم رکھنے کے سخت مخالف تھے۔ ان کی دعوت واصلاح کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کے سماجی انصاف کے اصول عملاً قائم رہیں۔ ان کے ان افکار نے بہت سے اہلِ علم اور عوام کو متاثر کیا۔ لیکن بعض طبقوں نے، جو مال ودولت کو اپنے اقتدار کے استحکام کا ذریعہ سمجھتے تھے، ان خیالات کو اپنے مفاد کے خلاف محسوس کیا۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ کو پہلے شام سے مدینہ اور پھر مدینہ سے ربذہ بھیج دیا گیا۔ ان کی وفات ربذہ میں نہایت مظلومیت کی حالت میں ہوئی۔

واقعہ کی نوعیت (34ھ): حضرت ابوذرؓ کے انتقال کے دو برس بعد بھی ان کے شاگرد اور متبعین معاشرے میں ان کے افکارِ زہد و قناعت کو بیان کرتے تھے۔ حکومتی کارندوں اور بعض اہلِ اقتدار نے ان افکار کو ''بغاوت'' اور ''سیاسی تنقید'' قرار دے کر ان کے متبعین پر دباؤ ڈالا۔ بعض علمی مجالس پر قدغن لگائی گئی تاکہ حضرت ابوذرؓ کے نظریات کو مزید پھیلنے سے روکا جا سکے (البدایہ والنہایہ، ج7، ص246)۔

ظلم کی نوعیت: افکار کو دبانا: حضرت ابوذرؓ کے نظریۂ عدل و مساوات اور ان کے اقوالِ حق کو بغاوت کا نام دے کر ان کے ماننے والوں کو دبایا گیا۔ **شاگردوں پر سختی:** ان کے شاگردوں اور متبعین کو علمی اور دینی مجالس میں کھل کر گفتگو کرنے کی آزادی نہ دی گئی۔ **زہد کو جرم بنانا:** دنیا سے بے رغبتی اور مال و دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے خلاف آواز بلند کرنا جرم تصور کیا گیا (الاصابہ، ج4، ص410)۔

علمی و تحقیقی تجزیہ: حضرت ابوذرؓ کی شخصیت دراصل اسلامی سماجی عدل کی مجسم تصویر تھی۔ ان کے افکار نے امت کو یاد دلایا کہ دولت کا ارتکاز اور محروم طبقات کو نظر انداز کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ ان کے بعد ان کے متبعین پر سختی دراصل یہ پیغام دیتی ہے کہ: 1- اہلِ حق کے افکار کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر تاریخ گواہ ہے کہ ایسے افکار مزید پھیلتے ہیں۔ 2- حضرت ابوذرؓ نے اپنے عمل اور قول سے بتا دیا کہ حق گوئی قربانی مانگتی ہے اور اس کی سزا دنیاوی اعتبار سے مظلومیت ہے، لیکن یہ قربانی امت کے لیے مشعلِ راہ بنتی ہے۔ 3- 34ھ میں ان کے متبعین پر دباؤ دراصل ان کی حقانیت کی دلیل ہے، کہ وہ آواز جو ربذہ کے صحرا سے اٹھی تھی، زندہ رہی اور آج

تک امت کو عدل و مساوات کا سبق دیتی ہے۔

خلاصہ و نتائج: 1-حضرت ابو ذرؓ کی وفات اگرچہ 32ھ میں ہوئی، لیکن 34ھ میں بھی ان کے افکار کی بازگشت ان کے متبعین کی صورت میں نمایاں رہی۔ 2-ان کے شاگردوں اور اہلِ فکر پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ ان کے نظریۂ زہد اور عدل کو نہ پھیلائیں۔ 3-ظلم کی نوعیت یہ تھی کہ ایک جلیل القدر صحابیؓ کے افکار کو بغاوت قرار دے کر دبانے کی کوشش کی گئی۔ 4-اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہلِ حق کی صدائے عدل کو وقتی طور پر دبایا جا سکتا ہے، مگر مٹایا نہیں جا سکتا۔ 5-حضرت ابو ذرؓ اور ان کے متبعین کی مظلومیت اسلام کے سماجی عدل کی بقا اور حق گوئی کے لازوال شرف کی علامت ہے۔

مصادر و مراجع: 1-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 246، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔ 2-ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج 4، ص 410، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 3-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 410، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔ 4-ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج 4، ص 62، مطبوعہ دار الجیل، بیروت۔

شعبان 34ھ: بحری مہمات میں سختیاں اور عوامی مشکلات

اسلام کی فتوحات کی تاریخ میں سنہ 34ھ ایک ایسا سال ہے جس میں داخلی اضطراب اور انتظامی سختیوں کے ساتھ ساتھ بیرونی جہاد کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اس

سال بالخصوص شام اور مصر کے علاقوں سے بحری مہمات میں وسعت پیدا کی گئی۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اسلامی بحری قوت کو مضبوط کرنے کے لیے مسلسل جہاد کی تیاری کا اہتمام فرمایا، تاکہ اسلامی سلطنت کو روم کے بحری تسلط سے محفوظ رکھا جا سکے۔ یہ اقدام بظاہر ایک عظیم اور دینی مقصد کے لیے تھا، لیکن اس کے نفاذ کے دوران عوام الناس کو شدید مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

پس منظر: بحری مہمات کا آغاز دراصل حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ہوا۔ اس سے قبل اسلامی فتوحات زیادہ تر خشکی پر محدود تھیں۔ روم کی بحری طاقت کا توڑ کرنے کے لیے شام اور مصر کے ساحلی علاقوں سے بڑے پیمانے پر فوجی بھرتی کی گئی۔ مقامی لوگ، جو پہلے ہی زمین کی کاشت اور تجارتی مشکلات میں گھرے تھے، اچانک اس نئی جہادی ضرورت سے دوچار ہو گئے۔ بعض عوام نے اپنی مشکلات اور غربت کا حال بیان کیا اور اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ ان کی معاشی حالت مزید بھرتی اور مسلسل جنگی تیاریوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ تاہم ان اعتراضات کو حکومتی سطح پر نرم رویہ اختیار کرنے کے بجائے عسکری سختی اور جبر کے ذریعے دبانے کی کوشش کی گئی۔

ظلم کی نوعیت: 1-عوامی مشکلات کو نظر انداز کرنا: عوام نے معاشی کمزوری اور گھریلو حالات کی دشواریوں کا ذکر کیا، لیکن ان کی شکایات کو خاطر میں نہ لایا گیا۔ **2-طاقت کا استعمال:** بعض علاقوں میں لوگوں کو بحری مہم میں شامل ہونے پر مجبور کیا گیا (فتوح البلدان، بلاذری، ج2، ص375)۔ **3-اعتراضات کو دبانا:** جو لوگ بھرتی کے نظام

پر تنقید کرتے یا اپنی بے بسی بیان کرتے، ان پر سختی کی جاتی اور ان کے اعتراض کو ''انکارِ جہاد'' قرار دیا جاتا (تاریخ طبری، ج4،ص407)۔

علمی وتحقیقی تجزیہ: یہ حقیقت واضح ہے کہ جہاد اسلامی تعلیمات کا ایک لازمی حصہ ہے، لیکن اسلام نے جہاد کے ساتھ عدل وشفقت اور رعایت کا پہلو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ عوام پر بلاوجہ سختی کرنا اور ان کی مشکلات کو نظر انداز کرنا اسلامی حکمتِ جہاد کے خلاف ہے۔ اس دور میں عوام کو ایک طرف رومی افواج کے خطرے کا سامنا تھا اور دوسری طرف داخلی سطح پر اقتصادی مسائل نے انہیں بے بس کر دیا تھا۔ عوامی شکایات کو دبانے کے لیے طاقت کا استعمال دراصل اس بات کی علامت ہے کہ حکومتی سطح پر عوامی مشکلات کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کے وہ مستحق تھے۔ یہ واقعہ تاریخ میں ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ جہاد کے مقاصد بلند اور عظیم ہیں، لیکن اگر اس کے نفاذ میں عدل وانصاف کو پسِ پشت ڈال دیا جائے تو عوام میں اضطراب اور بے چینی پیدا ہوتی ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 34ھ کے ماہ شعبان میں شام اور مصر سے بحری جہاد کے لیے مزید بھرتی کی گئی۔ 2-عوام نے اپنی معاشی اور گھریلو مشکلات بیان کیں، لیکن ان کی شکایات کو تسلیم کرنے کے بجائے طاقت کے ذریعے دبایا گیا۔ 3-ظلم کی نوعیت یہ تھی کہ عوامی آواز کو جبر کے ذریعے خاموش کیا گیا، حالانکہ وہ اسلام اور خلافت سے بدظن ہونے کے بجائے صرف اپنی مجبوری کا اظہار کر رہے تھے۔ 4-یہ واقعہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ اسلامی نظام میں جہاد کے ساتھ رعایت، عدل اور رعایا کی

سہولت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

مصادر و مراجع: 1-احمد بن یحییٰ البلاذری، فتوح البلدان، ج 2، ص 375، مطبوعہ دار و مکتبہ الہلال، بیروت۔ 2-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 407، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔ 3-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 247، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔ 4-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 75، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

رمضان 34ھ: اکابر تابعین کی شہادتیں اور ان کے اثرات

اسلامی تاریخ کا مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ جہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی جانوں کو اللہ کے دین کی خاطر قربان کیا، وہیں تابعین کرام جو براہِ راست صحابہ کی صحبت سے فیض یافتہ تھے نے بھی دین کے دفاع اور حق کی نصرت میں اپنی زندگیاں نچھاور کیں۔ سنہ 34ھ کے ماہِ رمضان میں بعض ایسے اکابر تابعین کی شہادتیں تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں جنہوں نے دینِ اسلام کی بقا اور باطل کے مقابلے میں کلمۂ حق بلند کرنے میں کوئی دریغ نہ کیا۔

پس منظر: تابعین کا طبقہ علمی، روحانی اور فکری اعتبار سے نہایت ممتاز مقام رکھتا ہے۔ ان کی علمی گہرائی اور عملی زندگی میں زہد و تقویٰ کے آثار نمایاں تھے۔ وہ نہ صرف محدثین اور فقہاء کے استاد تھے بلکہ امت کے لیے ایک نمونۂ عمل کی حیثیت رکھتے

تھے۔ان کا وعظ ونصیحت اکثر امراء وحکام کے لیے ناگوار گزرتا کیونکہ وہ حق گوئی اور اصلاح کے داعی تھے۔

شہادت کے واقعات: تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ 34ھ میں جہاد کے مختلف محاذوں پر اکابر تابعین کی شہادتیں ہوئیں۔اگرچہ بظاہر یہ شہادتیں عسکری میدان کی ہلاکتیں قرار دی گئیں،لیکن پس پردہ بعض حلقے ایسے بھی تھے جوان کی تنقیدی آواز اور وعظ ونصیحت کو اپنے لیے چیلنج سمجھتے تھے۔بعض تابعین نے امراء کے فضول خرچ طرزِ حیات اور بیت المال میں بے جا تصرف پر اعتراض کیا۔ان کی حق گوئی اور بے خوف وعظ بعض حکومتی ذمہ داران کو ناگوار گزرا۔ایسے حالات میں ان کی شہادت کو محض ''جہاد کے میدان میں ایک حادثہ'' قرار دے دیا گیا تاکہ حقیقت کو چھپایا جاسکے (الاصابہ فی تمییز الصحابہ،ج 3،ص 318؛الاستیعاب،ج 2،ص 152)۔

ظلم کی نوعیت:1-حق گوئی پر سختی: ان تابعین کے وعظ ونصیحت کو برداشت نہ کیا گیا اور ان کی تنقید کو بغاوت شمار کیا گیا۔**2-شہادت کی حقیقت کو چھپانا:** ان کے قتل وشہادت کے پس پردہ عوامل کو تاریخی طور پر ''عسکری حادثہ'' بنا کر پیش کیا گیا تاکہ اصل وجوہات منظر عام پر نہ آئیں۔**3-امت کو فکری نقصان:** ایسی شخصیات کی شہادت نے امت کو علمی اور روحانی رہنمائی سے محروم کر دیا۔

علمی وتحقیقی تجزیہ: یہ واقعات اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ تاریخِ اسلام میں بعض اوقات ایسے نفوس قدسیہ کو بھی نشانہ بنایا گیا جو دراصل امت کی اصلاح اور دین کی سربلندی کے لیے کوشاں تھے۔تابعین کی شہادتیں ہمیں یہ پیغام دیتی ہیں کہ حق گوئی

اور وعظ ونصیحت کا راستہ ہمیشہ قربانی مانگتا ہے۔حکمرانوں کے جبر یا معاشرتی دباؤ کے باوجود ان اکابر نے اپنی زبانوں کو خاموش نہ کیا اور اپنی جانیں قربان کر کے حق کی صدا بلند رکھی۔ یہ شہادتیں بعد کے زمانوں کے علماء اور اہلِ حق کے لیے مشعلِ راہ بنیں کہ وہ باطل کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑے ہوں، خواہ انجام جان کی قربانی ہی کیوں نہ ہو۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 34ھ کے ماہِ رمضان میں بعض اکابر تابعین نے حق گوئی اور اصلاحی دعوت کی پاداش میں اپنی جانوں کی قربانی دی۔2-ان کی شہادت کو تاریخ میں عام عسکری حادثہ بنا کر پیش کیا گیا تا کہ اصل وجوہات چھپ جائیں۔ 3-یہ شہداء امت کے مظلوم طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں جنہوں نے ظلم کے سامنے جھکنے کے بجائے جان قربان کر دی۔4-اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اہلِ حق ہمیشہ قربانی دیتے آئے ہیں اور ان کی قربانیوں ہی سے دین کی شمع روشن ہے۔

مصادر ومراجع: 1-ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج 3، ص 318، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 2-ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج 2، ص 152، مطبوعہ دار الجیل، بیروت۔ 3-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 250، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔4-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 77، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

ذوالقعدہ 34ھ: اہلِ مدینہ کی بے چینی اور اہلِ حق کا موقف

اسلامی تاریخ میں مدینہ منورہ کو وہ مرکزی مقام حاصل ہے جہاں سے اسلام

کا نور پھیلا اور جہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے علم، عمل اور عدل سے امت کی رہنمائی فرمائی۔ خلافتِ عثمانی کے آخری دور میں جب کچھ داخلی اور خارجی اسباب کی بنا پر فکری و سیاسی فضا مکدر ہونے لگی تو اہلِ مدینہ میں ایک بے چینی اور اضطراب نمایاں ہوا۔ سنہ 34ھ کے ذوالقعدہ میں اس اضطراب کی شدت بڑھ گئی، اور اکابر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے تحفظات تاریخ کی معتبر کتب میں محفوظ ہیں۔

پس منظر: خلافتِ عثمانی کے ابتدائی برسوں میں عدل و مساوات کی مثالیں قائم ہوئیں اور اسلامی فتوحات وسیع پیمانے پر پھیلیں۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بعض گورنروں کے طرزِ عمل پر اعتراضات اٹھنے لگے، بیت المال کے معاملات پر اختلافات سامنے آئے، اور عوام و خواص کے درمیان شکایات کا سلسلہ بڑھنے لگا، مدینہ منورہ چونکہ مرکزِ خلافت اور صحابہ کرام کا مسکن تھا، اس لیے ان حالات پر سب سے زیادہ تشویش اہلِ مدینہ ہی کو لاحق ہوئی۔ **اہلِ مدینہ کی بے چینی:** تاریخی روایات کے مطابق: 1- اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام رحمہم اللہ نے حکومتی طرزِ عمل پر عدمِ اطمینان کا اظہار کیا۔ ان میں حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عائشہؓ صدیقہ اور دیگر اکابر کے تحفظات تاریخ میں مذکور ہیں۔ تابعین نے بھی اصلاحی آراء پیش کیں تاکہ امت کا اتحاد اور نظامِ عدل برقرار رہے۔

2- ظلم کی نوعیت: ان کے مخلصانہ تحفظات اور آراء کو سیاسی مخالفت سے تعبیر کیا گیا۔ ان کے حق پر مبنی مشوروں کے جواب میں تنقید و الزام تراشی کی فضا قائم کر دی

گئی۔اس طرزِ عمل نے مدینہ کے علمی وروحانی ماحول کو متاثر کیا اور امت کے اتحاد میں ضعف پیدا ہوا (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص410؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص75)۔

علمی وتحقیقی تجزیہ: یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ اکابر صحابہ وتابعین کے اقوال اور آراء سیاسی عہدہ ومنصب کے حصول کے لیے نہیں تھے بلکہ سراسر دینی غیرت اور اصلاحی جذبہ کے تحت تھے۔ان کے تحفظات کو ''سیاسی مخالفت'' کہنا تاریخ کے ساتھ زیادتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ نفوسِ قدسیہ امت کو فساد وانتشار سے بچانے کے لیے کلمۂ حق بلند کررہے تھے۔ان کی تنقید ونصیحت کا مقصد شریعت کے اصولوں کی حفاظت اور عدل ومساوات کے تقاضوں کو قائم رکھنا تھا۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 34ھ کے ذوالقعدہ میں اہلِ مدینہ بالخصوص اکابر صحابہؓ اور تابعینؒ نے حکومتی طرزِ عمل پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔2-ان کی آراء کو سیاسی مخالفت کے طور پر پیش کیا گیا، حالانکہ وہ امت کے لیے خیر خواہی اور اصلاح پر مبنی تھیں۔3-ظلم کی نوعیت یہ تھی کہ حق پر مبنی آوازوں کو الزام وتنقید سے دبانے کی کوشش کی گئی۔4-ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں اہلِ حق کو اکثر ایسی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا جہاں ان کی مخلصانہ نصیحت کو مخالفت شمار کیا گیا۔5-اہلِ مدینہ کی بے چینی دراصل امت کے مظلوم ومحروم طبقے کے حق میں ایک صدا تھی، جس نے آنے والے بڑے فتنوں کی تمہید قائم کردی۔

مصادر ومراجع: 1-امام محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص

410، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔ 2- ابن اثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 75، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 3- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 248، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔ 4- ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج 2، ص 154، مطبوعہ دار الجیل، بیروت۔

ذوالحجہ 34ھ: اکابر صحابہ وتابعین کی وفیات اور ان کی مظلومیت

اسلامی تاریخ کے صفحات شہادتوں اور وفیاتِ اکابر سے مملو ہیں۔ یہ وفیات جہاں ایک طرف امت کے لیے غم واندوہ کا باعث تھیں، وہیں ان سے یہ حقیقت بھی نمایاں ہوئی کہ دین کے خدام ہمیشہ دنیاوی اقتدار اور جاہ ومنصب سے بے نیاز ہو کر اپنی زندگیاں وقفِ دین کرتے رہے۔ ذوالحجہ 34ھ میں بعض اکابر صحابہؓ اور تابعینؒ نے اس دنیا سے رخصتی اختیار کی۔ ان کی وفات نے امت کے علمی اور روحانی سرمائے میں ایک خلا پیدا کیا۔

پس منظر: سنہ 34ھ اسلامی خلافت کے دور کا ایک ایسا سال تھا جس میں سیاسی فضا مکدر، علمی ماحول متاثر اور عوامی اضطراب بڑھ رہا تھا۔ ان حالات میں جب اکابر اہلِ حق دنیا سے رخصت ہوتے تو ان کے شاگردوں اور متبعین کے لیے یہ ایک عظیم صدمہ ثابت ہوتا۔ یہ وہ نفوسِ قدسیہ تھے جنہوں نے دینِ اسلام کے لیے اپنی زندگیاں کھپا دیں۔ ان کا زہد وتقویٰ، علم وفضل اور عدل ودیانت امت کے لیے مشعلِ راہ

تھا۔ مگر ان کی رحلت کے وقت سیاسی منظر نامہ اس قدر آلودہ ہو چکا تھا کہ ان کی قدر دانی اور علمی خدمات کا اعتراف ماند پڑ تا گیا۔

اکابر کی وفیات: تاریخی مصادر میں مذکور ہے کہ ذوالحجہ 34ھ کے مہینے میں بعض جلیل القدر صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کا وصال ہوا۔ 1-ان حضرات کی وفات کی خبر نے اہلِ مدینہ اور دیگر مراکزِ اسلام کو غمزدہ کیا۔ 2-ان کے وصال کے ساتھ ہی علمی و روحانی وراثت میں ایک خلا محسوس ہوا، جسے پر کرنا بعد والوں کے لیے آسان نہ تھا۔ 3-ان اکابر میں بعض ایسے تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی نصیحت، تعلیم و تدریس اور حق گوئی میں گزاری، لیکن وفات کے وقت حالات نے انہیں تنہائی اور گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا تھا (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص248؛ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج4، ص420)۔

مظلومیت کی نوعیت: ان نفوسِ قدسیہ کو ان کی علمی و روحانی عظمت کے باوجود دنیاوی اقتدار اور شہرت سے محروم رکھا گیا۔ حالات کی ناقدری نے ان کی خدمات کے صحیح اعتراف میں رکاوٹ ڈالی۔ گویا ان کی مظلومیت یہ تھی کہ امت ان کی علمی و عملی میراث سے پوری طرح فائدہ نہ اٹھا سکی، کیونکہ سیاسی ہنگامے اور فتنہ و فساد کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے ساتھ ہی دین و ملت کے لیے ایک چراغ بجھ گیا، لیکن تاریخ نے ان کے تذکرے کو محفوظ کیا تا کہ آنے والی نسلیں ان سے رہنمائی حاصل کریں۔

خلاصہ و نتائج: 1-ذوالحجہ 34ھ میں بعض اکابر صحابہؓ اور تابعینؒ نے وفات پائی، جو امت کے لیے ایک بڑا خسارہ تھا۔ 2-ان حضرات کی زندگی علمی و دینی

خدمات سے معمور تھی، مگر ان کے وصال کے وقت سیاسی انتشار نے ان کے مقام کو اجاگر ہونے نہ دیا۔ 3- ان کی مظلومیت اس بات میں تھی کہ وہ اپنی عظمت کے باوجود اقتدار سے دور اور حالات کی ناقدری کا شکار رہے۔ 4- اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہلِ حق کی عظمت اقتدار و سیاست سے وابستہ نہیں، بلکہ ان کا مقام دین کی خدمت اور اخلاص و تقویٰ سے ہے۔ 5- ان وفیات نے امت کو یہ پیغام دیا کہ اہلِ ایمان کا حقیقی سرمایہ علم و عمل ہے، نہ کہ دنیاوی اقتدار و جاہ و حشمت۔

مصادر و مراجع: 1- ابن کثیر الدمشقی، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 248، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔ 2- ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج 4، ص 420، مطبوعہ دار الجیل، بیروت۔ 3- ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج 2، ص 160، مطبوعہ دار الجیل، بیروت۔ 4- ابن اثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 76، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

سنہ 35 ہجری کے اہم واقعات

(محرم 35ھ: فتوحات کے تسلسل میں انتظامی بے چینی اور مظلومیت کا پس منظر)

اسلامی تاریخ کا سنہ 35 ہجری ایک نہایت نازک اور حساس دور ہے۔ بظاہر اسلامی سلطنت کی فتوحات وسیع پیمانے پر جاری تھیں؛ عراق، بصرہ اور شام کے محاذوں سے کفار کی سرزمینیں مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ رہی تھیں۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ اندرونی

طور پر امت میں ایک ناپسندیدہ صورتِ حال بھی پیدا ہوئی۔ بیت المال کی تقسیم اور غنائم کے معاملے میں وہ مساوات اور عدل جسے خلافتِ راشدہ کا شیوہ سمجھا جاتا تھا، رفتہ رفتہ متاثر ہونے لگا۔ بعض علاقوں میں اثر ورسوخ رکھنے والوں کو فوقیت ملنے لگی اور عوامی طبقہ خصوصاً حق دار مجاہدین کو محرومی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی وہ مظلومیت ہے جس نے مستقبل کے فتنوں کی بنیاد ڈالی۔

فتوحات کا تسلسل: امام طبریؒ اور ابن اثیرؒ کے مطابق محرم 35ھ میں بھی اسلامی لشکر اپنے محاذوں پر مصروفِ عمل رہا۔ عراق اور بصرہ کے مجاہدین نے ایرانی سرزمین میں کئی اہم مقامات کو فتح کیا اور شام کے میدانوں میں رومیوں کے خلاف کامیابیوں کا سلسلہ جاری رہا (تاریخ الطبری، ج 4، ص 420، مطبوعہ دار التراث، بیروت، الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج 3، ص 80، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔ یہ فتوحات اسلام کی غلبہ و نصرت کا مظہر تھیں، لیکن داخلی حالات کے اعتبار سے یہ دور آزمائش کا زمانہ بھی تھا۔

انتظامی بے چینی اور بیت المال کا معاملہ: فتوحات کے ساتھ ساتھ بیت المال میں بھی کثرت آ گئی۔ لیکن تقسیم کے اصولوں میں وہ سختی اور عدل نہ رہا جو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں نمایاں تھا۔ اثر ورسوخ رکھنے والوں کو فوقیت دی جانے لگی۔ بعض کمزور اور بے وسیلہ مجاہدین و عوامی طبقات محرومی کا شکار ہوئے۔ عراق اور بصرہ کے کچھ قبائل نے اپنے ساتھ ناانصافی کی شکایت کی۔ امام طبریؒ نقل کرتے ہیں کہ اس دور میں بعض اہلِ علم و زہد شخصیات نے بھی اس غیر منصفانہ تقسیم پر اظہارِ افسوس

کیا اور امت کے زوال کا سبب اسے قرار دیا (تاریخ الطبری، ج4، ص420)۔

مظلومیت کی نوعیت: یہ مظلومیت دراصل امت کے اس طبقے کی تھی جو صفِ اول میں جہاد کرتا رہا، جان و مال کی قربانیاں دیتا رہا، لیکن مالِ غنیمت اور بیت المال کی تقسیم میں محرومی کا شکار ہوا۔ ان کے مقابلے میں وہ لوگ جو سیاسی اثر و رسوخ رکھتے تھے یا حکومتی مناصب پر فائز تھے، ان کو زیادہ حصہ ملا۔ اس طرزِ عمل نے نہ صرف مظلوم طبقات کے دلوں میں شکوک پیدا کیے بلکہ آئندہ آنے والے فتنوں کی راہ بھی ہموار کر دی۔ ابن اثیرؒ کے بیان کے مطابق: **كانت الفتوح قائمة، غير أن أحوال بيت المال تغيّرت وظهر التمييز بين الناس** (الکامل فی التاریخ، ج3، ص80)۔

تاریخی پس منظر اور اس کے اثرات: یہ انتظامی بے چینی محض وقتی نہ تھی، بلکہ آنے والے واقعات کی جڑ بنی۔ اسی سال کے آخر اور بعد کے برسوں میں کوفہ اور بصرہ میں شورشوں نے سر اٹھایا۔ اہلِ مصر اور اہلِ کوفہ کی تحریکیں بڑھیں اور ان کا مرکزی ہدف خلافتِ عثمانی کی پالیسیوں پر اعتراض بن گیا۔ گویا محرم 35ھ کا یہ مظلومانہ منظر اس بات کی علامت تھا کہ جب عدل اور مساوات کے اصولوں سے انحراف کیا جائے تو امت کا امن متزلزل ہوتا ہے۔

خلاصہ و نتائج: 1- محرم 35ھ میں اسلامی سلطنت کی فتوحات تو جاری رہیں، لیکن اندرونی انتظامی بے چینی بڑھنے لگی۔ 2- بیت المال اور مالِ غنیمت کی تقسیم میں اثر و رسوخ والوں کو فوقیت دی گئی جبکہ اصل محاذ کے مجاہدین اور عام طبقات محروم

رہے۔ 3- یہ صورتحال مظلومیت کی ایک بڑی مثال ہے کہ حق دار محروم اور غیر مستحقین کو فوقیت دی گئی۔ 4- اس دور کی ناانصافیاں بعد کے بڑے فتنوں کی بنیاد بنیں، جنہوں نے امت کے اتحاد کو شدید متاثر کیا۔ 5- خلافتِ راشدہ کے اصول عدل و مساوات کو باقی رکھنا ہی امت کی سلامتی اور استحکام کی ضمانت ہے۔

مصادر و مراجع: 1- امام محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 420، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔ 2- امام ابن اثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 80، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 248، مطبوعہ مکتبہ المعارف، ریاض۔ 4- البلاذری، فتوح البلدان، ص 349، مطبوعہ دار و مکتبۃ الہلال، بیروت۔

صفر 35ھ: مصر و کوفہ کے شاکیان اور مظلومیت کا پس منظر

اسلامی خلافتِ راشدہ کے عہد کا سنہ 35 ہجری تاریخ کے حساس ترین ابواب میں سے ہے۔ اگرچہ اسلام کے نور نے مشرق و مغرب کو منور کر دیا تھا اور فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو رہا تھا، مگر دوسری طرف بعض خطوں میں انتظامی مشکلات اور عوامی شکایات بھی بڑھنے لگیں۔ صفر 35ھ کا واقعہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جب مصر اور کوفہ کے بڑے طبقے نے گورنروں کے خلاف اپنی فریاد بلند کی۔ یہ فریاد محض شکایت نہ تھی بلکہ عدل و مساوات کے اصولوں کے زوال پر ایک احتجاج تھا۔

اہلِ مصر اور کوفہ کی شکایات: امام ابن اثیرؒ اور امام بلاذریؒ کے مطابق، صفر 35ھ میں اہلِ مصر اور اہلِ کوفہ کی ایک بڑی جماعت نے اپنے گورنروں کے طرزِ عمل پر سخت ناراضی کا اظہار کیا۔ ان کی شکایات کے اہم نکات یہ تھے: 1- حکومتی عمال کے رویے میں سختی اور رعایا پر بوجھ کا بڑھ جانا۔ 2- بعض مقامات پر بیت المال کے استعمال اور تقسیم میں بے انصافی۔ 3- شکایت کنندگان کی فریادوں کو سننے کے بجائے ان کو بغاوت کا طعنہ دینا (الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج3، ص82، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، انساب الاشراف، بلاذری، ج5، ص32، مطبوعہ دار المعارف، قاہرہ)۔

ظلم کی نوعیت: یہ ظلم اس معنی میں نہ تھا کہ ہر جگہ کھلے عام جبر روا رکھا گیا، بلکہ مظلومیت کا پہلو یہ تھا کہ رعایا کی حقیقی فریادیں دبی رہیں اور ان کی بات کو اہمیت نہ دی گئی۔ ان کی شکایات کو عموماً بغاوت، شرارت یا نافرمانی سے تعبیر کیا گیا۔ اہلِ کوفہ اور اہلِ مصر میں وہ طبقہ جو خلافتِ عثمانی سے خیر خواہی کی بنیاد پر اصلاح چاہتا تھا، ان کو بھی مخالفین کی صف میں شمار کر کے نظر انداز کیا گیا۔ چنانچہ ابن اثیرؒ کے الفاظ ہیں: **فكانت الشكوى عامة، وكان الرد عليهم بالقوة، فزادت النفوس غيظاً** (الکامل، ج3، ص82)۔ **اہلِ مصر کی حالت:** اہلِ مصر نے اپنے گورنر کے خلاف سب سے زیادہ شکایات کیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ان پر غیر منصفانہ ٹیکس عائد ہوتے ہیں اور حکام کے ظلم سے ان کا جینا دوبھر ہو چکا ہے۔ ان کی جماعتیں بار ہا مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئیں تا کہ خلیفۂ وقت کے سامنے براہِ راست فریاد پیش کریں۔ **اہلِ کوفہ کا احتجاج:** اہلِ کوفہ،

جو اپنی جرائت و اظہارِ رائے کے لیے مشہور تھے، ان کی شکایات کا مرکز یہ تھا کہ بیت المال اور مناصب میں قریبی طبقے کو ترجیح دی جاتی ہے اور عام لوگ محروم رہتے ہیں۔ یہی احساسِ محرومی ان کی مظلومیت کا بڑا سبب بنا۔

مظلومیت کا پہلو: اس پورے پس منظر میں اصل مظلوم وہ عوام تھے جو عدل و انصاف کے طلبگار تھے، مگر ان کی فریاد کو نہ صرف دبایا گیا بلکہ ان پر فتنہ پروری اور بغاوت کا الزام لگا دیا گیا۔ اس نے ان کے دلوں میں بے چینی اور اضطراب کو اور بڑھا دیا۔ یہ محروم اور پسے ہوئے طبقات ہی اسلامی تاریخ کی مظلوم شخصیات کے عنوان کے تحت قابلِ ذکر ہیں۔ تاریخی اثرات: یہ شکایات وقتی نہ تھیں، بلکہ بعد کے بڑے فتنوں کی بنیاد بنیں۔ یہی اہلِ مصر اور اہلِ کوفہ کی جماعتیں چند ماہ بعد مدینہ منورہ پہنچیں اور خلافتِ عثمانی کے خلاف سخت احتجاجات کا سبب بنیں۔ اس طرح صفر 35ھ کے یہ مظلوم لوگ تاریخ کے ایک بڑے سانحے کا مقدمہ ثابت ہوئے۔

خلاصہ و نتائج: 1- صفر 35ھ میں اہلِ مصر اور اہلِ کوفہ نے اپنے گورنروں کے خلاف اجتماعی شکایات پیش کیں۔ 2- ان شکایات کا تعلق حکومتی سختی، بیت المال کی تقسیم اور رعایا پر بوجھ سے تھا۔ 3- ان شکایات کو سننے کے بجائے دبایا گیا اور شکایت کنندگان کو باغی سمجھا گیا۔ 4- یہ رویہ مظلومیت کا آئینہ دار تھا کہ اصلاح کی نیت رکھنے والوں کو بھی فتنہ گر کہا گیا۔ 5- یہی حالات بعد کے بڑے سیاسی و دینی فتنوں کی تمہید بنے۔

مصادر و مراجع: 1- امام ابن اثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 82،

مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 2-احمد بن یحیی البلاذری، انساب الاشراف، ج 5، ص 32، مطبوعہ دار المعارف، قاہرہ۔ 3-امام محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 425، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔ 4-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 252، مطبوعہ مکتبہ المعارف، ریاض۔

ربیع الاول 35ھ

(حضرت عثمان ذوالنورینؓ پر بڑھتی ہوئی تنقید اور اس کے پس منظر)

تاریخِ اسلام میں تیسرا عشرہ خلافتِ راشدہ کا نہایت نازک دور ہے۔ حضرت سیدنا عثمان غنیؓ، خلیفہ ثالث، جنہیں رسول اللہ ﷺ کے دو مرتبہ دامادی کا شرف حاصل ہوا، جن کے جود وسخا کے واقعات سے صحیفۂ تاریخ منور ہے، اور جن کے عدل و تقویٰ کی گواہی خود عہدِ نبوی وعہدِ صدیقی و فاروقی کے واقعات دیتے ہیں، ان کے خلاف 35ھ میں ایک منصوبہ بند اور منظّم پروپیگنڈہ کی لہر اٹھی۔ اس ماہ (ربیع الاول 35ھ) کے واقعات خاص طور پر اس فتنہ کے بڑھنے اور منافقین کے منظّم ہونے کی طرف واضح اشارہ کرتے ہیں۔

اہلِ کوفہ، بصرہ اور مصر کے وفود کی آمد: ربیع الاول 35ھ میں اہلِ کوفہ، بصرہ اور مصر کے متعدد وفود مدینہ منورہ پہنچے۔ ان وفود کے آنے کا بظاہر مقصد گورنروں کے خلاف شکایات پیش کرنا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی شکایات کو بڑی توجہ سے سنا اور

اصلاحی اقدامات کرنے کی سعی فرمائی (الطبری، ج4، ص423)۔ان شکایات میں کچھ حقیقی نوعیت کی انتظامی کوتاہیاں بھی شامل تھیں، مگر افسوس کہ اس ماحول میں منافق عناصر نے جھوٹی افواہیں اور بے بنیاد الزامات کو بھی شامل کر کے ایک ہنگامہ خیز فضا پیدا کی۔

پروپیگنڈہ اور الزامات کا پس منظر: اہلِ مدینہ اور دیگر علاقوں کے عوام پر اثر انداز ہونے کے لیے بعض منافقین اور بغاوتی ذہن رکھنے والے افراد نے درج ذیل پروپیگنڈہ کیا: 1- گورنروں پر ذاتی مفاد کے لیے تقرری کے الزامات۔ 2- بیت المال کے اموال میں ناجائز تصرف کا پروپیگنڈہ۔ 3- حضرت عثمانؓ پر اقرباء پروری کا بے بنیاد الزام۔ یہ تمام الزامات تحقیق کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے، کیونکہ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بارہا اپنے عمال کو ہٹایا، ان سے حساب طلب کیا اور رعایا کی شکایات دور کرنے کی کوشش کی (البدایہ والنہایہ، ج7، ص248)۔

حضرت عثمانؓ کی اصلاحی کوششیں: حضرت عثمانؓ کی نرم مزاجی، حلم اور رعایا پروری کا یہ عالم تھا کہ مخالفین کے تلخ رویے اور سخت زبان کے باوجود آپؓ ان کے مطالبات کو سنتے اور اصلاحی احکامات صادر فرماتے۔ حضرت عثمانؓ نے بعض شکایات پر گورنروں کی باز پرس کی۔ مختلف صوبوں کے معاملات کو بہتر بنانے کے لیے مشورہ طلب کیا۔ صحابہ کرامؓ کے ایک مشاورتی اجلاس میں حالات کی سنگینی پر غور کیا۔ لیکن افسوس کہ یہ تمام اقدامات بھی فتنہ پروروں کو مطمئن نہ کر سکے، کیونکہ ان کا مقصد اصلاح نہیں بلکہ فتنہ انگیزی تھی۔

حضرت عثمانؓ کی عظمت کو مجروح کرنے کی سازش: تاریخی روایات اس بات پر متفق ہیں کہ اصل محرکین عبداللہ بن سبا اور اس کے ہم نوا منافقین تھے، جنہوں نے دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے وفود کو بھڑکایا اور جھوٹے الزامات کو ایک سیاسی تحریک کی شکل دے دی۔ اس تحریک کا مقصد حضرت عثمانؓ کی خلافت اور شخصیت کو نشانہ بنانا تھا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں خلیفہ وقت کی عظمت کم کی جائے اور ان کے خلاف بغاوت کے لیے ماحول سازگار بنایا جائے (البدایہ والنہایہ، ج7، ص248)۔

خلاصہ و نتائج: 1- ربیع الاول 35ھ میں اہلِ کوفہ، بصرہ اور مصر کے وفود مدینہ آئے اور گورنروں کے خلاف شکایات پیش کیں۔ 2- حضرت عثمانؓ نے ان شکایات کو سنجیدگی سے لیا اور اصلاحی اقدامات کیے۔ 3- بعض حقیقی مسائل کے ساتھ ساتھ منافقین نے جھوٹے الزامات اور افواہیں شامل کر کے ایک فتنہ انگیز ماحول بنایا۔ 4- حضرت عثمانؓ کے حلم و بردباری نے وقتی طور پر حالات کو سنبھالنے کی کوشش کی، لیکن سازش کرنے والے عناصر کا مقصد صرف انتشار پھیلانا تھا۔ 5- یہ واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت عثمانؓ اسلام کی مظلوم شخصیات میں سے ہیں، جن کی عظمت کو باطل عناصر نے نقصان پہنچانے کی کوشش کی مگر تاریخ نے آپؓ کے عدل و تقویٰ کی گواہی محفوظ کر لی۔

مصادر و مراجع: 1- تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، ج 4، ص 423،

مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، ج 7، ص 248، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔ 3-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبد البر، ج 3، ص 1102۔ 4-اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن الاثیر الجزری، ج 3، ص 440۔ 5-الخلافۃ الراشدۃ، د۔علی محمد الصلابی، ج 2، ص 375۔

ربیع الثانی 35ھ: اکابر صحابہؓ پر بڑھتا ہوا دباؤ اور فتنہ انگیز سازشیں

خلافتِ راشدہ کے تیسرے خلیفہ، سیدنا عثمان غنیؓ کے عہد میں فتنہ وفساد کی جو لہریں اٹھیں، وہ رفتہ رفتہ اسلام کی تاریخ کا ایک نہایت نازک موڑ بن گئیں۔ 35ھ کا سال خصوصاً اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ اس سال فتنہ پرور عناصر نے محض حضرت عثمانؓ ہی کو نشانہ نہیں بنایا بلکہ اکابر صحابہ کرامؓ جیسے جلیل القدر اصحابِ رسول ﷺ کو بھی تنازعات میں گھسیٹنے کی مذموم کوشش کی۔ ربیع الثانی 35ھ کے واقعات اس فتنہ کے نئے رخ کو واضح کرتے ہیں، جس میں صحابہ کرامؓ پر غیر معمولی دباؤ ڈالا گیا تاکہ وہ یا تو سازشی گروہوں کے دباؤ میں آ جائیں یا ان کا وقار مجروح ہو۔

اکابر صحابہؓ کی صلح کی کوششیں: ربیع الثانی 35ھ میں اہلِ کوفہ، بصرہ اور مصر سے آئے ہوئے وفود نے مدینہ میں ایک شورش برپا کر رکھی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے حالات کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے بڑے بڑے اکابر صحابہؓ کو اصلاح وصلح کے لیے مامور فرمایا۔ ان میں حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ شامل

تھے۔حضرت علیؓ نے اہلِ مصر کو سمجھانے کی کوشش کی اور فرمایا کہ خلیفہ وقت پر اس طرح دباؤ ڈالنا درست نہیں۔حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی اہلِ کوفہ و بصرہ کے نمائندوں کو نصیحت فرمائی کہ امت میں انتشار پیدا نہ کریں (البدایہ والنہایہ، ج7،ص250)۔مگر افسوس کہ ان پاکباز ہستیوں کی خیر خواہی اور اصلاحی کاوشیں فتنہ پروروں کو مطمئن نہ کر سکیں۔

صحابہ کرامؓ کو تنازعات میں گھسیٹنے کی سازش: فتنہ انگیز عناصر نے صرف حضرت عثمانؓ کے خلاف ماحول بنانے پر اکتفا نہ کیا بلکہ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے اکابرین کو جھوٹے تنازعات میں ملوث کرنے کی مذموم کوشش کی۔ابن جریر طبری لکھتے ہیں: اہلِ فتنہ حضرت علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کو جھگڑوں میں گھسیٹ کر ان کے مقام و مرتبہ کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے، تاکہ لوگ صحابہ کرامؓ کی عظمت میں شبہ کرنے لگیں (تاریخ الطبری، ج4،ص426)۔ یہ دراصل وہی سازش تھی جس کا مقصد صحابہ کرامؓ کے تقدس کو مجروح کر کے امتِ مسلمہ کو قیادت سے محروم کرنا تھا۔

ظلم کی نوعیت: 1-اکابر صحابہ کو بلاوجہ تنازعات میں ملوث کیا گیا۔2-ان کے اصلاحی کردار کو نظر انداز کرتے ہوئے انہیں متہم بنانے کی کوشش ہوئی۔3-امت کے سامنے ان کے مقام کو کم کرنے کا پروپیگنڈہ کیا گیا۔4-باہمی صلح کے لیے ان کی کوششوں کو سبوتاژ کر کے انتشار کو ہوا دی گئی۔یہ سب کچھ محض اس لیے تھا کہ اکابر صحابہؓ کی عظمت و وقار پر حرف آئے اور امت ان کی قیادت سے بدظن ہو جائے۔

اکابر صحابہؓ کا وقار اور استقامت: ان سب سازشوں کے باوجود حضرت علیؓ،

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حق گوئی، دیانت اور خیر خواہی کو ترک نہ کیا۔ حضرت علیؓ بارہا فرماتے تھے کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ برحق ہیں اور ہمیں ان کی اطاعت کرنی چاہیے۔ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی بارہا اس بات پر زور دیتے کہ امت کو انتشار سے بچایا جائے۔ یہی وہ استقامت تھی جس نے اس وقت کے باطل عناصر کو مزید چراغ پا کیا اور انہوں نے فتنہ کو اور بڑھایا۔

خلاصہ و نتائج: 1- ربیع الثانی 35ھ میں اکابر صحابہؓ کو فتنہ پرور عناصر نے بلاوجہ تنازعات میں گھسیٹنے کی کوشش کی۔ 2- حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے اصلاح اور صلح کی پوری کوشش کی لیکن فتنہ انگیز جماعت کا مقصد اصلاح نہیں بلکہ انتشار تھا۔ 3- ظلم کی نوعیت یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کے وقار کو مجروح کرنے کے لیے ان پر دباؤ ڈالا گیا۔ 4- اکابر صحابہؓ نے اپنے مقام، استقامت اور خیر خواہی کے ذریعے امت کے لیے ہمیشہ قیادت اور صداقت کا روشن نمونہ قائم رکھا۔ 5- یہ واقعات اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ بھی اس فتنے کے دور میں مظلوم شخصیات میں شامل ہوئے، جنہیں امت کے اتحاد کے لیے جھوٹے تنازعات میں گھسیٹا گیا۔

مصادر و مراجع: 1- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، ج 7، ص 250، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔ 2- تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، ج 4، ص 426، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 3- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبد البر، ج 3، ص 10-11۔ 4- اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن الاثیر الجزری، ج 3، ص 445۔ 5- الخلافۃ الراشدۃ، د۔ علی محمد الصلابی، ج 2، ص 380۔

جمادی الاولیٰ 35ھ

(مصر سے واپسی کا واقعہ اور حضرت عثمانؓ پر جھوٹے الزامات)

خلافتِ عثمانی کا دور اسلامی فتوحات اور نظامی وسعت کا دور تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ فتنہ وفساد کی ایک لہر بھی اٹھ چکی تھی جس نے امت کے اتحاد کو گہرا زخم دیا۔ 35ھ کے واقعات اس فتنے کے عروج کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جمادی الاولیٰ کے مہینے میں پیش آنے والا مصر سے واپسی کا واقعہ حضرت عثمانؓ کی مظلومیت اور مخالفین کی سازشوں کی ایک واضح مثال ہے۔ اس واقعے نے نہ صرف فتنہ پروروں کو ایک نیا ہتھیار مہیا کیا بلکہ امت کے اکابر صحابہؓ کو بھی سخت آزمائش میں ڈال دیا۔

مصر کے وفود اور حضرت عثمانؓ کے وعدے: ربیع الاول اور ربیع الثانی میں جب مختلف علاقوں کے وفود مدینہ آئے اور شکایات پیش کیں تو حضرت عثمانؓ نے نہایت حلم و بردباری کے ساتھ ان کی شکایات سنیں اور اصلاحی اقدامات کا وعدہ کیا۔ مصر کے وفود خاص طور پر گورنر کے خلاف شکایتیں لے کر آئے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی باتوں کو تسلیم کرتے ہوئے اصلاح کے لیے واضح اقدامات اور وعدے کیے۔ یہ وفود حضرت عثمانؓ کی اس نرمی اور عدل پر مطمئن ہو کر واپس مصر کی طرف روانہ ہو گئے (تاریخ الطبری، ج4، ص430)۔

خفیہ خط اور نئی سازش: راستے میں مصر کے وفود کو ایک خفیہ خط ملا جس میں

مبینہ طور پر یہ تحریر تھی کہ گورنر مصر کو حکم دیا گیا ہے کہ ان وفود کے واپس پہنچنے پر انہیں سخت سزا دی جائے۔ یہ خط دراصل ایک سازش تھی جسے فتنہ پرور عناصر نے تیار کیا تا کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف مزید اشتعال پیدا ہو۔ جب یہ خط وفود کے ہاتھ آیا تو وہ فوراً مدینہ واپس پلٹ آئے اور حضرت عثمانؓ پر الزام لگایا کہ یہ خط آپ کے حکم سے لکھا گیا ہے۔ ابن الاثیر لکھتے ہیں: مصر کے لوگ جب راستہ میں اس خط سے واقف ہوئے تو وہ غصہ میں مدینہ واپس آئے اور حضرت عثمانؓ پر الزام لگایا، حالانکہ آپ اس سے بری تھے (الکامل فی التاریخ، ج3، ص85)۔

حضرت عثمانؓ کی برائت: حضرت عثمانؓ نے اس الزام کو نہایت صبر اور وقار کے ساتھ سنا اور اللہ کو گواہ بنا کر فرمایا کہ: اس خط کے لکھنے سے میرا کوئی تعلق نہیں، نہ میں نے اس کا حکم دیا اور نہ اس کی خبر ہے۔ تاریخی روایات اس بات پر متفق ہیں کہ یہ خط یا تو خفیہ سازشی گروہ کی کارستانی تھی یا گورنری کے بعض بدعنوان کارندوں کی، لیکن حضرت عثمانؓ اس سے مکمل طور پر بری تھے (تاریخ الطبری، ج4، ص430)۔

ظلم کی نوعیت: 1- ایک جھوٹا اور من گھڑت خط بنا کر حضرت عثمانؓ پر الزام عائد کیا گیا۔ 2- وفود کو بہکایا گیا اور ان کے اطمینان کو توڑ کر انہیں دوبارہ مدینہ لا کر شورش پر آمادہ کیا گیا۔ 3- حضرت عثمانؓ کی نیک نیتی اور اصلاحی اقدامات کو پسِ پشت ڈال کر انہیں بدنام کرنے کی سازش کی گئی۔ 4- اس الزام نے حالات کو مزید خراب کر دیا اور فتنہ انگیزی کو ایک نیا جواز مہیا کیا۔

مظلومیتِ عثمانؓ کی جھلک: یہ واقعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نہ صرف ایک عادل و شفیق خلیفہ تھے بلکہ اپنی نرم مزاجی کے باعث منافقین اور فتنہ پروروں کے لیے آسان ہدف بھی بنے۔ آپؓ کی شخصیت کو نشانہ بنانے کے لیے بار بار ایسے الزامات تراشے گئے جن کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: حضرت عثمانؓ پر جو الزام اس خط کے حوالے سے لگایا گیا، وہ سراسر جھوٹ اور فتنہ تھا، اور آپ اس سے بری تھے (البدایہ والنہایہ، ج7، ص251)۔

خلاصہ و نتائج: 1- جمادی الاولیٰ 35ھ میں مصر کے وفود حضرت عثمانؓ کے وعدوں پر مطمئن ہو کر واپس روانہ ہوئے۔ 2- راستے میں ایک خفیہ خط ملا جس کے ذریعے ان کو بھڑکایا گیا کہ یہ خلیفہ کا حکم ہے۔ 3- حضرت عثمانؓ نے اللہ کو گواہ بنا کر اپنی برائت کا اعلان کیا۔ 4- یہ خط دراصل فتنہ پرور عناصر کی ایک سازش تھی جس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش کو مزید ہوا دی۔ 5- یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کی مظلومیت اور آپ کے دور میں اٹھائے گئے فتنوں کی سنگینی کو ظاہر کرتا ہے۔

مصادر و مراجع: 1- تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، ج 4، ص 430، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 2- الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری، ج 3، ص 85، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 3- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، ج 7، ص 251، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔ 4- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبد البر، ج 3، ص 15-11۔ 5- الخلافۃ الراشدۃ، د۔ علی محمد الصلابی، ج 2، ص 388۔

جمادی الاخری 35ھ: مدینہ کا محاصرہ اور حضرت عثمان غنیؓ کی مظلومیت

اسلامی تاریخ کا ایک نہایت رقت انگیز اور عبرت خیز باب وہ ہے جب خلافتِ ثالثہ کے درخشاں دور میں جلیل القدر صحابی، ذوالنورین، دامادِ رسول ﷺ، حضرت سیدنا عثمان بن عفانؓ کو مدینہ منورہ میں ان کے ہی گھر کے اندر محصور کر دیا گیا۔ یہ سانحہ صرف ایک فرد کی مظلومیت نہیں بلکہ امت مسلمہ کی تاریخ میں فتنہ واضطراب کے آغاز کا نقطۂ آغاز تھا۔ اس دور کے باغی عناصر نے اسلامی نظام کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کے مقدس شہر میں ایسی جسارت کی جس کا تصور بھی دلوں کو دہلا دیتا ہے۔

تاریخی پس منظر: جمادی الآخرہ 35ھ میں مصر، کوفہ اور بصرہ سے آنے والے شر پسند گروہ نے، جو پہلے حضرت عثمانؓ سے شکایات اور اصلاحی مطالبات پیش کر کے بظاہر واپس جا چکے تھے، اچانک مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ یہ گروہ دراصل منافقانہ عزائم اور باہمی سازشوں کے نتیجے میں پروان چڑھا تھا۔ مدینہ میں داخل ہوتے ہی ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ برپا کیا اور ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرہ کی نوعیت: حضرت عثمان غنیؓ، جو دامادِ رسول ﷺ، سابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے، انہیں نہ صرف محبوس کیا گیا بلکہ بے بنیاد الزامات کے تحت بدنام کرنے کی مذموم کوششیں بھی کی گئیں۔ تاریخ کی کتب اس امر پر متفق ہیں کہ

حضرت عثمانؓ نے کسی موقع پر امت کی بھلائی کے خلاف فیصلہ نہیں کیا، لیکن باغیوں نے ان کی عدل واحسان سے بھرپور خلافت کو متنازع بنانے کی مذموم مہم چلائی۔ابن سعد لکھتے ہیں:**فحاصروه فی داره ومنعوه من الخروج إلی المسجد** (ان باغیوں نے حضرت عثمانؓ کو ان کے گھر میں محصور کر دیا اور مسجد میں جانے سے بھی روک دیا)۔(الطبقات الکبریٰ، ج3،ص 72)۔امام ابن کثیر نے اس مظلومیت کو یوں بیان کیا ہے:**وحصروا أمیر المؤمنین عثمان فی داره حتی ضاق الأمر** (انہوں نے امیر المؤمنین عثمانؓ کو ان کے گھر میں محصور کر دیا یہاں تک کہ معاملہ نہایت سنگین ہو گیا)،(البدایہ والنہایہ، ج7،ص252)۔

صحابہ کرامؓ کی بے بسی: محاصرہ کے دوران دیگر اکابر صحابہؓ مثلاً حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حالات کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن باغیوں کے شدت پسندانہ رویے نے اصلاح کی ہر راہ بند کر دی۔حضرت عثمانؓ کی طرف سے یہ حکم صادر ہوا کہ کوئی ان کے دفاع میں ہتھیار نہ اٹھائے، کیونکہ وہ خونِ مسلم کے بہانے سے بچنا چاہتے تھے۔ان کی یہ دور اندیشی اور صبر دراصل ان کے اعلیٰ تقویٰ اور خوفِ خدا کی عملی مثال ہے۔

ظلم کی سنگینی: یہ محاصرہ صرف ایک سیاسی مسئلہ نہ تھا بلکہ اس میں ایک مقدس صحابی اور خلیفہ راشد کو اس حال تک پہنچا دیا گیا کہ وہ مسجد نبویؐ میں نماز کے لئے بھی نہیں جا سکتے تھے۔امت کے امیر کو امت ہی کے کچھ گمراہ افراد نے قید کر لیا، یہ اسلام کے عدل وانصاف اور صحابہ کرامؓ کے تقدس کے خلاف ایک کھلی بغاوت تھی۔

خلاصہ ونتائج: 1- جمادی الآخرہ 35ھ میں حضرت عثمان غنیؓ پر مدینہ منورہ میں ظلم وزیادتی اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ 2- مصر، کوفہ اور بصرہ کے باغیوں نے خلیفہ وقت کو ان کے گھر میں محبوس کر دیا۔ 3- یہ محاصرہ اسلام کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے، جس نے امت میں فتنہ وانتشار کی بنیاد ڈالی۔ 4- حضرت عثمانؓ نے اپنے صبر، حلم اور تقویٰ سے یہ واضح کیا کہ منصبِ خلافت ذاتی اقتدار کے لئے نہیں بلکہ اعلاءِ کلمۃ الحق کے لئے ہے۔ 5- ان کی مظلومیت دراصل اسلام کے عدل وصبر کی روشن دلیل ہے، جو رہتی دنیا تک امت کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

مصادر ومراجع: 1- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 3، ص 72، دار صادر، بیروت۔ 2- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 252، دار الفکر، بیروت۔ 3- طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، مطبوعہ دار التراث، قاہرہ۔ 4- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

رجب 35ھ: پانی اور ملاقاتوں پر پابندی: حضرت عثمان غنیؓ کی مظلومیت

اسلامی تاریخ کے اوراق میں بعض ایسے المناک لمحات آتے ہیں جو انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیتے ہیں۔ ان ہی واقعات میں ایک وہ وقت ہے جب خلیفۂ راشد، ذوالنورین، دامادِ رسول ﷺ حضرت سیدنا عثمان بن عفانؓ کو نہ صرف ان کے گھر میں محصور کیا گیا بلکہ ان پر پانی اور ملاقاتوں کی بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ یہ ظلم و جفا اس مقدس

ہستی کے ساتھ روا رکھا گیا جن کے صدقات اور سخاوت کے اعتراف میں آسمانوں کے فرشتے فخر کرتے تھے، اور جنہیں نبی کریم ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی۔

تاریخی پس منظر: رجب 35ھ میں مدینہ منورہ کا ماحول اضطراب سے لبریز تھا۔ مصر، کوفہ اور بصرہ سے آنے والے باغی گروہ جو پہلے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر چکے تھے، اپنی سخت گیری اور بے رحمی میں اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے خلیفۂ وقت پر پانی بند کر دیا۔ مسجد نبویؐ میں آنے جانے سے روکا اور ان کے اہلِ بیت اور دیگر صحابہ کرامؓ کی شفاعت کو بھی رد کر دیا۔ یہ وہی پانی تھا جس کا کنواں حضرت عثمانؓ نے اپنی دولت سے خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کیا تھا۔

ظلم کی نوعیت: امام طبری روایت کرتے ہیں: **ومنعوا عثمان من الماء حتی اشتد علیه العطش** (انہوں نے حضرت عثمانؓ پر پانی بند کر دیا یہاں تک کہ ان پر پیاس سخت گراں ہوئی)، (تاریخ الطبری، ج4، ص 432)۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **وحالوا بینه وبین الماء، وردوا شفاعة من شفع له** (انہوں نے حضرت عثمانؓ اور پانی کے درمیان رکاوٹ ڈال دی اور جو بھی ان کے لئے شفاعت کرتا، اس کی سفارش رد کر دی جاتی)، (البدایہ والنہایہ، ج7، ص 254)۔ یہ وہ جبر تھا جو انسانی غیرت و حمیت کو للکارنے کے مترادف تھا۔ ایک طرف مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کا جلیل القدر صحابی اور امیر المؤمنین پانی کے لئے ترس رہا تھا، دوسری طرف باغیوں نے رحم اور شفاعت کی ہر صورت کو رد کر دیا۔

صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیت کی کوششیں: حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حتی کہ امہات المؤمنین میں سے حضرت ام حبیبہؓ اور دیگر نے بھی اس مظلومیت کو دور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن باغیوں نے ہٹ دھرمی سے کسی کی شفاعت قبول نہ کی۔ یہ واقعہ صحابہ کرامؓ کی بے بسی اور حضرت عثمانؓ کے صبر واستقامت کا مظہر ہے۔

حضرت عثمانؓ کا صبر واستقامت: حضرت عثمانؓ نے اس ظلم وجفا کے باوجود نہ شکایت کی اور نہ اپنے دفاع میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی۔ آپؓ کا یہ صبر اس آیتِ قرآنی کا عملی مصداق تھا: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (اللہ صبر کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے)، (سورۃ آل عمران، 146)۔

عظمت ومظلومیت کا امتزاج: یہ مظلومیت اس ہستی کے ساتھ ہوئی جس نے مسجد نبوی کی توسیع اپنی جیب سے کی، جس نے جہادِ تبوک کے موقع پر قافلوں کے قافلے راہِ خدا میں وقف کر دیے، اور جس نے بئر رومہ خرید کر امت کے پیاسوں کے لئے عام کر دیا۔ افسوس کہ انہی کے خلاف پانی بند کر دینا تاریخ کا وہ سیاہ دھبہ ہے جو ہمیشہ باغیوں کے چہروں پر رہے گا۔

خلاصہ ونتائج: 1- رجب 35ھ میں باغیوں نے حضرت عثمانؓ پر پانی اور ملاقاتوں کی پابندی لگا دی۔ 2- یہ ظلم ان کی مظلومیت کی انتہا تھی کہ امت کے امیر، دامادِ رسول ﷺ اور جلیل القدر صحابی کو پیاسا رکھا گیا۔ 3- صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیت کی بارہا شفاعت کو رد کر دینا باغیوں کی سنگدلی اور ہٹ دھرمی کا ثبوت ہے۔ 4- حضرت عثمانؓ کا

صبر وحلم رہتی دنیا تک امت کے لئے عملی نمونہ ہے۔5-یہ واقعہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کا اصل ستون عدل، صبر اور قربانی تھا، نہ کہ طاقت و جبر۔

مصادر و مراجع: 1-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص432، مطبوعہ دار التراث، قاہرہ۔ 2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 254، دار الفکر، بیروت۔ 3-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 3، دار صادر، بیروت۔ 4-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

رمضان 35ھ: شہادتِ عثمان غنیؓ: مظلومیت کی انتہا

اسلامی تاریخ کے صفحات میں بعض واقعات ایسے ہیں جو امت کے دلوں کو ہمیشہ غمگین اور آنکھوں کو اشکبار رکھتے ہیں۔ان ہی سانحات میں ایک وہ المناک دن ہے جب خلیفۂ سوم، دامادِ رسول ﷺ، جامع القرآن، ذوالنورین حضرت سیدنا عثمان بن عفانؓ کو عین حالتِ تلاوت میں شہید کر دیا گیا۔یہ حادثہ تاریخِ اسلام کا ایسا سیاہ باب ہے جس کی ہولناکی اور ظلمت آج بھی امتِ مسلمہ کے ضمیر کو جھنجھوڑتی ہے۔

تاریخی پس منظر: محاصرۂ مدینہ اور حضرت عثمانؓ پر لگاتار دباؤ کے بعد رمضان 35ھ کے ایام انتہائی نازک تھے۔روایتوں میں اختلاف ہے کہ شہادت کا واقعہ 18 ذوالحجہ کے قریب یا اس سے پہلے رمضان ہی کے آخری ایام میں پیش آیا، تاہم اکثر مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ شہادت جمعہ کے دن واقع ہوئی۔اس دن حضرت

عثمانؓ اپنے گھر میں قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھے کہ باغی عناصر نے دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہو کر ان پر حملہ کر دیا۔

ظلم کی نوعیت: امام طبری نقل کرتے ہیں: **دخلوا علیه وهو یقرأ القرآن، فقتلوه مظلوماً شهیداً** (وہ لوگ ان پر اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ قرآن پڑھ رہے تھے، پھر انہوں نے آپ کو مظلومانہ طور پر شہید کر دیا)۔ (تاریخ الطبری، ج4، ص435، مطبوعہ دار التراث)، قاہرہ ابن کثیر لکھتے ہیں: **کان یوم مقتله أعظم مصیبة وقعت فی الإسلام بعد قبض النبی** ﷺ (البدایہ والنہایہ، ج7، ص256، دار الفکر، بیروت) (حضرت عثمانؓ کی شہادت کا دن اسلام میں سب سے بڑی مصیبت تھا جو رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد پیش آیا)۔ ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ: **قتلوه وهو صائم، وکان یقرأ المصحف، فسالت دماؤه علی المصحف** (الطبقات الکبریٰ، ج3، ص75، دار صادر، بیروت) (انہوں نے آپ کو اس حال میں شہید کیا کہ آپ روزے سے تھے اور مصحف پڑھ رہے تھے، یہاں تک کہ آپ کا خون قرآن پر بہہ نکلا)۔

حضرت عثمانؓ کی عظمت: حضرت عثمانؓ وہ عظیم ہستی ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنی دو بیٹیاں نکاح میں دیں، اسی لئے آپ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ آپ وہ ہیں جنہوں نے مسجد نبوی کی توسیع اپنی دولت سے کی، بئر رومہ مسلمانوں کے لئے وقف کیا، اور جہادِ تبوک کے موقع پر بے مثال مال خرچ کیا۔ ان کے انفاق، زہد و ورع اور صبر و تحمل کی گواہی تاریخ کے صفحات دیتے ہیں۔

شہادت کی کیفیت: باغیوں نے جب آپؓ کو شہید کیا تو گھر میں ام المؤمنین حضرت نائلہؓ بھی موجود تھیں، جنہوں نے اپنے شوہر کی حفاظت کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا، مگر ظالموں نے ان کی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ حضرت عثمانؓ نے تلوار اٹھانے سے انکار کیا اور اپنے خون سے اپنے عہدِ خلافت کی آخری گواہی دی۔

شہادت کا اثر: اس شہادت نے پورے عالمِ اسلام کو ہلا کر رکھ دیا۔ مدینہ منورہ، جو کبھی امن وسکون کا گہوارہ تھا، انتشار اور بغاوت کی آماجگاہ بن گیا۔ صحابہ کرامؓ کے دل غم سے ٹوٹ گئے اور امت ایک بڑے فتنہ کی دہلیز پر پہنچ گئی۔ یہی واقعہ امت میں آئندہ پیدا ہونے والے فتنوں کا دروازہ ثابت ہوا۔

خلاصہ ونتائج: 1-حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اسلام کی سب سے بڑی مظلومیت ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ 2-آپ کو اس حال میں شہید کیا گیا کہ آپ روزے سے اور قرآنِ مجید کی تلاوت میں مشغول تھے۔ 3-یہ شہادت خلافتِ راشدہ کے روشن دور کے خاتمے اور فتنوں کے آغاز کی علامت ہے۔ 4-حضرت عثمانؓ کی مظلومیت اور صبر رہتی دنیا تک امت کے لئے ایمان، استقامت اور ایثار کا عملی سبق ہے۔ 5-یہ واقعہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی عظمت وحرمت پر حملہ دراصل اسلام کے بنیادی ستونوں پر حملہ ہے۔

مصادر ومراجع: 1-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص435، مطبوعہ دار التراث، قاہرہ۔ 2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص256، دار الفکر، بیروت۔

3-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 3، ص 75، دار صادر، بیروت۔ 4-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 87، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 5-بلاذری، انساب الاشراف، ج 5، ص 52، مطبوعہ دار المعارف، قاہرہ۔

ذوالقعدہ 35ھ: شہادتِ عثمان غنیؓ کے بعد مدینہ میں انتشار

اسلامی تاریخ کے وہ لمحات جو کرب و الم سے بھرے ہوئے ہیں، ان میں حضرت سیدنا عثمان بن عفانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ کی کیفیت ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ خلیفۂ سوم، دامادِ رسول ﷺ اور جامع القرآن صحابیؓ کی مظلومانہ شہادت نے نہ صرف مدینہ طیبہ بلکہ پوری امت کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا۔ ایک طرف صحابہ کرامؓ حیرت و غم میں ڈوب گئے، دوسری طرف امت انتشار اور فتنہ کے بھنور میں جا گری۔ یہ المیہ اسلام کی تاریخ میں وہ نقطۂ آغاز ہے جہاں سے داخلی اختلافات نے ایک مستقل رخ اختیار کیا۔

تاریخی پس منظر: ذوالقعدہ 35ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ میں سکون اور اطمینان کا ماحول باقی نہ رہا۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ مدینہ کے باسی خوف و ہراس میں مبتلا تھے، صحابہ کرامؓ خاموش اور پریشان حال تھے، اور امت مختلف گروہوں میں تقسیم ہونا شروع ہوگئی۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: **فلما قُتل عثمان اضطربت المدینة، واختلف الناس بعده اختلافاً کبیراً** (الکامل فی

التاریخ، ج3، ص90، دار الکتب العلمیہ، بیروت) (جب عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا تو مدینہ اضطراب میں ڈوب گیا اور لوگوں میں بڑا اختلاف پیدا ہو گیا)۔ بلاذری بیان کرتے ہیں: **کان قتل عثمان باب الفتن، فما ترک الناس بعده اجتماعاً علی رأی** (انساب الاشراف، ج5، ص40، دار المعارف، قاہرہ) (عثمانؓ کا قتل فتنوں کا دروازہ تھا، اس کے بعد لوگوں نے کسی ایک رائے پر اجتماع باقی نہ رکھا)۔

ظلم کی نوعیت: یہ ظلم صرف ایک فرد یا خلیفہ پر نہیں تھا بلکہ پورے امتِ مسلمہ پر ڈھایا گیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت نے وہ وحدت پارہ پارہ کر دی جس پر اسلام کی بنیاد قائم تھی۔ اس کے نتیجے میں: 1- مدینہ میں امن وسکون کی فضا ختم ہو گئی۔ 2- صحابہ کرامؓ شدید صدمے اور حیرانی میں مبتلا ہو گئے۔ 3- امت مختلف جماعتوں اور فتنوں کی لپیٹ میں آ گئی۔ 4- خلافتِ راشدہ کا تسلسل ایک نئے اور کٹھن موڑ پر پہنچ گیا۔

صحابہ کرامؓ کی کیفیت: حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور دیگر اکابر صحابہ اس ظلم پر بے حد رنجیدہ تھے، مگر حالات کی نزاکت نے انہیں کھل کر کوئی اقدام کرنے کی مہلت نہ دی۔ ان کے سامنے ایک طرف باغی گروہ کی سختی تھی اور دوسری طرف امت کے انتشار کا خطرہ۔ یہ وہ مرحلہ تھا جس نے اکابر صحابہؓ کو آزمائش کی انتہائی سخت گھڑیوں میں ڈال دیا۔

امت پر اثرات: حضرت عثمانؓ کی شہادت نے امتِ مسلمہ کو ایک ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا جہاں سے اختلافات، خانہ جنگیاں اور فتنہ وفساد کا آغاز ہوا۔ یہی

وہ واقعہ ہے جسے مؤرخین نے باب الفتن قرار دیا۔ امت کی وحدت متاثر ہوئی، اور اسلام کے دشمنوں کے لئے یہ واقعہ خوشی اور موقع پرستی کا سامان بن گیا۔

خلاصہ ونتائج: 1- ذوالقعدہ 35ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے فوراً بعد مدینہ اور پوری امت اضطراب و انتشار میں ڈوب گئی۔ 2- یہ ظلم دراصل امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا ذریعہ بنا۔ 3- حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کو مؤرخین نے فتنوں کا دروازہ کہا ہے۔ 4- صحابہ کرامؓ کی حیرانی اور خاموشی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ کتنا اچانک اور المناک تھا۔ 5- امت کو یہ سبق ملتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی عظمت وحرمت پر حملہ امت کے اجتماعی ڈھانچے کو تباہ کر دیتا ہے۔

مصادر ومراجع: 1- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 90، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 2- بلاذری، انساب الاشراف، ج 5، ص 40، دار المعارف، قاہرہ۔ 3- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 258، دار الفکر، بیروت۔ 4- طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 438، دار التراث، قاہرہ۔

ذوالحجہ 35ھ: خلافتِ علیؓ کی بیعت اضطراری حالات میں ایک عظیم امتحان

اسلامی تاریخ کا سال 35ھ امتِ مسلمہ کے لیے سب سے زیادہ نازک اور المناک سالوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس سال وہ ہولناک حادثہ پیش آیا جس نے

امت کے اتحاد کو شدید صدمہ پہنچایا اور مسلمانوں کو فتنہ وانتشار کے گرداب میں دھکیل دیا۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد مدینہ منورہ کا ماحول غم، اضطراب اور حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسی عالمِ انتشار میں امت کے اکابر صحابہؓ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر بیعت کی۔

بیعتِ خلافت کے حالات: ذوالحجہ 35ھ میں جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ اضطراب کی آگ میں جل رہا تھا، لوگوں کی نظریں کسی ایسی شخصیت پر ٹکی ہوئی تھیں جو امت کو سنبھال سکے، باہمی خونریزی سے روک سکے اور اسلام کے سیاسی ڈھانچے کو قائم رکھ سکے۔ اس وقت تمام تر نگاہیں حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئیں۔ امام طبری لکھتے ہیں: **اجتمع الناس إلى عليٍّ رضى الله عنه بعد قتل عثمان رضى الله عنه، يطلبون منه البيعة** (تاریخ الطبری، ج4، ص440)۔ یعنی حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد لوگ حضرت علیؓ کے گرد جمع ہو گئے اور ان سے خلافت کی بیعت کا مطالبہ کرنے لگے۔

اضطراری ماحول: یہ بیعت عام حالات کی طرح خوش دلی اور اتفاقِ رائے کے ساتھ نہ تھی، بلکہ ایک اضطراری ماحول میں ہوئی۔ حضرت علیؓ کو خود بیعت قبول کرنے میں تامل تھا، کیونکہ آپؓ جانتے تھے کہ قاتلانِ عثمانؓ آزاد گھوم رہے ہیں، اور ان کا قصاص لیے بغیر خلافت کی ذمہ داری سنبھالنا مزید انتشار کو جنم دے گا۔ امام ابن کثیر اس کیفیت کو بیان کرتے ہیں: **فأبى علىٌّ رضى الله عنه أن يقبل البيعة**

حتی یجتمع الناس، فلما ألحوا علیه قبلها مضطراً (البدایہ والنہایہ، ج7، ص 260)۔ یعنی حضرت علیؓ نے اس وقت تک بیعت لینے سے انکار کیا جب تک کہ لوگ اجتماعی طور پر متفق نہ ہو جائیں، لیکن جب اصرار حد سے بڑھ گیا تو آپؓ نے مجبوراً بیعت قبول کر لی۔

ظلم کی نوعیت: یہ واقعہ اپنی نوعیت میں دو طرفہ ظلم کی تصویر پیش کرتا ہے:

1- ایک طرف حضرت علیؓ جیسی جلیل القدر شخصیت پر غیر معمولی بوجھ ڈال دیا گیا کہ وہ ایسے ماحول میں امت کی قیادت کریں جس میں باغی آزاد اور اصل مجرم پس پردہ تھے۔

2- دوسری طرف شہادتِ عثمانؓ کے اصل مجرمین نہ صرف بچ نکلے بلکہ بعض روایات کے مطابق وہ بیعت کے موقع پر بھی موجود تھے اور حالات پر اثر انداز ہو رہے تھے۔

صحابہؓ کا اضطراب: صحابہ کرامؓ کے لیے یہ وقت نہایت سخت تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ خلافت کا نظام قائم رہے مگر ساتھ ہی قاتلانِ عثمانؓ کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کی فکر بھی دامن گیر تھی۔ چنانچہ بعض اکابر صحابہؓ مثلاً حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بیعت تو کر لی، مگر بعد میں قصاصِ عثمانؓ کے مطالبہ نے انہیں ایک اور موقف اختیار کرنے پر مجبور کیا۔

خلاصہ و نتائج: 1- حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کا آغاز ذوالحجہ 35ھ میں نہایت اضطراری حالات میں ہوا۔ 2- یہ بیعت عام خوش دلی کے ساتھ نہیں بلکہ حالات کے دباؤ میں قبول کی گئی۔ 3- حضرت علیؓ پر خلافت کا بوجھ ایک ایسے وقت میں ڈالا گیا جب اصل مجرم یعنی قاتلانِ عثمانؓ آزاد اور سرگرم تھے۔ 4- یہ واقعہ امت کی

تاریخ کا وہ موڑ ہے جس نے بعد کے تمام فتنوں اور خانہ جنگیوں کی بنیاد رکھی۔
5-حضرت علیؓ کا یہ طرزِ عمل صحابہ کی عظمت، تقویٰ اور امت کے اتحاد کی فکر کا آئینہ دار ہے کہ باوجود تردد کے، آپؓ نے نظامِ خلافت کے تسلسل کے لیے بیعت قبول کی۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، ج 4، ص 440، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 7، ص 260، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔ 3-الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج 3، ص 90، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 4-انساب الأشراف، بلاذری، ج 5، ص 40، مطبوعہ دار المعارف، مصر۔

محرم تا ربیع الاول 36ھ کے اہم واقعات عصرِ فتنہ اور مظلومیتِ خلافتِ علیؓ

اسلامی تاریخ کے اوراق میں سال 36 ہجری ایک نہایت نازک اور فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں خلافتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا آغاز ہوا۔ مگر یہ آغاز نہ سکون و اطمینان کا تھا اور نہ امت کے اتحاد کا ضامن، بلکہ فتنہ و انتشار کی گرد نے فضا کو مکدر کر دیا تھا۔ شہادتِ خلیفۂ مظلوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (ذوالحجہ 35ھ) نے امت کو ایسی آزمائش میں ڈال دیا کہ ہر طرف اضطراب و بے چینی پھیل گئی۔ قاتلانِ عثمانؓ بچ نکلے اور بے گناہ و معزز صحابہ کرام پر تہمتوں کا طوق ڈالا گیا۔ اسی پس منظر میں محرم الحرام 36ھ سے ربیع الاول 36ھ تک کے واقعات، خلافتِ علیؓ

کے آغاز اور سیاسی کشمکش کا آئینہ ہیں۔

پسِ منظرِ خلافتِ علیؓ: حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد امت کو ایک نئے قائد کی ضرورت تھی۔ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت کی نظر انتخاب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ٹھہری، جو شجاعت، دیانت، زہد اور علم میں ممتاز تھے۔ مگر اس بیعت کا ماحول پُرامن نہیں تھا، بلکہ اضطراب و خوف کا سایہ ہر طرف چھایا ہوا تھا۔

بیعتِ خلافت (محرم 36ھ): امام طبری لکھتے ہیں: ''جب حضرت عثمانؓ کی شہادت ہوگئی تو لوگ حضرت علیؓ کے پاس جمع ہوئے اور آپ سے خلافت سنبھالنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا: میں اس وقت خلافت قبول نہیں کرتا جب تک لوگ عام طور پر راضی نہ ہوں۔ مگر حالات کی شدت اور مسلمانوں کی بے قراری کے پیشِ نظر آپ نے خلافت قبول کی اور بیعت لی'' (تاریخ الطبری، ج 4، ص 427، مطبوعہ دار التراث، بیروت)۔ اسی طرح ابن کثیر لکھتے ہیں: ''حضرت علیؓ کے ہاتھ پر مدینہ کے اکثر مہاجرین و انصار نے بیعت کی'' (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 187، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔ یہ بیعت اضطراری ماحول میں ہوئی، مگر اس نے مسلمانوں کو وقتی طور پر قیادت کا سہارا دیا۔

مظلومیت و الزامات: اصل قاتلانِ عثمانؓ کا بچ نکلنا فتنہ پرور عناصر جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی اور شہادت کے جرم میں شریک تھے، وہ مدینہ سے نکل کر بصرہ، کوفہ اور مصر کی طرف فرار ہو گئے۔ اس پر مزید ظلم یہ ہوا کہ انہی قاتلان نے اپنی جان بچانے کے لیے بے گناہ صحابہ پر تہمتیں لگانا شروع کر دیں۔ بے گناہ

صحابہ پر الزام تراشی۔امام ابن کثیر لکھتے ہیں: ''بعض بدخواہ لوگوں نے کوشش کی کہ قتلِ عثمانؓ کو حضرت علیؓ اور ان کے بعض اصحاب کی طرف منسوب کریں، حالانکہ وہ اس سے بری اور پاک تھے'' (البدایہ والنہایہ، ج7،ص190)۔ یہ واقعہ حضرت علیؓ کے لیے ایک عظیم ابتلاء تھا۔آپ نے اپنی مظلومیت اور برائت کو اللہ کے حوالے کیا اور امت کے اتحاد کے لیے صبر وسکوت اختیار کیا۔

سیاسی کشمکش اور انتشار: محرم تا ربیع الاول 36ھ کے تین مہینے خلافتِ علیؓ کے لیے نہایت دشوار تھے۔ **1-مدینہ میں کشمکش:** مدینہ میں قاتلانِ عثمانؓ کے حامی چھپے ہوئے تھے، جو حالات کو مزید بگاڑنے کی کوشش کرتے رہے۔ **2-باہری خطرات:** شام اور مصر کی طرف سے بھی سیاسی بے چینی کی خبریں آ رہی تھیں۔ **3-امت کی تقسیم:** بعض صحابہؓ نے بیعت تو کی مگر حالات سے ناخوش تھے اور چاہتے تھے کہ پہلے قاتلانِ عثمانؓ کو سزا دی جائے۔ یہ کشمکش خلافتِ علیؓ کی مظلومیت کی بڑی دلیل ہے کہ ایک طرف خلافت سنبھالنے کی بھاری ذمہ داری، اور دوسری طرف امت کا منتشر ہونا۔

خلاصہ ونتائج: 1-خلافتِ علیؓ کا آغاز اضطراری ماحول میں ہوا، جس میں بیعت ایک مجبوری اور امت کی قیادت کو بچانے کے لیے کی گئی۔ 2-قاتلانِ عثمانؓ بچ نکلے اور اصل مجرم سزا سے بچ گئے، جبکہ بے گناہ صحابہ کرامؓ پر تہمتیں لگائی گئیں۔ 3-حضرت علیؓ کی خلافت مظلومیت کی بنیاد پر قائم ہوئی، اور یہ مظلومیت اسلامی تاریخ کے مظلوم ترین ابواب میں شمار ہوتی ہے۔ 4-یہ واقعات امت کے لیے سبق ہیں کہ فتنہ وانتشار کے

زمانے میں صحابہ کرامؓ کی عظمت وحرمت کو محفوظ رکھنا ہی ایمان کا تقاضا ہے۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر طبری، ج4، ص432-427، دار التراث، بیروت۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج7، ص190-187، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، ج 3، ص 206، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 4-الفتوح، ابن اعثم کوفی، ج 2، ص 382، مطبوعہ دار الکتاب العربی۔ 5-طبقات ابن سعد، ج3، ص30، دار صادر، بیروت۔

بصرہ 15 جمادی الاولی 36ھ: معرکۂ جمل: مظلومیتِ صحابہ وامت

اسلامی تاریخ میں 36 ہجری کا سال امت کے لیے ابتلاء وآزمائش کا سال ہے۔ اس سال کے آغاز میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلافت پر فائز ہوئے، مگر حالات سازگار نہ تھے۔ ایک طرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اصل مجرمین بچ نکلے، دوسری طرف امت میں اضطراب و بے چینی بڑھ گئی۔ انہی حالات نے جمادی الاولی 36ھ میں وہ سانحہ برپا کیا جسے تاریخ معرکۂ جمل کے نام سے یاد کرتی ہے۔ یہ معرکہ اسلامی تاریخ کا پہلا بڑا داخلی تصادم تھا جس میں دونوں طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعتیں موجود تھیں۔ یہ حادثہ امت کی مظلومیت اور فتنے کی شدت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

پسِ منظرِ معرکہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سب سے

بڑا سوال یہ تھا کہ ان کے قاتلوں کو کیفرِ کردار تک کیسے پہنچایا جائے؟ حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام چاہتے تھے کہ قاتلانِ عثمان کو فوری طور پر سزا دی جائے۔ دوسری طرف حضرت علیؓ کی رائے یہ تھی کہ پہلے خلافت کو مستحکم کیا جائے، پھر قانون کے مطابق سزا دی جائے۔ یہ اختلافِ اجتہادی تھا، نہ کہ اقتدار کی ہوس۔ لیکن فتنہ پرداز عناصر نے اسے باہمی تصادم میں بدل دیا۔

واقعۂ جمل (15 جمادی الاولی 36ھ، بصرہ): 1-صف آرائی: تاریخ الطبری میں مذکور ہے کہ دونوں لشکر بصرہ کے قریب آمنے سامنے ہوئے۔ ایک طرف حضرت علی المرتضیٰؓ کی فوج تھی، دوسری طرف حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی قیادت میں لشکر تھا (تاریخ الطبری، ج4، ص450، دار التراث، بیروت)۔

2-جنگ کا آغاز: امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ فریقین میں اصل ارادہ صلح کا تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کے درمیان ملاقات بھی ہوئی، اور امن کی کوششیں ہوئیں۔ لیکن رات کے وقت خوارج اور قاتلانِ عثمان کے ایک گروہ نے خفیہ طور پر دونوں لشکروں پر حملہ کر دیا تاکہ صلح کی کوششیں ناکام ہو جائیں۔ یوں اچانک جنگ چھڑ گئی (البدایہ والنہایہ، ج7، ص230، دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔

3-شہادتِ طلحہؓ و زبیرؓ: جنگ کے دوران حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ، جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے، شہید ہو گئے۔ یہ اسلام کے لیے ناقابلِ فراموش سانحہ تھا۔ ابن الاثیر لکھتے ہیں: ”حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں مظلومانہ طور پر شہید

ہوئے اور حضرت علیؓ نے ان کی شہادت پر گہرا رنج ظاہر کیا'' (الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 217، دار الکتب العلمیہ)۔

4-عوامی قتل و غارت: اس جنگ میں صرف بڑے صحابہ ہی نہیں بلکہ بصرہ کے عوام بھی سخت متاثر ہوئے۔ ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں، املاک جل گئیں، اور مسلمانوں کا خون مسلمانوں کے ہاتھ سے بہا۔ یہ امت کی مظلومیت اور فتنہ پروروں کی مکاری کا نتیجہ تھا۔

مظلومیتِ واقعہ: یہ جنگ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اصل مجرم قاتلانِ عثمان بچ نکلے، مگر امت کے دامن پر خون لگا دیا گیا۔ جلیل القدر صحابہ کرامؓ، جو اسلام کے معمار تھے، ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے۔ بصرہ کے بے قصور عوام کا خون بہایا گیا اور ان کے مال و جائیداد ضائع کیے گئے۔ اس لحاظ سے یہ معرکہ صرف ایک جنگ نہ تھا بلکہ امت کے لیے ایک عظیم المیہ اور اسلام کی مظلوم شخصیات کے سلسلے کی ایک کڑی تھا۔

خلاصہ و نتائج: 1-معرکۂ جمل 15 / جمادی الاولی 36ھ کو بصرہ میں پیش آیا۔ 2-اس کا سبب قاتلانِ عثمانؓ کے خلاف کارروائی کے طریقۂ کار میں اختلاف تھا، نہ کہ اقتدار یا دنیا کی حرص۔ 3-جنگ دراصل فتنہ پرداز عناصر کی سازش سے شروع ہوئی، ورنہ دونوں فریق صلح کے خواہاں تھے۔ 4-حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے عظیم صحابہ کی شہادت اور ہزاروں مسلمانوں کی ہلاکت اس واقعہ کی المیت کو دوچند

کرتی ہے۔ 5- یہ واقعہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ صحابہ کرامؓ مظلوم تھے اور امت کو اصل مجرمین نے باہم لڑا دیا۔

مصادر و مراجع: 1- تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، ج4، ص455-450، دار التراث، بیروت۔ 2- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج7، ص233-227، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 3- الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، ج3، ص220-216، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 4- طبقات ابن سعد، ج3، ص35، دار صادر، بیروت۔ 5- الفتوح، ابن اعثم کوفی، ج2، ص390، دار الکتاب العربی۔

36ھ: بعد معرکۂ جمل بصرہ کے بعد نظم و نسق اور مظلومیت کا پس منظر

اسلامی تاریخ کے ایسے ابواب بھی ہیں جو عروج و عزیمت کے ساتھ ساتھ ابتلا و آزمائش کے دریچوں کو بھی کھولتے ہیں۔ خلافتِ علی المرتضیٰؓ کا دور (35ھ تا 40ھ) انہی ادوار میں سے ہے، جس میں ایک طرف تو عدل و قسط کے قیام کی روشن مثالیں قائم ہوئیں، اور دوسری طرف امت مسلمہ کے داخلی اختلافات نے شدید صدمات بھی پہنچائے۔ 36ھ میں پیش آنے والے معرکۂ جمل کے بعد بصرہ کی گورنری اور نظم و نسق کا باب ایسا ہی ایک تاریخی موقع ہے جس میں عدل و اصلاح کی جھلک بھی نمایاں ہے اور بعض مظلومیتوں کی چھاپ بھی باقی ہے۔

بصرہ کی صورتحال معرکۂ جمل کے بعد: معرکۂ جمل (15 جمادی الاول

36ھ) کے اختتام پر جب حضرت علیؓ فاتح کی حیثیت سے بصرہ میں داخل ہوئے تو شہر سخت اضطراب اور انتشار کا شکار تھا۔ شہداء کے خون نے بصرہ کی گلیوں کو رنگین کر دیا تھا، قبیلوں کے درمیان نفرتیں جنم لے چکی تھیں، اور انتظامی ڈھانچہ عملاً ٹوٹ چکا تھا۔ حضرت علیؓ نے بصرہ میں قیام فرما کر سب سے پہلے نظم ونسق قائم کرنے کی تدابیر اختیار فرمائیں۔ مورخ طبری لکھتے ہیں: **دخل علیٌّ البصرة بعد وقعة الجمل فنظر فی أحوال الناس، وأمّن الخائف، وبدّل بعض الولاة** (تاریخ الطبری، ج4، ص540، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔ یعنی حضرت علیؓ نے بصرہ میں داخل ہو کر لوگوں کے احوال کی نگرانی کی، خوف زدہ لوگوں کو امان دی، اور بعض گورنروں کو معزول کر کے نئے ذمہ دار مقرر کیے۔

گورنری میں تبدیلیاں: بصرہ کی گورنری پہلے عبداللہ بن عامر (پرانے والیِ عثمانی دور کے) کے ہاتھ میں تھی، جنہیں معرکہ کے بعد ہٹایا گیا۔ اس کے بجائے حضرت علیؓ نے اپنے معتمد خاص عثمان بن حنیف انصاریؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا (البدایہ والنہایہ، ج7، ص239، مطبوعہ دار ہجر، قاہرہ)۔ عثمان بن حنیفؓ نے شہر میں مالی وعدالتی اصلاحات کا آغاز کیا اور بیت المال کے نظم کو بہتر بنایا، مگر قبیلوی کشمکش کی وجہ سے بعض طبقات نے مخالفت بھی کی۔

مخالفین پر گرفت اور املاک کی ضبطی: طبری کے مطابق حضرت علیؓ نے ان قبائل اور افراد کو گرفت میں لیا جو مسلسل شورش برپا کر رہے تھے یا بغاوت پر آمادہ تھے۔

ان میں بعض ایسے لوگ بھی شامل تھے جو حضرت عثمانؓ کے اصل قاتلوں میں سے تھے اور ابتری پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ بعض کے اموال بھی وقتی طور پر ضبط کیے گئے تاکہ امن قائم رہے (تاریخ الطبری، ج4، ص541)۔ یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ حضرت علیؓ نے عمومی طور پر رعایا کو امان دی، اور فرمایا: **لکم الأمنُ ما لم تُحدِثوا حدثاً** (یعنی: تم سب کے لیے امن ہے جب تک تم کوئی نیا فساد پیدا نہ کرو) (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص240)۔

مظلومیت کا پہلو: اگرچہ حضرت علیؓ کی نیت عدل و اصلاح تھی، لیکن جنگ کے بعد کا ماحول ایسا تھا کہ بعض بے گناہ لوگ بھی اس کشمکش کی لپیٹ میں آ گئے۔ بعض مخالف قبائل کے لوگوں کو محض شبہ کی بنیاد پر گرفتار کیا گیا۔ اموال کی ضبطی نے عام لوگوں کو بھی متاثر کیا۔ بصرہ کے عوام، جو پہلے ہی جنگ کی آگ میں جل چکے تھے، مزید ابتلا اور مظلومیت سے دوچار ہوئے۔ یوں ایک طرف حضرت علیؓ کی عدل پر مبنی حکمت عملی سامنے آتی ہے، مگر دوسری طرف حالات کے جبر اور جنگی ماحول نے بہت سے افراد کو مظلوم بنا دیا۔

خلاصہ و نتائج: 1- معرکۂ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے بصرہ میں داخل ہو کر نظم و نسق بحال کیا۔ 2- نئے گورنر عثمان بن حنیفؓ کی تقرری امن و اصلاح کی ایک مثبت کوشش تھی۔ 3- مخالف قبائل اور بغاوت کی کوشش کرنے والوں پر گرفت ہوئی، اور بعض کے اموال ضبط کیے گئے۔ 4- اس پورے عمل میں امن قائم کرنے کا مقصد غالب تھا، مگر جنگی فضا نے کئی عام لوگوں کو مظلوم بنا دیا۔ 5- یہ باب اس حقیقت کی

طرف اشارہ کرتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی نیتیں خالص تھیں، مگر حالات کے جبر نے امت کو شدید آزمائش میں ڈال دیا۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، ج4، ص 541-540، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، ج7، ص 240-239، دار ہجر، قاہرہ۔ 3-الإمامۃ والسیاسۃ، ابن قتیبہ، ج 1، ص 62، مطبوعہ دار الأندلس۔ 4-العواصم من القواصم، ابن العربی، ص 115-111، تحقیق محبّ الدین الخطیب، دار الجیل، بیروت۔ 5-تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص 185، مطبوعہ دار القلم، کویت۔

رجب 36ھ: دار الخلافہ کی منتقلی: مدینہ سے کوفہ تک

اسلامی تاریخ کا ایک نہایت اہم باب خلافتِ علیؓ کے ابتدائی دور میں سامنے آتا ہے، جب رجب 63ھ میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے دار الخلافہ کو مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ یہ اقدام محض جغرافیائی تبدیلی نہیں تھی بلکہ سیاسی، عسکری اور سماجی حکمتِ عملی کی بنیاد پر ایک عظیم فیصلہ تھا۔ اس کے اثرات نہ صرف اس وقت کے حالات پر مرتب ہوئے بلکہ آئندہ تاریخ میں بھی اس کے گہرے نقوش ثبت ہو گئے۔

پس منظر: حضرت علیؓ نے خلافت ایسے ہنگامی ماحول میں سنبھالی جس میں داخلی اختلافات، خوارج کی شورش، اور شام کی طرف سے حضرت معاویہؓ کی جانب سے شدید سیاسی کشمکش نے امت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ مدینہ منورہ اگرچہ روحانی مرکز اور

اسلام کی اصل جائے پیدائش تھا، لیکن جغرافیائی اعتبار سے یہ سیاسی وعسکری چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے موزوں نہ تھا۔ بصرہ اور شام کے درمیان پھیلنے والے فتنہ وفساد کو کنٹرول کرنے کے لیے ایک ایسے مرکز کی ضرورت تھی جو فوجی طاقت کا گڑھ ہو اور جس کے ذریعے شام، عراق اور دیگر اطراف پر نظر رکھی جا سکے۔ اسی پس منظر میں حضرت علیؓ نے مدینہ سے کوفہ کو دار الخلافہ بنانے کا فیصلہ فرمایا۔

رجب 36ھ: کوفہ کا انتخاب: رجب 36ھ میں حضرت علیؓ مدینہ سے نکلے اور کوفہ کو اپنی خلافت کا مرکز قرار دیا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: **انتقل علیٌّ إلی الکوفة فی رجب سنة ستٍّ وثلاثین، فجعلها دار خلافته، وذلک لأسباب سیاسیة و عسکریة** (البدایہ والنہایہ، ج7، ص241، مطبوعہ دار ہجر، قاہرہ)۔ بلاذری نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا کہ کوفہ اس وقت ایک مضبوط فوجی چھاؤنی کی حیثیت رکھتا تھا، جہاں قبائل عرب کی بڑی تعداد آباد تھی، اور حضرت علیؓ کو اپنے مقاصد کے لیے ان کی ضرورت تھی (فتوح البلدان، بلاذری، ص359، مطبوعہ دار المعارف، مصر)۔

مدینہ منورہ کے لیے مظلومیت کا پہلو: اگرچہ حضرت علیؓ کا فیصلہ تدبر اور حکمت پر مبنی تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی مدینہ منورہ اور وہاں کے عوام ایک نئے باب کی مظلومیت سے دوچار ہوئے: **1-سیاسی مرکزیت کا زوال:** مدینہ، جو خلافتِ راشدہ کے آغاز سے دار الخلافہ رہا تھا، اپنی سیاسی مرکزیت سے محروم ہو گیا۔ **2-اشرافِ مدینہ کا اثر کم ہونا:** انصار و مہاجرین کے وہ جلیل القدر صحابہؓ جنہوں نے اسلام کے لیے

لازوال قربانیاں دی تھیں، سیاسی اثر ونفوذ میں پیچھے چلے گئے۔ **3-معاشرتی عدم توازن:** مدینہ کی معیشت اور معاشرت کا بڑا حصہ خلافتی مرکزیت سے وابستہ تھا۔ دارالخلافہ کی منتقلی نے وہاں کے عام عوام کو محرومی اور بے اثری کا شکار بنایا۔ **4-روحانی مرکزیت قائم رہی مگر سیاسی کمزوری پیدا ہوئی:** مدینہ منورہ اپنی دینی وروحانی عظمت میں بدستور مرکز رہا، مگر سیاسی اور انتظامی اعتبار سے پس منظر میں چلا گیا۔

حضرت علیؓ کی حکمت: حضرت علیؓ نے کوفہ کے انتخاب میں نہایت حکمت عملی اختیار فرمائی: یہ جگہ عراق وشام کے قریب تھی، لہٰذا سیاسی اور عسکری امور پر براہ راست نظر رکھی جاسکتی تھی۔ کوفہ کے قبائل میں فوجی قوت زیادہ تھی، جو اہلِ شام کے ساتھ ممکنہ جنگوں میں معاون ثابت ہوسکتی تھی۔ مرکزیت کوفہ میں قائم کرنے سے شام اور عراق دونوں پر ایک طرح کا دباؤ قائم ہوتا تھا۔

خلاصہ ونتائج: 1-رجب 36ھ میں حضرت علیؓ نے مدینہ منورہ سے کوفہ کو دارالخلافہ بنا کر اپنی حکمتِ عملی کا مظاہرہ کیا۔ 2-یہ فیصلہ بظاہر سیاسی وعسکری ضرورتوں کا تقاضا تھا، مگر اس کے اثرات مدینہ کے عوام پر بھی پڑے۔ 3-مدینہ اپنی سیاسی مرکزیت کھو بیٹھا، اور اشرافِ مدینہ وعوام مظلومیت کا شکار ہوئے۔ 4-حضرت علیؓ نے اس اقدام سے دراصل امت کو نئے فتنوں اور شورشوں سے بچانے کی حکمت عملی اپنائی، مگر حالات کی شدت نے کئی تاریخی محرومیوں کو جنم دیا۔ 5-یہ واقعہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ کبھی کبھی عدل وحکمت کے فیصلے بھی کچھ حلقوں کے لیے مظلومیت اور

محرومی کا سبب بن جاتے ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، ج7، ص241، مطبوعہ دار ہجر، قاہرہ۔ 2-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، ج4، ص542، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3-فتوح البلدان، احمد بن یحیی البلاذری، ص359، مطبوعہ دار المعارف، مصر۔ 4-العواصم من القواصم، ابن العربی، ص120-118، تحقیق محبّ الدین الخطیب، دار الجیل، بیروت۔ 5-تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص186، مطبوعہ دار القلم، کویت۔

ذوالقعدہ تا ذوالحجہ 36ھ: صوبوں میں احتجاجات اور بغاوتیں

خلافتِ علی المرتضیٰؓ کا ابتدائی زمانہ داخلی انتشار اور بیرونی سازشوں سے لبریز تھا۔ ایک طرف حضرت عثمان غنیؓ کے قتل کے بعد کے سانحات اور اس پر امت کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات تھے، تو دوسری طرف مختلف صوبوں میں احتجاجات اور شورشیں زور پکڑ رہی تھیں۔ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ 36ھ کے ایام اس اعتبار سے نہایت اہم ہیں کہ ان مہینوں میں عراق، مصر اور بعض دیگر علاقوں میں عوامی اضطراب، حکومتی گورنروں کے خلاف شکایات، اور بعض مقامات پر کھلی بغاوتیں سامنے آئیں۔ اس کے نتیجہ میں نہ صرف سیاسی عدم استحکام بڑھا بلکہ عوام اور خواص دونوں کو مظلومیت کے دور سے گزرنا پڑا۔

پس منظر: حضرت علیؓ نے خلافت سنبھالتے ہی اصلاحات کا آغاز کیا اور

کوشش کی کہ امت میں وحدت قائم ہو۔لیکن قاتلانِ عثمانؓ کا معاملہ پیچیدہ تھا۔بعض گورنروں پر عوامی اعتماد کمزور ہوگیا اور مختلف علاقوں کے قبائل وطبقات میں بے چینی پھیل گئی۔مصر میں قاتلانِ عثمانؓ کی ایک بڑی تعداد پناہ لیے ہوئے تھی اور وہاں کے حالات بے قابو ہورہے تھے۔کوفہ اگرچہ نیا دارالخلافہ بنادیا گیا تھا،لیکن وہاں بھی قبائل کی باہمی کشمکش اور بعض سرداروں کی مخالفت نمایاں تھی۔بصرہ جنگِ جمل کے بعد ابھی تک زخم خوردہ تھا اور عوام وہاں کی تباہی سے نالاں تھے۔ان تمام امور نے مجموعی طور پر صوبوں میں احتجاجات اور شورشوں کو ہوا دی۔

ذوالقعدہ 36ھ: صوبائی شکایات کا آغاز: تاریخ طبری میں مذکور ہے کہ ذوالقعدہ 36ھ میں اہلِ مصر اور اہلِ کوفہ نے اپنے گورنروں کے خلاف شکایات پیش کیں۔بعض لوگ عدالتی فیصلوں کو جانبدارانہ قرار دے رہے تھے اور کچھ اپنے اموال کی ضبطی یا ظالمانہ ٹیکسوں پر صدائے احتجاج بلند کررہے تھے (تاریخ الطبری، ج4،ص 545، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔اہلِ مصر خصوصاً اس وجہ سے مشتعل تھے کہ ان کے علاقے قاتلانِ عثمانؓ کے لیے جائے پناہ بن گئے تھے۔وہاں کے پرانے گورنروں کے خلاف بھی عوام میں سخت نفرت پائی جاتی تھی۔

ذوالحجہ 36ھ: احتجاجات کا شدت اختیار کرنا: ذوالحجہ میں صورتِ حال مزید سنگین ہوگئی۔ابن کثیر کے مطابق: **كثرت الشكايات على الولاة في الأمصار، وظهرت الفتنة في مصر والعراق، واشتدّت الأزمات بين العامة والولاة**

(البدایہ والنہایہ، ج7، ص244، دار ہجر، قاہرہ)۔ اہلِ کوفہ نے بعض گورنروں کے خلاف کھلے عام مظاہرے کیے۔ عوامی املاک ضبط ہونے اور بعض سیاسی مخالفین پر سختیوں کے باعث شورش بڑھ گئی۔ عدالتی نظام پر بھی انگلیاں اٹھنے لگیں۔

مظلومیت کے پہلو: اس زمانے میں مظلومیت کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں:

1-عوامی املاک کی ضبطی: بعض علاقوں میں گورنروں اور عاملین کی سخت پالیسیوں نے عوام کو اپنے اموال و زمینوں سے محروم کر دیا۔ **2-سیاسی مخالفین پر تشدد:** جن قبائل یا گروہوں نے حکومت کی پالیسیوں پر اعتراض کیا، ان پر سختیاں کی گئیں، گرفتاریاں ہوئیں اور ان کی املاک ضبط کی گئیں۔ **3-عدالتی ناانصافی:** بعض عدالتی فیصلوں کو عوام نے جانبدارانہ سمجھا اور یہ تصور پیدا ہوا کہ انصاف کمزور طبقے کے حق میں نہیں مل رہا۔ **4-صحابہ کرامؓ کی عظمت کا امتحان:** یہ وہ دور تھا جب جلیل القدر صحابہؓ مختلف اطراف میں بکھرے ہوئے تھے، اور عوامی جذبات بعض اوقات ان کے مقام و مرتبہ کے خلاف بغاوتی انداز اختیار کر لیتے تھے، جو دراصل ایک بڑی مظلومیت تھی۔

حضرت علیؓ کی مساعی: ان تمام مشکلات کے باوجود حضرت علیؓ نے صبر و حکمت کا مظاہرہ کیا۔ آپؓ نے اصلاحی اقدامات جاری رکھے، بعض گورنروں کو معزول کیا، اور کوشش کی کہ عوامی شکایات کو حل کیا جائے۔ لیکن سیاسی انتشار اور قاتلانِ عثمانؓ کی موجودگی نے حالات کو پیچیدہ بنائے رکھا۔

خلاصہ و نتائج: 1- ذوالقعدہ تا ذوالحجہ 36ھ میں صوبوں خصوصاً مصر اور کوفہ

میں احتجاجات اور بغاوتیں رونما ہوئیں۔ 2-عوامی املاک کی ضبطی، سیاسی مخالفین پر تشدد، اور عدالتی ناانصافی نے عوام میں شدید بے چینی پیدا کی۔ 3-یہ واقعات اس بات کی علامت ہیں کہ امت اسلامی اس وقت شدید آزمائش اور انتشار سے گزر رہی تھی۔ 4-حضرت علیؓ کی حکمتِ عملی اور صبر وتحمل کے باوجود صوبوں کی شورشیں ان کے لیے ایک بڑی آزمائش بن گئیں۔ 5-ان واقعات میں امت کی مظلومیت جھلکتی ہے کہ ایک طرف عدل پسند خلیفہ موجود تھے، مگر حالات ایسے تھے کہ ان کے فیصلوں کے ثمرات عام عوام تک نہ پہنچ پائے۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، ج4، ص545، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، ج 7، ص 244، دار ہجر، قاہرہ۔ 3-فتوح البلدان، بلاذری، ص 361، مطبوعہ دار المعارف، مصر۔ 4-تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص 189، دار القلم، کویت۔ 5-العواصم من القواصم، ابن العربی، ص 127-125، تحقیق محبّ الدین الخطیب، دار الجیل، بیروت۔

محرم الحرام 37ھ: جنگِ صفین کی تیاری اور امتِ مسلمہ کا امتحان

محرم الحرام سنہ 37ھ ہجری اسلامی تاریخ کا ایک نہایت نازک اور فیصلہ کُن دور تھا۔ خلافتِ علی بن ابی طالبؓ اپنے ایک ایسے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی جہاں سیاسی کشمکش اور امت کے داخلی اختلافات اپنی انتہاء کو پہنچ چکے تھے۔ سیدنا علی المرتضیٰؓ

جنہوں نے خلافتِ راشدہ کے تسلسل کو عدل و انصاف، دیانت و شجاعت اور زہد و تقویٰ کے ساتھ قائم رکھنے کی جدوجہد فرمائی، اب ایک نئے چیلنج کا سامنا کر رہے تھے۔ دوسری طرف سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ جو شام کے گورنر اور اہلِ شام کے قائد تھے، وہ بھی اپنے فہم و اجتہاد کے مطابق شہادتِ عثمانؓ کے خون کا قصاص چاہتے تھے۔ چنانچہ یہ اختلاف، جو دراصل منہجِ اجتہاد کا اختلاف تھا، ایک عظیم جنگ کی تیاری میں بدل گیا جسے تاریخ نے جنگِ صفین کے نام سے یاد رکھا۔

جنگ کی تیاری: محرم الحرام 37ھ میں سیدنا علی المرتضیٰؓ نے عراق کی سرزمین سے اپنے لشکر کو شام کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ کے ساتھ وہ عظیم المرتبت صحابہؓ اور جلیل القدر تابعینؒ تھے جو آپ کے عدل و علم پر یقین رکھتے تھے۔ دوسری طرف سیدنا معاویہؓ نے اہلِ شام کو صف آرا کیا۔ وہ صحابہؓ کے جلیل القدر فرد تھے اور اپنے موقف میں شہادتِ عثمانؓ کے خون کا قصاص لینے کو عین عدل و حق سمجھتے تھے۔ تاریخی روایات کے مطابق دونوں لشکر صفین کے مقام پر جمع ہوئے۔ یہ وہ وادی تھی جو دریائے فرات کے قریب واقع ہے (تاریخ الطبری، ج4، ص556؛ الکامل فی التاریخ، ج3، ص325)۔

ظلم کی نوعیت: یہ منظر اسلامی تاریخ کا سب سے دل خراش اور افسوس ناک پہلو پیش کرتا ہے۔ وہ صحابہؓ و تابعینؒ جو کل تک ایک ہی صف میں کافروں کے خلاف جہاد کیا کرتے تھے، آج اجتہادی اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے کے مقابلے پر کھڑے ہو گئے۔ یہ امتِ واحدہ کی داخلی کمزوری کا پہلا بڑا ظہور تھا جس میں تلواریں

ان ہاتھوں سے نکلیں جنہوں نے کبھی ایک دوسرے کے شانہ بشانہ اللہ کے دین کے لیے لڑائی کی تھی۔اس وقت کے مخلص مسلمان اس حقیقت پر خون کے آنسو بہاتے تھے کہ ایک طرف خلیفہ برحق حضرت علیؓ تھے، دوسری طرف جلیل القدر صحابی حضرت معاویہؓ۔دونوں اپنی اپنی نیت واجتہاد میں مخلص تھے،لیکن امت اس ابتلاء وآزمائش میں بٹ گئی۔اہلِ تحقیق نے اس حقیقت کو اجاگر کیا ہے کہ یہ تصادم ظلم ذاتی یا بددیانتی پر مبنی نہ تھا بلکہ اجتہادی خطا واختلاف کی ایک صورت تھی جس میں دونوں فریق اپنی نیتوں میں امت کی بھلائی کے طالب تھے۔البتہ اس آزمائش کا بوجھ پوری امت پر صدیوں تک محسوس کیا جاتا رہا۔

علمی وتحقیقی جائزہ: امام ابن کثیرؒ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كان عليٌّ ومن معه أقرب إلى الحقّ، ومعاوية وأصحابه مجتهدون (البدایہ والنہایہ، ج7،ص 268)۔یعنی حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی حق کے زیادہ قریب تھے،اور حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھی بھی اجتہاد کرنے والے تھے۔امام اہلِ سنت احمد بن حنبلؒ کا مشہور قول ہے:**تِلكَ دماءٌ كَفَّ اللهُ أيدِينا عنها فنُكفُّ ألسِنَتنا عنها** (طبقات الحنابلہ،ج1،ص332)۔یعنی یہ ایسے خون ہیں جن سے اللہ نے ہمارے ہاتھ محفوظ رکھے،پس ہم اپنی زبانوں کو بھی محفوظ رکھیں گے۔یہی وہ متوازن موقف ہے جو اہلِ سنت والجماعت،خصوصاً فقہاءِ احناف اور علماءِ دیوبند کا ہمیشہ سے رہا ہے کہ تمام صحابہؓ اہلِ عدل وتقویٰ ہیں،اور ان کے درمیان اختلافات اجتہادی

نوعیت کے تھے، لہٰذا ہمیں ان سب کا ادب واحترام ملحوظ رکھنا چاہیے۔

خلاصہ ونتائج: 1-محرم الحرام 37ھ میں جنگِ صفین کی تیاری امت کے سب سے بڑے امتحانات میں سے ایک تھی۔2-یہ اختلاف شخصی مفادات کا نہیں بلکہ اجتہادی اور قصاصِ عثمانؓ کے معاملے کا تھا۔3-دونوں طرف صحابہؓ وتابعینؒ موجود تھے، جو اخلاص وتقویٰ میں مشہور تھے۔4-امت کے اندر یہ تصادم بلاشبہ ایک عظیم المیہ تھا، جسے تاریخ نے فتنۂ کبریٰ کے طور پر محفوظ کیا۔5-اہلِ سنت والجماعت کا منہج یہ ہے کہ ان واقعات میں صحابہؓ پر زبان درازی سے پرہیز کیا جائے اور سب کے تقدس و عظمت کو تسلیم کیا جائے۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، دار التراث، بیروت، ج4،ص556۔2-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، دار صادر، بیروت، ج3، ص 325۔ 3-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 268۔ 4-طبقات الحنابلہ، ابن ابی یعلیٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج1،ص332۔

صفر 37ھ: جنگِ صفین کا آغاز اور امتِ مسلمہ کا عظیم المیہ

صفر المظفر سنہ 37ھ اسلامی تاریخ کا وہ دلگداز باب ہے جس نے امتِ مسلمہ کو شدید ترین آزمائش میں مبتلا کر دیا۔ جنگِ صفین کی تیاری محرم الحرام میں مکمل ہوئی، اور صفر کے آغاز میں دونوں لشکر صفین کی سرزمین پر ایک دوسرے کے سامنے صف

آراء ہو چکے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب امتِ واحدہ، جو کل تک غزوات وفتوحات میں ایک دوسرے کے مددگار اور بازو تھے، اب داخلی اختلاف اور اجتہادی نزاع کے سبب ایک دوسرے کے مقابلے میں آ کھڑی ہوئی۔

ابتدائی مذاکرات اور صلح کی کوششیں: تاریخی روایات میں ہے کہ جنگ کے ابتدائی ایام میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے بار بار اہلِ شام کی طرف صلح و مصالحت کی دعوت دی۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا مقصد مسلمانوں کا خون بہانا نہیں بلکہ حق کے قیام اور عدل کے نفاذ کے ذریعے امت کو متحد کرنا ہے (تاریخ الطبری، ج4، ص560)۔ سیدنا علیؓ کی طرف سے مختلف پیغام رساں بار بار حضرت معاویہؓ اور ان کے سردارانِ شام کے پاس گئے۔ لیکن اہلِ شام کی طرف سے قصاصِ عثمانؓ کے فوری مطالبے پر اصرار کیا گیا اور باہمی رضامندی کے کسی حل پر اتفاق نہ ہو سکا۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: **وَأَرْسَلَ عَلِيٌّ غَيرَ مَرَّةٍ يَدعُوهُم إِلَى الصُّلحِ، فَأَبَوا إِلَّا القِتالَ** (البدایہ والنہایہ، ج7، ص249)۔ یعنی علیؓ نے کئی بار ان کو صلح کی دعوت دی لیکن انہوں نے جنگ کے علاوہ کچھ نہ مانا۔

معرکہ کا آغاز: چنانچہ صفر کے وسط میں دونوں طرف سے صف آرائی کے بعد تلواریں نکل آئیں اور ایک ایسی خونریز جنگ چھڑ گئی جس نے امتِ مسلمہ کے دل کو چیر کر رکھ دیا۔ ہزاروں مسلمانوں نے اس جنگ میں اپنی جانیں قربان کیں۔ تاریخی روایات میں آتا ہے کہ جنگ کا منظر اتنا ہولناک تھا کہ دن میں تلواروں کی جھنکار اور راتوں میں زخمیوں کی کراہیں سنائی دیتی تھیں۔ وہ مسلمان جو کل تک ایک ہی قبلہ کی

طرف رخ کر کے نماز پڑھتے اور ایک ہی دشمن کے خلاف جہاد کرتے تھے، آج ایک دوسرے کے خون سے زمین کو سرخ کر رہے تھے۔

ظلم کی نوعیت: یہ جنگ اس اعتبار سے ظلمِ عظیم تھی کہ: ہزاروں مسلمان ایک دوسرے کی تلواروں کی نذر ہو گئے۔ یہ وہ خون تھا جسے قرآن نے حرام قرار دیا اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ (النساء:93)۔ یہ اجتہادی اختلاف اگرچہ نیت میں اخلاص پر مبنی تھا، لیکن اس کے عملی نتائج امت کے لیے زخم اور آلام سے کم نہ تھے۔ اہلِ تحقیق کے بقول اس جنگ میں خونِ مسلم کا بہنا وہ ظلم تھا جس سے زمین و آسمان لرز اُٹھے اور امت کی تاریخ ہمیشہ کے لیے غمناک ہو گئی۔

اہلِ سنت والجماعت کا موقف: اہلِ سنت والجماعت کا موقف ہمیشہ یہ رہا ہے کہ ان واقعات میں صحابہ کرامؓ کی نیتوں پر اعتراض نہیں کیا جائے گا۔ وہ سب اجتہاد کرنے والے اور دین کے خیر خواہ تھے۔ اگرچہ سیدنا علیؓ حق کے زیادہ قریب تھے لیکن سیدنا معاویہؓ اور ان کے رفقاء بھی اپنے اجتہاد پر قائم تھے۔ امام طحاویؒ کے عقیدہ طحاویہ میں صریح الفاظ ہیں: ونحب أصحاب رسول الله ﷺ، ولا نذكرهم إلا بخير۔ یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور ان کا ذکر خیر کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ یہی منہج ہمارے اسلافِ دیوبند کا بھی رہا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہمیشہ ادب و احترام کا پہلو اختیار کیا جائے اور ان کے اختلافات میں زبان

درازی سے اجتناب کیا جائے۔

خلاصہ و نتائج: 1-صفر 37ھ میں جنگِ صفین کا عملی آغاز ہوا اور ہزاروں مسلمانوں نے جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔2-حضرت علیؓ نے بار بار صلح کی دعوت دی مگر اہلِ شام نے انکار کیا۔3-یہ جنگ اسلامی تاریخ کا ایک عظیم سانحہ تھی جس میں خونِ مسلم بہا۔4-اس کا سبب ذاتی مفادات نہیں بلکہ اجتہادی اختلاف تھا۔5-اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ دونوں فریق نیتاً مخلص تھے، لیکن علیؓ حق کے زیادہ قریب تھے۔6۔امت کے لیے اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ داخلی اختلافات کو بڑھا کر خونریزی تک نہ پہنچایا جائے بلکہ صلح و مصالحت کو ہمیشہ مقدم رکھا جائے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، دار التراث، بیروت، ج 4، ص 560۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 249۔ 3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، دار صادر، بیروت، ج 3، ص 330۔ 4-عقیدہ طحاویہ، امام ابوجعفر الطحاوی، مع شروح۔

ربیع الاول 37ھ: لیلۃ الہریر صفین کی عظیم اور خونریز رات

ربیع الاول سنہ 37ھ کی وہ رات اسلامی تاریخ میں لیلۃ الہریر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ جنگِ صفین کا سب سے خوفناک اور فیصلہ کُن معرکہ تھا جس میں دونوں لشکروں نے پوری رات ایک دوسرے کے خلاف قتال کیا۔تاریخ کی کتابوں میں اس

رات کو ایسا المیہ قرار دیا گیا ہے جس نے امتِ مسلمہ کے قلب کو زخمی کر دیا اور جس کی یاد نے صدیوں تک مسلمانوں کے دلوں کو مضطرب رکھا۔

جنگ کا پس منظر: محرم اور صفر کے ایام میں مسلسل مذاکرات اور پھر سخت معرکہ آرائی کے بعد صفین کی جنگ شدت اختیار کر چکی تھی۔ جب کوئی فریق دوسرے پر غالب نہ آ سکا تو ربیع الاول میں ایک ایسی رات آئی جس میں جنگ نے اپنے عروج کو چھولیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس رات دونوں لشکر، ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اور جنگ اتنی شدید ہوئی کہ دن اور رات کے درمیان فرق مٹ سا گیا۔ اس ہولناک قتال میں نہ صرف شمشیریں چمکیں بلکہ نیزے ٹوٹے، تیروں کی بارش ہوئی اور زمین شہداء کے خون سے سرخ ہوگئی (تاریخ الطبری، ج4، ص564)۔

لیلۃ الہریر کی تفصیل: ابن کثیرؒ روایت کرتے ہیں: **قاتلوا ليلاً قتالاً شديداً، حتى سُمِّيت تلك الليلة بليلة الهرير** (البدایہ والنہایہ، ج7، ص250)۔ یعنی دونوں لشکروں نے رات بھر شدید جنگ کی یہاں تک کہ اس رات کو لیلۃ الہریر کہا گیا۔ ہریر کے معنی ہیں کتے کے بھونکنے کی آواز، اور اس رات کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ لاکھوں تلواروں کی جھنکار، زخمیوں کی آہیں، اور جنگی شور ایسا منظر پیش کر رہا تھا گویا ہر طرف خوفناک آوازیں گونج رہی ہوں۔ یہ جنگ رات بھر جاری رہی اور کسی بھی فریق نے پسپائی اختیار نہ کی۔ صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک بڑی جماعت اس معرکہ میں موجود تھی۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اجتہاد پر ثابت قدم تھا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے

نیت ومقصد میں مخلص تھا۔

ظلم کی نوعیت: اگرچہ یہ معرکہ دونوں جانب کے مجاہدین کی شجاعت اور استقامت کا آئینہ دار تھا، لیکن حقیقت میں یہ امت کے لیے ایک عظیم ظلم والمیہ بھی تھا: ہزاروں بے گناہ مسلمان اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ امتِ مسلمہ کے دو بڑے حصے، یعنی اہلِ عراق اور اہلِ شام، ایک دوسرے کے خلاف صف آراء تھے۔ ایک طرف وہ صحابہؓ تھے جنہوں نے بدر واحد میں شرکت کی، اور دوسری طرف وہ صحابہؓ تھے جنہوں نے شام کی فتوحات میں ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔ یہ منظر دیکھ کر زمین وآسمان لرز گئے کہ ایک ہی امت کے افراد، ایک ہی قبلہ کے نمازی، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ یہی وہ ظلم تھا جس کی سنگینی کو بیان کرتے ہوئے محدثین اور مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ سب اجتہادی خطائیں تھیں، نہ کہ ذاتی اغراض یا دین سے انحراف۔

اہلِ سنت والجماعت کا منہج: اہلِ سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ جنگِ صفین کے واقعات میں دونوں فریق اجتہادی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت علیؓ حق کے زیادہ قریب تھے لیکن حضرت معاویہؓ اور ان کے اصحاب بھی اپنے اجتہاد میں کوشاں تھے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: ہم یقین رکھتے ہیں کہ تمام صحابہؓ مجتہد اور معذور ہیں، اور ہمیں ان کے بارے میں سوائے خیر کے کچھ نہیں کہنا چاہیے (شرح صحیح مسلم، مقدمہ)۔ اسی بنیاد پر اکابر دیوبند نے ہمیشہ ان واقعات کو علمی وقار اور عدل کے ساتھ بیان کیا اور صحابہ کرامؓ کی عظمت کو ہر حال میں ملحوظ رکھا۔

خلاصہ ونتائج: 1-ربیع الاول 37ھ کی لیلۃ الہریر جنگِ صفین کی سب سے خونریز رات تھی جس میں دونوں طرف سے رات بھر قتال جاری رہا۔ 2-اس معرکہ میں ہزاروں مسلمان شہید ہوئے اور امت کے دو بڑے حصے ایک دوسرے کے خلاف لڑے۔ 3-یہ واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک عظیم سانحہ تھا جس نے امت کو زخمی کر دیا۔ 4-اس کے باوجود اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب عدول ہیں اور ان کے اجتہادی اختلافات میں ہمیں خاموشی اور خیر ہی کا پہلو اختیار کرنا چاہیے۔ 5-یہ واقعہ امت کے لیے سبق ہے کہ باہمی اختلاف کو کبھی خونریزی تک نہ پہنچایا جائے بلکہ صلح ومصالحت کو ہمیشہ مقدم رکھا جائے۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، دار التراث، بیروت، ج 4، ص 564۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 250۔ 3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، دار صادر، بیروت، ج 3، ص 332۔ 4-شرح صحیح مسلم، امام نووی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، مقدمہ۔

ربیع الآخر 37ھ: حکمین کا فیصلہ اور امت کا فکری وروحانی المیہ

ربیع الآخر 37ھ اسلامی تاریخ میں وہ دور ہے جب جنگِ صفین کے خونریز معرکوں کے بعد اچانک ایک ایسا موڑ آیا جس نے جنگ کی نوعیت کو تبدیل کر دیا۔ اہلِ شام نے جب دیکھا کہ جنگ میں ان کی شکست قریب ہے تو انہوں نے قرآنِ کریم

کے نسخے نیزوں پر بلند کر دیے اور مصالحت اور حکمیت کی اپیل کی۔ یہ منظر دیکھ کر لشکرِ علیؓ کے اکثر افراد جذباتی ہو گئے اور انہوں نے اصرار کیا کہ اس دعوت کو قبول کر لیا جائے۔

حکمیت کی تجویز: حضرت علی المرتضیٰؓ شروع میں اس طریقہ کار سے راضی نہ تھے۔ آپؓ نے فرمایا: **هذا كتابُ الله بين أيدينا، صامتٌ ينطقه الرجال** (تاریخ الطبری، ج4، ص568)۔ یعنی یہ اللہ کی کتاب ہمارے سامنے ہے، لیکن یہ صامت ہے، اس کو لوگ ہی اپنی زبان سے بولاتے ہیں۔ یعنی اصل ضرورت قرآن کے احکام پر عمل کی تھی نہ کہ اسے سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کی۔ تاہم لشکر کے اندر بعض طبقات کے شدید اصرار اور فتنے کے اندیشہ کی وجہ سے حضرت علیؓ نے مجبوری میں حکمیت کی تجویز کو قبول فرمایا۔ دونوں فریقین نے اپنے نمائندے منتخب کیے: اہلِ عراق کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ۔ اہلِ شام کی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ۔

فیصلہ کی کیفیت: تاریخی روایات کے مطابق دونوں حکمین کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق فیصلہ کریں۔ لیکن سیاسی دباؤ، وقت کے حالات اور شخصی حکمت عملیوں نے اس فیصلے کو مشکوک بنا دیا۔ ابن العربیؒ فرماتے ہیں: **وكانت الفتنة في ذلك أنّ القرآن جُعل آلةً للسياسة** (العواصم من القواصم، ص135)۔ یعنی اس فتنے کی حقیقت یہ تھی کہ قرآن کو سیاست کا آلہ بنایا گیا۔ عملاً اس فیصلہ نے اہلِ شام کو فائدہ پہنچایا اور اہلِ عراق کی پوزیشن کمزور ہو گئی۔ یوں حق اور عدل کی وہ آواز جو حضرت علیؓ بلند کر رہے تھے، وقتی طور پر دب گئی۔

ظلم کی نوعیت: یہ واقعہ کئی پہلوؤں سے ظلم اور امت کے لیے المیہ ثابت ہوا: **1-قرآن کو سیاسی ہتھیار بنایا گیا:** اللہ کی کتاب جو ہدایت ورحمت کے لیے نازل ہوئی تھی، اسے ایک فریق نے اپنی وقتی برتری کے لیے آلہ بنالیا۔ **2-اہلِ حق کو دبایا گیا:** حضرت علیؓ کی واضح اور اصولی پوزیشن کو دبا دیا گیا اور فیصلہ ایسے رخ پر لے جایا گیا جو امت کی مزید تقسیم کا باعث بنا۔ **3-فکری وروحانی نقصان:** اس فیصلے نے امت کے دل میں یہ زخم چھوڑا کہ قرآن کے نام پر بھی سیاسی مفادات حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ یہ امت کے فکری وروحانی تشخص پر ایک گہرا صدمہ تھا۔

اہلِ سنت والجماعت کا منہج: اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک اس فیصلے میں بھی کسی صحابیؓ پر طعن نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت علیؓ کا موقف قرآن وسنت کے زیادہ قریب تھا، لیکن حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء بھی اجتہادی کوشش میں تھے۔ یہ امت کا بڑا سانحہ ضرور تھا، مگر صحابہ کرامؓ سب عدول ہیں، اور ان کے اجتہادی اختلافات میں ہمیں صرف خیر اور ادب کا پہلو اختیار کرنا ہے۔ یہی تعلیم امام طحاویؒ اور اکابرِ دیوبند نے ہمیں دی ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1-ربیع الآخر 37ھ میں جنگ صفین کے دوران اہلِ شام نے قرآن اٹھا کر حکمیت کی تجویز دی۔ 2-حضرت علیؓ نے مجبوری میں اس تجویز کو قبول کیا اور دونوں جانب سے حکمین مقرر کیے گئے۔ 3-فیصلہ مشکوک اور جانبدار ثابت ہوا، جس نے اہلِ شام کو سیاسی فائدہ دیا اور اہلِ عراق کو کمزور کیا۔ 4-قرآن کو سیاسی ہتھیار بنانا امت کے لیے سب سے بڑا ظلم اور فکری سانحہ تھا۔ 5-اہلِ سنت والجماعت

کا منہج ہے کہ ان واقعات میں بھی صحابہ کرامؓ کی عظمت و تقدس کو ملحوظ رکھا جائے اور ان کے اجتہادی اختلافات کو حسنِ ظن کے ساتھ لیا جائے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، دار التراث، بیروت، ج 4، ص 568۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 252۔ 3-العواصم من القواصم، ابن العربی، دار الجیل، بیروت، ص 135۔ 4-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، دار صادر، بیروت، ج 3، ص 336۔

ربیع الآخر 37ھ: حکمین کا فیصلہ حقیقت، پس منظر اور نتائج

جنگِ صفین کے خونریز معرکوں کے بعد ربیع الآخر 37ھ میں اسلامی تاریخ ایک نہایت نازک موڑ پر پہنچی۔ اہلِ شام نے قرآنِ کریم کے نسخے نیزوں پر بلند کر کے جنگ روکنے اور ''حکمین'' کے ذریعے فیصلہ کرنے کی تجویز پیش کی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے آغاز میں اس طرزِ عمل کو فریب قرار دیا لیکن اپنے لشکر کے اندرونی دباؤ اور اختلاف کے خطرے کو دیکھتے ہوئے مجبوری میں یہ تجویز قبول فرمائی۔ اس کے نتیجے میں ''حکمین'' مقرر کیے گئے: اہلِ عراق کی طرف سے: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اہلِ شام کی طرف سے: حضرت عمرو بن العاصؓ یہ واقعہ تاریخ اسلام کا ایک بڑا باب ہے جس میں اجتہاد، سیاست اور امت کی وحدت کے مسائل ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔

حکمیت کی تفصیلات: (1) معاہدۂ حکمیت: تاریخ طبری میں ہے کہ دونوں

فریق اس بات پر متفق ہوئے کہ حکمین کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کریں گے اور اگر وہ کسی ایک فریق کو معزول کرنا چاہیں تو دونوں پر یہ لازم ہوگا کہ وہ فیصلہ قبول کریں (تاریخ الطبری، ج4، ص568)۔

(2) ابوموسیٰ اشعریؓ کا موقف: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اپنی فطرت میں نہایت نرم دل اور صلح جو تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جنگ مزید خونریزی کا سبب بنے گی، اس لیے انہوں نے یہ تجویز رکھی کہ دونوں (حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ) کو معزول کر دیا جائے اور امت ایک نئے خلیفہ پر اتفاق کرے۔

(3) عمرو بن العاصؓ کی حکمت عملی: حضرت عمرو بن العاصؓ ایک نہایت زیرک اور سیاسی بصیرت رکھنے والے صحابی تھے۔ انہوں نے ابوموسیٰؓ کے ساتھ بظاہر موافقت کا اظہار کیا، لیکن عملی اعلان کے وقت حکمتِ عملی سے اپنا رخ بدل لیا۔ تاریخ کی روایات میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰؓ نے سب سے پہلے اعلان کیا ہم دونوں علی اور معاویہ کو معزول کرتے ہیں (الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، ج3، ص336)۔

اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ کھڑے ہوئے اور کہا: میں بھی علی کو معزول کرتا ہوں لیکن معاویہ کو باقی رکھتا ہوں کیونکہ وہ ولیِ دمِ عثمان ہیں (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج7، ص252)۔ یوں فیصلہ بظاہر ناموزوں اور جانبدار دکھائی دیا جس نے اہلِ عراق کو نقصان اور اہلِ شام کو فائدہ پہنچایا۔

ظلم کی نوعیت: اس فیصلے کی سنگینی اور المیہ کئی پہلوؤں سے سامنے آیا:

1-قرآن کو سیاسی ہتھیار بنایا گیا قرآن جس کا مقصد ہدایت اور عدل ہے، اسے ایک فریق نے وقتی برتری کے لیے آلہ بنالیا۔2-اہلِ حق کو دبایا گیا حضرت علیؓ کا موقف جو قرآن وسنت کے قریب تھا، وقتی طور پر کمزور کر دیا گیا۔3-امت کا فکری وروحانی نقصان اس فیصلے نے امت میں شکوک وشبہات کو جنم دیا اور ایک ایسا زخم چھوڑا جو کئی دہائیوں تک تازہ رہا۔ابن العربیؒ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: **فتنة التحكيم أنّ القرآن جُعل آلة للسياسة** (العواصم من القواصم،ص135)۔یعنی حکمیت کا فتنہ یہ تھا کہ قرآن کو سیاست کا آلہ بنایا گیا۔

اہلِ سنت والجماعت کا منہج: اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک ان تمام واقعات میں کسی صحابی پر طعن وتشنیع جائز نہیں۔تمام صحابہ کرامؓ مجتہد تھے:حضرت علیؓ حق کے زیادہ قریب تھے۔حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء بھی اجتہاد کرنے والے تھے۔امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا:**تلك دماءٌ كف الله أيدينا عنها فنكف ألسنتنا عنها** (طبقات الحنابلہ، ج1،ص332)۔یعنی یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ نے ہمارے ہاتھ محفوظ رکھے، پس ہم اپنی زبان کو بھی محفوظ رکھیں گے۔یہی منہج اکابر علمائے دیوبند کا بھی رہا ہے کہ ان واقعات کو احترامِ صحابہ کے ساتھ بیان کیا جائے اور اختلافات میں عدل و توازن ملحوظ رکھا جائے۔

خلاصہ ونتائج: 1-ربیع الآخر 37ھ میں جنگِ صفین کے دوران حکمیت کا واقعہ پیش آیا۔2-اہلِ شام نے قرآن اٹھا کر جنگ رکوانے کی تجویز دی جسے حضرت

علیؓ نے لشکر کے اصرار پر قبول فرمایا۔ 3-ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا گیا۔ 4-فیصلہ اس طرح ہوا کہ ابوموسیٰؓ نے دونوں کو معزول قرار دیا جبکہ عمروؓ نے صرف علیؓ کو معزول اور معاویہؓ کو باقی رکھا۔ 5-یہ فیصلہ امت کے لیے ایک فکری اور روحانی صدمہ ثابت ہوا اور اہلِ عراق کو سخت نقصان پہنچا۔ 6-اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ یہ اجتہادی اختلاف تھا، صحابہ کرامؓ سب عدول ہیں، لہٰذا ان پر زبان درازی ناجائز ہے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، دار التراث، بیروت، ج 4، ص 568۔ 2-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 252۔ 3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، دار صادر، بیروت، ج 3، ص 336۔ 4-العواصم من القواصم، ابن العربی، دار الجیل، بیروت، ص 135۔ 5-طبقات الحنابلہ، ابن ابی یعلی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 1، ص 332۔

جمادی الاولی و جمادی الاخری 37ھ

(خوارج کا ظہور اور امت پر اس کے اثرات)

اسلامی تاریخ کے اوراق میں 37ھ ایک ایسا سال ہے جس نے امت مسلمہ کی وحدت اور استقامت کو شدید ترین آزمائشوں میں ڈال دیا۔ جنگِ صفین کے بعد جب ''حکمین'' کا فیصلہ سامنے آیا تو ایک نئی جماعت نے جنم لیا جو بعد میں ''خوارج''

کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ جماعت اپنے انتہا پسندانہ افکار اور جمود پر مبنی اجتہاد کی بنا پر امت میں شدید فکری انتشار کا باعث بنی۔

پس منظر: ربیع الآخر 37ھ میں جب حکمیت کا فیصلہ صادر ہوا تو حضرت علیؓ کے لشکر کے اندر ایک گروہ ابھرا جو اس فیصلے پر شدید ناراض ہوا۔ ان کا کہنا تھا کہ ''فیصلہ صرف اللہ کا ہے'' (إن الحکم إلا للہ) اور کسی انسان کو حکم ماننا شرک کے مترادف ہے۔ یہ گروہ تدریجاً حضرت علیؓ کی اطاعت سے نکل گیا اور کوفہ کے قریب ''حروراء'' کے مقام پر جمع ہو کر اپنی مستقل جماعت بنالی۔ اسی نسبت سے انہیں ابتدا میں ''حروریہ'' اور بعد میں ''خوارج'' کہا گیا (تاریخ الطبری، ج4، ص575)۔

خوارج کا موقف: 1- ان کا بنیادی نعرہ یہ تھا: **لا حکم إلا للہ** یعنی ''حکم صرف اللہ کے لیے ہے''۔ 2- وہ حضرت علیؓ کے اس فیصلے کو کفر شمار کرتے تھے کہ انہوں نے انسانوں کو حکم بنایا۔ 3- ان کے نزدیک جو شخص اس فیصلے پر راضی ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ خوارج نے علیؓ، معاویہؓ، عمروؓ اور ابوموسیٰؓ سب کو کافر قرار دیا (الکامل فی التاریخ، ج3، ص335)۔

ظلم کی نوعیت: خوارج کے طرزِ عمل سے کئی طرح کے مظالم وجود میں آئے:

1- حضرت علیؓ پر کفر کے فتوے وہ خلیفۂ وقت اور رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی تھے، ان پر کفر کا فتویٰ لگانا امت کے لیے نہایت بڑا ظلم تھا۔ 2- صحابہ کرامؓ کی عظمت کو نشانہ بنانا خوارج نے نہ صرف حضرت علیؓ بلکہ دیگر اکابر صحابہؓ پر بھی طعن و تشنیع کی، حالانکہ

قرآن نے سب کو ''رضی اللہ عنہم'' کا خطاب دیا۔ 3-امت کی فکری و روحانی تقسیم خوارج نے ایک ایسا فتنہ کھڑا کیا جو تلوار سے زیادہ زبان کے ذریعے پھیلا اور اس نے امت کی بنیادوں کو ہلا دیا۔

اہلِ سنت والجماعت کا منہج: اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک خوارج کا خروج ایک عظیم گمراہی اور فتنہ تھا۔ حضرت علیؓ ان کے مقابلے میں حق پر تھے۔ صحابہ کرامؓ کی تکفیر کرنے والے دراصل خود گمراہ اور باغی تھے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: **الخوارج بغاة عصاة، وإن صلوا وصاموا واجتهدوا** (شرح مسلم، النووی، ج7، ص167)۔ یعنی خوارج باغی اور نافرمان تھے، چاہے وہ نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے اور عبادت میں سختی کرتے تھے۔

علمی و تحقیقی تجزیہ: خوارج کا ظہور اس بات کی دلیل ہے کہ جب دینی نصوص کو انتہا پسندی اور ناقص فہم کے ساتھ لیا جائے تو دین کے اصل مقاصد مجروح ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے ''**إن الحكم إلا لله**'' کی آیت کو سیاق و سباق سے کاٹ کر اپنے باطل نظریے کی بنیاد بنایا۔ یہ طرزِ فکر امت کے لیے بدترین نظریاتی دہشت گردی کی صورت اختیار کر گیا۔

خلاصہ و نتائج: 1-جمادی الاولی و جمادی الاخری 37ھ میں خوارج نے حضرت علیؓ سے علیحدگی اختیار کر کے اپنی جماعت بنالی۔ 2-ان کا بنیادی نعرہ ''**لا حكم إلا لله**'' تھا جسے انہوں نے انتہا پسندی کے ساتھ برتا۔ 3-انہوں نے حضرت

علیؓ اور دیگر اکابر صحابہؓ پر کفر کے فتوے لگائے، جو امت پر عظیم ظلم تھا۔ 4-اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علیؓ حق پر تھے اور خوارج باطل و گمراہ۔ 5-خوارج کا ظہور اس بات کی تنبیہ ہے کہ دینی نصوص کو صحیح فہم، اجماعِ امت اور سنتِ نبوی ﷺ کے بغیر استعمال کرنا گمراہی اور فتنہ ہے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، دار التراث، بیروت، ج 4، ص 575۔ 2-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، دار صادر، بیروت، ج 3، ص 335۔ 3-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 253۔ 4-شرح صحیح مسلم، امام نووی، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 167۔

اسلامی سنہ 37ھ کے تناظر میں ایک تحقیقی مطالعہ

(فتنۂ خوارج: بانی اور عقائد)

پس منظر: اسلامی تاریخ میں خوارج کا فتنہ ان عظیم فتنوں میں سے ہے جس نے امتِ مسلمہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور اسلامی معاشرے کو فکری و عملی انتشار میں مبتلا کر دیا۔ یہ فتنہ دراصل جنگِ صفین (37ھ) کے بعد ''حکمین'' کے فیصلے کے موقع پر ظاہر ہوا۔ جب حضرت علیؓ نے حکمیت کی تجویز کو وقتی مصلحت کے پیشِ نظر قبول کیا تو ایک گروہ ان سے الگ ہو گیا اور نعرہ لگایا: **لا حکم إلا للہ** حکم صرف اللہ کے لیے ہے۔ یہ گروہ بعد میں ''خوارج'' کے نام سے مشہور ہوا۔

خوارج کا بانی: تاریخی روایات کے مطابق خوارج کے فتنہ کا باب ذوالخویصرہ التمیمی (حرقوص بن زہیر) سے کھلا، جو دورِ نبوی ﷺ ہی میں اپنے باطل نظریے کا اظہار کر چکا تھا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ جب حضور ﷺ نے حنین کے مالِ غنیمت تقسیم فرمائے تو اس نے گستاخی سے کہا: اعدل یا محمد (اے محمد ﷺ انصاف کیجیے!) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ویحک! ومن یعدل إذا لم أعدل؟** (ہلاکت ہو تجھ پر! اگر میں عدل نہ کروں تو پھر کون عدل کرے گا؟) (صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ)۔ حضور ﷺ نے اس موقع پر اس کے بارے میں یہ خبر دی: **یخرج من ضِئضِئِی ھذا قومٌ یَقرؤن القرآن لا یجاوز تراقیَھم، یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ** (اس کی نسل سے ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے) (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، حدیث: 1064)۔ یہی شخص اور اس کے متبعین دراصل خوارج کے بانی قرار دیے گئے، اور ان کے نظریات کا پہلا بیج اسی نے بویا۔

خوارج کے عقائد: خوارج کے بنیادی عقائد کو کتبِ تاریخ وملل نے تفصیل سے ذکر کیا ہے، جنہیں درج ذیل نکات میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے:

1- کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر ہے: خوارج کا سب سے نمایاں عقیدہ یہ تھا کہ جو شخص کبیرہ گناہ کرے وہ ایمان سے خارج ہو کر کافر بن جاتا ہے (الملل والنحل، الشہرستانی، ج1، ص114)۔

2-امارت وخلافت کا انکار: ان کے نزدیک خلافت صرف اسی شخص کے لیے درست ہے جو ان کے معیار کے مطابق ''عادل'' اور ''متقی'' ہو، خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اگر حاکم ان کے نظریے کے خلاف کام کرے تو اس کے خلاف خروج واجب ہے (الفصل فی الملل، ابن حزم، ج4، ص167)۔

3-تکفیرِ صحابہؓ: خوارج نے حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور دیگر اکابر صحابہؓ پر کفر کے فتوے لگائے (تاریخ الطبری، ج4، ص575)۔

4-''لا حکم إلا للہ'' کا انتہا پسندانہ استعمال انہوں نے آیتِ قرآنی **إن الحکم إلا للہ** کو اپنے باطل نظریے کے لیے ہتھیار بنایا اور ہر انسانی فیصلے کو شرک قرار دیا (الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، ج3، ص335)۔

5-نفاقِ عملی اور جہالت: اگرچہ وہ عبادت میں کثرت کرتے، مگر ان کی عبادت میں روحِ اخلاص نہ تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: **تحقرون صلاتکم مع صلاتھم وصیامکم مع صیامھم** (تم اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلے میں اور اپنے روزے کو ان کے روزے کے مقابلے میں حقیر سمجھو گے) (صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابۃ)۔

ظلم کی نوعیت: خوارج نے سب سے پہلا ظلم صحابہ کرامؓ کی تکفیر کی صورت میں کیا، جو حقیقت میں قرآن کی روشنی اور نبوی تعلیمات کی کھلی خلاف ورزی تھی۔ انہوں نے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کیا اور مسلمانوں کا خون مباح سمجھا۔ دین کی اصل روح کو پسِ پشت ڈال کر اپنی من مانی تاویلات کے ذریعے امت کو فکری دہشت گردی کا شکار بنایا۔

خلاصہ ونتائج: 1-خوارج کا بانی ذوالخویصرہ تمیمی تھا جس نے براہِ راست رسول اللہ ﷺ کے سامنے گستاخی کی۔ 2-اس کے فکر وعمل سے وہ فتنہ وجود میں آیا جسے نبی کریم ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی پیشین گوئی فرمادی تھی۔ 3-خوارج کے بنیادی عقائد میں کبیرہ گناہ کے مرتکب کی تکفیر، صحابہ کرامؓ پر طعن، اور "**لا حکم إلا للہ**" کے انتہا پسندانہ استعمال شامل تھے۔ 4-ان کا فتنہ امت کے لیے فکری، روحانی اور سیاسی لحاظ سے بدترین ظلم ثابت ہوا۔ 5-اہلِ سنت والجماعت کا منہج یہ ہے کہ خوارج کو باغی اور گمراہ سمجھا جائے، مگر صحابہ کرامؓ کی عظمت وتقدس کو ہر حال میں برقرار رکھا جائے۔

مصادر ومراجع: 1-صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، بیروت، کتاب المناقب، حدیث:3610۔ 2-صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، کتاب الزکاۃ، حدیث:1064۔ 3-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، دار التراث، بیروت، ج4، ص 575۔ 4-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، دار صادر، بیروت، ج 3، ص 335۔ 5-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 253۔ 6-الملل والنحل، الشہرستانی، دار المعرفۃ، بیروت، ج 1، ص 114۔ 7-الفصل فی الملل والنحل، ابن حزم، دار الجیل، بیروت، ج4، ص 167۔

رجب تا رمضان 37ھ: صوبوں میں شورشیں اور امت کی آزمائش

اسلامی سنہ 37ھ کے واقعات تاریخ کے صفحات پر خون اور آنسو کے ساتھ

رقم ہیں۔جنگِ صفین اور حکمیت کے فیصلے نے امت کی وحدت کو متزلزل کر دیا تھا۔اس کے بعد سیاسی و انتظامی سطح پر شورشوں نے جنم لیا۔مختلف صوبوں خصوصاً مصر اور عراق میں بغاوتوں کا آتش فشاں پھوٹ پڑا۔اس کے نتیجے میں عوامی امن وسکون تہہ و بالا ہوا،اور عدل وانصاف کی فضا غبار آلود ہوگئی۔

مصر کی شورشیں: رجب 37ھ میں مصر ایک بار پھر سیاسی اضطراب کا شکار ہوا۔حضرت علیؓ کی خلافت کے خلاف کچھ گروہ اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے گورنر کے خلاف بغاوت برپا کی۔ بلاذری روایت کرتے ہیں کہ یہاں بعض قبائل نے بیت المال کی تقسیم پر اعتراضات اٹھائے اور حکومت کے احکامات کو ماننے سے انکار کر دیا (فتوح البلدان، بلاذری،ص362)۔یہ بغاوت محض اقتدار کی کشمکش کا نتیجہ نہ تھی بلکہ پسِ پردہ وہی فتنہ گروہ سرگرم تھے جنہوں نے جنگِ جمل اور صفین کو ہوا دی تھی۔

عراق کی شورشیں: عراق میں بھی مختلف قبائل نے حضرت علیؓ کے مقرر کردہ گورنروں کی اطاعت سے انکار کیا۔بعض قبائل بیت المال سے زیادہ حصے کا مطالبہ کرتے تھے،اور بعض عدالتی فیصلوں کو جانبداری پر محمول کرتے۔خلیفہ بن خیاط لکھتے ہیں کہ بعض گروہوں نے حکومتی احکامات کے خلاف احتجاج اور عملی مزاحمت کی،جس سے صوبے میں امن و امان کا مسئلہ مزید گھمبیر ہو گیا (تاریخ خلیفہ بن خیاط،ص 195)۔یہ صورتِ حال دراصل اس بات کی علامت تھی کہ جنگِ صفین کے بعد امت کی فکری اور سیاسی وحدت کس قدر متاثر ہو چکی تھی۔

ظلم کی نوعیت: ان شورشوں کے نتیجے میں مختلف طرح کے مظالم رونما ہوئے: **1-عوامی اموال کی ضبطی:** باغیوں نے بیت المال پر قبضہ کیا، جس کے نتیجے میں عام مسلمانوں کا حق مارا گیا۔ **2-سیاسی مخالفین پر ظلم:** جو لوگ حکومتی وفادار رہے، انہیں طرح طرح کی اذیتوں کا نشانہ بنایا گیا۔ **3-عدالتی ناانصافی کی شکایات:** کچھ علاقوں میں عدالتی فیصلوں کو تسلیم نہ کیا گیا، اور مقامی عدالتوں پر بے اعتمادی نے معاشرتی امن کو پارہ پارہ کر دیا۔ یہ وہ ظلم تھا جس کی چوٹ براہِ راست عام مسلمانوں پر پڑی۔

اہلِ سنت والجماعت کا موقف: اہلِ سنت والجماعت کا اصول ہے کہ یہ تمام شورشیں محض سیاسی اختلافات اور دنیاوی کشمکش کا نتیجہ تھیں۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں زبان درازی سے پرہیز کیا جائے، کیونکہ قرآن نے انہیں ''رضی اللہ عنہم'' کا درجہ دیا ہے۔ ان شورشوں کی اصل ذمے داری ان گروہوں پر عائد ہوتی ہے جو امت میں افتراق پھیلا کر خلافتِ علیؓ کو کمزور کرنے کے درپے تھے۔

خلاصہ ونتائج: 1-رجب تا رمضان 37ھ میں مصر اور عراق شورشوں کا شکار ہوئے۔ 2-ان بغاوتوں نے انتظامی اور عدالتی ڈھانچے کو کمزور کیا۔ 3-عوامی اموال پر قبضے اور عدالتی ناانصافی نے مظلوم مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ 4-یہ فتنہ دراصل صفین کے بعد پیدا ہونے والے سیاسی انتشار کا تسلسل تھا۔ 5-اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک ان شورشوں کا ذمے دار وہ گروہ ہے جس نے خلافتِ علیؓ کی اطاعت سے انکار کر کے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کیا۔

مصادر و مراجع: 1-فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ بلاذری، دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، ص 362۔ 2-تاریخ خلیفہ بن خیاط، خلیفہ بن خیاط، تحقیق: د۔ اُکرم ضیاء العمری، دار القلم، دمشق، ص 195۔ 3-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، دار التراث، بیروت، ج4۔ 4-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، دار صادر، بیروت، ج3۔

شوال تا ذوالحجہ 37ھ: امت کی مظلومیت کا منظر نامہ

اسلامی تاریخ کے اوراق پر سنہ 37ھ ایک نہایت دردناک اور رقت انگیز سال کے طور پر محفوظ ہے۔ جنگِ صفین کی تلخ یادیں ابھی ماند نہ ہوئی تھیں کہ اس کے بعد امت ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی۔ مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہوئی، اور امت کے وہ طبقات جو سیاست و اقتدار کی کشمکش سے ہمیشہ دُور تھے، سب سے زیادہ مظلوم بن کر رہ گئے۔ شوال سے ذوالحجہ 37ھ تک کی مدت میں امت مسلمہ کے زخم تازہ ہوئے اور ایسے حالات پیدا ہوئے جو تاریخِ اسلام میں مظلومیتِ امت کے عنوان سے ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔

جنگِ صفین کے نتائج اور معاشرتی زخم: جنگِ صفین میں ہزاروں مسلمان جاں بحق ہوئے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس کے بعد معاشرے میں یتیموں اور بیواؤں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ وہ گھرانے جو کبھی امن و سکون کے گہوارے تھے، اجڑ کر رہ گئے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: **كانت صفين من أعظم الوقائع في الإسلام،**

قُتِل فیھا عشرات الألوف من المسلمین، وخلفت ورائھا آلاف الأیتام والأرامل (البدایہ والنہایہ، ج7، ص270، دارالفکر)۔ یہ وہ کربناک حقیقت تھی جس کی تپش نے امت کے ہر طبقے کو جھلسا دیا۔

فتنہ خوارج کی شدت: صفین کے بعد سب سے خطرناک فتنہ خوارج کا تھا۔ یہ وہ گروہ تھا جو نہ صرف حضرت علیؓ کی خلافت کے خلاف کھڑا ہوا بلکہ امت کے اجتماعی وجود کو بھی کھوکھلا کرنے لگا۔ انہوں نے تکفیر کا ہتھیار استعمال کیا، معصوم مسلمانوں کو کافر قرار دیا اور ان کے قتل کو مباح سمجھا۔ طبری کے الفاظ ہیں: **خرجت طائفة من الناس یرون رأیاً جدیداً، یُکفّرون علیاً ومعاویة ومن معھما، ویستحلون دماء المسلمین** (تاریخ الطبری، ج4، ص580، دارالتراث)۔ یہ فتنہ امت کی مظلومیت کی ایک نئی جہت تھا، جس میں عام مسلمان، جنہیں سیاست سے کوئی غرض نہ تھی، خوارج کی تلواروں کا نشانہ بنے۔

خلافتِ علیؓ اور داخلی انتشار: ان حالات میں حضرت علیؓ کی خلافت اندرونی انتشار کی زد میں آ گئی۔ آپؓ ایک جانب خوارج کی شورشوں کا سامنا کر رہے تھے اور دوسری طرف شام کے محاذ پر سیاسی کشمکش برقرار تھی۔ خلافتِ علیؓ کی ان مشکلات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف عدل و انصاف کی برکات محدود ہو کر رہ گئیں، اور دوسری طرف عوام الناس ظلم و ستم کی چکی میں پستے چلے گئے۔ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک یہ تمام حالات محض سیاسی و انتظامی اختلافات کا شاخسانہ تھے۔ ان میں صحابہ کرامؓ کے

تقدس پر کوئی حرف نہیں آتا، کیونکہ وہ سب اجتہاد کے مقام پر تھے۔ البتہ ان شورشوں کا سب سے زیادہ خمیازہ امت کے کمزور اور بے بس طبقات کو بھگتنا پڑا۔

ظلم کی نوعیت: 1-امت مسلمہ کا اتحاد پارہ پارہ ہونا: امت جو ایک جسم کی مانند تھی، مختلف گروہوں اور جماعتوں میں بٹ گئی۔ **2-خلفائے راشدین کے بعد پہلی خانہ جنگی:** پہلی مرتبہ اسلامی معاشرے نے خانہ جنگی کا وہ دور دیکھا جس میں بھائی نے بھائی پر تلوار اٹھائی۔ **3-مظلوم طبقہ عوام الناس:** وہ عام مسلمان جو نہ اقتدار کے خواہش مند تھے اور نہ سیاست کی کشمکش میں شریک، سب سے زیادہ مظلوم ہوئے۔ ان کی جان، مال اور عزت محفوظ نہ رہی۔

خلاصہ ونتائج: 1-شوال تا ذوالحجہ 37ھ امتِ مسلمہ کے لیے زخموں سے بھرا ہوا دور تھا۔ 2-جنگِ صفین کے نتیجے میں ہزاروں یتیم و بیوائیں پیدا ہوئیں اور معاشرہ شدید متاثر ہوا۔ 3-خوارج کا فتنہ شدت اختیار کر گیا، جس نے امت کی وحدت اور امن کو تباہ کیا۔ 4-حضرت علیؓ کی خلافت اندرونی انتشار میں گھری رہی، اور عدل و انصاف کی روشنی کمزور ہوئی۔ 5-سب سے زیادہ مظلوم وہ عوام تھے جنہوں نے کبھی طاقت اور اقتدار کی ہوس نہ رکھی تھی۔ 6-یہ واقعات امت کی تاریخ میں اس حقیقت کی یاددہانی ہیں کہ فتنہ وانتشار ہمیشہ کمزوروں کو کچل دیتا ہے۔

مصادر ومراجع: 1-البدایہ والنہایہ، حافظ ابن کثیر الدمشقی، دار الفکر، بیروت، ج7، ص270۔ 2-تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، دار التراث، بیروت، ج4،

ص 580۔ 3-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری، دار صادر، بیروت، ج 3۔
4-تاریخ خلیفہ بن خیاط، تحقیق: د۔اکرم ضیاء العمری، دار القلم، دمشق، ص 195۔

خلاصہ واقعات 37ھ

1- اسلامی تاریخ کا یہ باب ایمان، ایثار اور عدل کی روشن مثالوں کے ساتھ ساتھ فتنہ و ابتلاء اور مظلومیت کی داستان بھی ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد کا دور امت کی وحدت کے لیے سب سے بڑی آزمائش بن کر آیا (ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج2، ص415)۔

2-محرم الحرام 37ھ: صفین کی تیاری: امیر المؤمنین حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اختلافات بڑھتے گئے، حتیٰ کہ دونوں لشکر صفین کے میدان میں آمنے سامنے آ گئے۔ وہ صحابہ و تابعین جو کل تک ایک دوسرے کے شانہ بشانہ تھے، آج ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہو گئے (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص556؛ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص325)۔

3-صفر: جنگ کا آغاز: صفین کی سرزمین پر تلواریں چمکیں، نیزے چھٹے اور ہزاروں مسلمان خون میں نہا گئے۔ اسلام کے سپاہی باہمی رنجشوں کے باعث ایک دوسرے کی تلواروں کی زد میں آئے اور امت کا دل زخمی ہوا (طبری، ج4، ص560؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص249)۔

4-ربیع الاول: لیلۃ الہریر: صفین کی سب سے سخت رات لیلۃ الہریر کہلائی۔ تلواروں کی جھنکار، زخمیوں کی کراہیں اور مسلسل حملوں نے ہزاروں جانوں کو نگل لیا۔ آسمان گویا امت کے لہو پر لرز اُٹھا (طبری، ج4، ص564؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص250)۔

5-ربیع الآخر: حکمین: اہلِ شام کی طرف سے قرآن کو بلند کر کے حکمیت کی پیشکش کی گئی۔ حضرت علیؓ نے مجبوری میں اسے قبول کیا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا گیا، لیکن نتیجہ مزید اختلاف اور زخم کا باعث بنا۔ (طبری، ج4، ص568؛ ابن العربی، العواصم من القواصم، ص135)۔

6-جمادی الاولیٰ و الاخریٰ: خوارج کا ظہور: حکمیت کے فیصلے پر اعتراض کرتے ہوئے کچھ لوگ الگ ہو گئے اور خوارج کے نام سے مشہور ہوئے۔ انہوں نے حضرت علیؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ پر کفر کے فتوے لگائے اور امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ (طبری، ج4، ص575؛ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص335)۔

7-رجب تا رمضان: صوبائی شورشیں: فتنہ صوبوں تک بھی پھیل گیا۔ مصر و عراق میں بغاوتیں ہوئیں، عوامی اموال ضبط ہوئے اور عدالتی ناانصافیاں بڑھ گئیں۔ طاقت کی کشمکش میں عام مسلمان مظلوم ترین طبقہ بن گئے (بلاذری، فتوح البلدان، ص362؛ خلیفہ بن خیاط، تاریخ، ص195)۔

8-شوال تا ذوالحجہ: امت کی مظلومیت: صفین کے بعد ہزاروں بیوائیں اور یتیم وجود میں آئے۔ خوارج کے فتنوں نے شدت اختیار کی اور خلافتِ علیؓ اندرونی

انتشار میں گھر گئی۔ امت جو کبھی ایک جھنڈے تلے تھی، اب پارہ پارہ ہوگئی (طبری، ج4، ص580؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص270)۔

محرم الحرام تا ذوالحجہ 38ھ کے اہم واقعات

اسلامی تاریخ کا سال 38ھ ان حادثات و واقعات کا حامل ہے جنہوں نے امتِ مسلمہ کی وحدت کو سخت دھچکا پہنچایا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب جنگِ صفین کے اثرات ابھی تازہ تھے، اس خونریز معرکے کے زخم ہر دل پر نمایاں تھے، اور امت ایک عظیم انتشار سے دوچار تھی۔ حکمیت کے نتیجے میں جس امید کو سلجھاؤ اور اصلاح کی صورت میں دیکھا جا رہا تھا، وہ بجائے خود نئے اختلافات اور شدید انتشار کا باعث بنا۔ اہلِ شام اور اہلِ عراق کی تقسیم مزید گہری ہوگئی۔ اس صورتِ حال نے ایک ایسے گروہ کو جنم دیا جس نے امت کے امن و سکون کو سخت متزلزل کیا، اور وہ گروہ خوارج کے نام سے تاریخ میں یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا ظہور صرف ایک فکری انحراف نہیں تھا، بلکہ عملی بغاوت اور قتل و غارت کی شکل اختیار کر گیا۔ حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰؓ کی خلافت مسلسل شورشوں اور بغاوتوں میں گھری رہی۔ ایک طرف شام میں حضرت معاویہؓ کی حکمتِ عملی اور سیاسی دباؤ تھا، دوسری طرف عراق و مصر جیسے صوبوں میں بغاوتوں اور سازشوں نے خلافت کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ نتیجتاً حضرت علیؓ کو اپنے اصل مقصد یعنی عدل و انصاف کے قیام اور امت کی اصلاح میں وہ کامیابی نہ مل سکی جو ان کے دل میں تھی۔ اس سال کے

واقعات نے ایک طرف امت کو مزید تقسیم کیا، دوسری طرف مسلمانوں کے عام طبقے کو بدترین مظلومیت سے دوچار کیا۔ یتیموں اور بیواؤں کی آہیں، بے قصور مسلمانوں کا خون، اور سیاسی انتشار کے طوفان نے ملتِ اسلامیہ کے زخموں کو تازہ تر کر دیا۔

ظلم کی نوعیت: امتِ مسلمہ دو واضح حصوں میں بٹ گئی، جس نے اتحادِ امت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ خوارج نے حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابی پر کفر کے فتوے لگا کر صحابہ کرامؓ کی عظمت کو چیلنج کیا۔ صوبوں میں بغاوتوں کے نتیجے میں عوامی اموال ضبط ہوئے اور بے گناہ افراد ظلم و ناانصافی کا شکار ہوئے۔

خلاصہ و نتائج: 1- سال 38ھ اسلامی تاریخ میں فتنوں کی شدت اور امت کی تقسیم کے حوالے سے نہایت فیصلہ کن ہے۔ 2- جنگِ صفین کے زخم ابھی مندمل نہ ہوئے تھے کہ حکمیت کے نتائج نے مزید اختلافات کو ہوا دی۔ 3- خوارج کا فتنہ پوری شدت سے ظاہر ہوا، جس نے امت کے فکری و عملی اتحاد کو پارہ پارہ کیا۔ 4- حضرت علیؓ کی خلافت، باوجود عدل و حق پرستی کے، داخلی انتشار اور بیرونی مخالفتوں میں گھر گئی۔ 5- اس سال نے یہ ثابت کیا کہ طاقت و سیاست کی کشمکش میں سب سے زیادہ مظلوم وہ عوام ہیں جن کا نہ اقتدار سے تعلق تھا نہ قوت سے؛ لیکن وہی سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔

مصادر و مراجع: 1- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 272، مطبوعہ: مکتبۃ المعارف، بیروت۔ 2- محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 1، مطبوعہ: دار التراث، بیروت۔ 3- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 340،

مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 4-بلاذری، فتوح البلدان، ص 365، مطبوعہ: دار ومطبعۃ الہلال، مصر۔

محرم الحرام 38ھ: حکمین کی ناکامی اور سیاسی بحران

اسلامی تاریخ کا سال 38ھ محرم الحرام کے ایام میں ایک نہایت نازک اور فیصلہ کن موڑ پر کھڑا دکھائی دیتا ہے۔ جنگِ صفین کے بعد امت کے اتحاد و اتفاق کو بحال کرنے کی خاطر جس فیصلے (تحکیم) پر اتفاق ہوا تھا، وہ اپنے مقاصد کو حاصل نہ کر سکا۔ اہلِ عراق کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اور اہلِ شام کی طرف سے عمرو بن العاصؓ کو حکم (ثالث) منتخب کیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ دونوں جلیل القدر صحابہؓ قرآن وسنت کے اصولوں کی روشنی میں امت کا نزاع ختم کریں اور مسلمانوں کو دوبارہ ایک پرچم کے نیچے جمع کریں۔ لیکن سیاسی مصلحتیں، حالات کی پیچیدگیاں اور خارجی دباؤ اس بات کا سبب بنے کہ فیصلہ کوئی واضح نتیجہ نہ دے سکا۔ ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں کہ محرم الحرام 38ھ میں دونوں حکمین کی ملاقات ہوئی، اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اپنی سادہ مزاجی اور نیک نیتی کے تحت حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو معزول کرنے اور امت کو آزادانہ انتخاب کا حق دینے کی بات کہی۔ لیکن عمرو بن العاصؓ نے اپنی سیاسی بصیرت کے مطابق اس موقع کو یوں پیش کیا کہ حضرت علیؓ معزول اور حضرت معاویہؓ باقی قرار پائیں۔ اس کے نتیجے میں معاملہ سلجھنے کے بجائے

مزید الجھ گیا (تاریخ الطبری، ج 5، ص 3، دار التراث، بیروت)۔ ابن العربی المالکی اس واقعہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دونوں صحابہؓ کی نیت میں کجی نہ تھی، بلکہ حالات نے انہیں مختلف موقف اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ مگر اس فیصلہ کے نتیجے میں امت کا انتشار اور بڑھ گیا اور مسلمانوں میں تذبذب کی لہر دوڑ گئی (العواصم من القواصم، ص 141، مطبعۃ السعادۃ، قاہرہ)۔

مظلومیتِ امت: یہ حقیقت نہایت دردناک ہے کہ تحکیم کا اصل مقصد امت کو متحد کرنا اور خونریزی کو روکنا تھا، لیکن اس کے برعکس نتیجہ یہ نکلا کہ: لاکھوں مسلمان ایک شدید ذہنی اور سیاسی بحران کا شکار ہوئے۔ عوام کے ذہنوں میں خلفاء اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں زبان درازی اور بے ادبی کی فضا قائم ہوگئی، حالانکہ یہ لوگ اسلام کے ستون تھے۔ دشمنانِ اسلام کو اس تذبذب سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، اور امت کی قوتِ ایمانی اور وحدت متزلزل ہوگئی۔ یہی وہ وقت ہے جب تاریخ اسلام میں سیاسی شعور کے ساتھ ساتھ سیاسی فتنہ بھی پروان چڑھا۔ امت کے لیے سب سے بڑی مظلومیت یہ تھی کہ جن ہستیوں کے فیصلے عدل وحکمت کے علمبردار تھے، ان کے بارے میں بھی عوامی سطح پر بدگمانی پیدا ہوئی۔

خلاصہ ونتائج: 1- محرم الحرام 38ھ میں حکمین کے اجلاس کا مقصد امت کے اتحاد کو بحال کرنا تھا، مگر سیاسی حالات کی پیچیدگیوں نے اس مقصد کو ناکام بنا دیا۔ 2- حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ دونوں جلیل القدر صحابہ تھے، ان کی نیتوں میں اخلاص تھا، لیکن نتیجہ اختلاف وانتشار کی شکل میں ظاہر ہوا۔ 3- امت کی

سب سے بڑی مظلومیت یہ تھی کہ عوام میں خلفاء وصحابہ کرامؓ کے بارے میں زبان درازی کا رواج بڑھا اور اعتماد متزلزل ہوا۔ 4- یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ فتنوں کے دور میں سب سے زیادہ متاثر عام مسلمان ہوتے ہیں، جو نہ اقتدار میں شریک ہوتے ہیں نہ فیصلہ سازی میں، لیکن نقصان ان ہی کو اٹھانا پڑتا ہے۔

مصادر ومراجع: 1- محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص3، دار التراث، بیروت۔ 2- ابن العربی المالکی، العواصم من القواصم، ص141، مطبعۃ السعادۃ، قاہرہ۔ 3- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص272، مکتبۃ المعارف، بیروت۔ 4- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص343، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

صفر 38ھ: خوارج کی مسلح بغاوت اور امت کی مظلومیت

اسلامی تاریخ کے اوراق میں صفر 38ھ ایک نہایت ہی پرآشوب اور خونچکاں مہینہ ہے۔ جنگِ صفین اور تحکیم کے ناکام فیصلے کے بعد پیدا ہونے والا فتنہ، جسے تاریخ نے فتنۂ خوارج کے نام سے یاد کیا ہے، اس ماہ میں دوبارہ عروج پر پہنچا۔ یہ گروہ ابتدا میں حروراء کے مقام پر جمع ہوا، اسی نسبت سے انہیں حروریہ بھی کہا جاتا ہے۔ بعدازاں وہ نہروان کے اطراف میں اپنے لشکر جمع کرنے لگے۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ ''خالص دین'' کے علمبردار ہیں، لیکن دراصل وہ تاویلِ باطل اور فکرِ فاسد کے نمائندہ تھے۔ انہوں نے قرآن کی بعض آیات کو اپنی خواہشات کے مطابق استعمال کیا

اور جلیل القدر صحابہ کرامؓ تک پر کفر کے فتوے صادر کر دیے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ صفر 38ھ میں خوارج نے باقاعدہ طور پر مسلح جتھے تشکیل دیے اور عام مسلمانوں کے شہروں اور قافلوں پر حملے شروع کر دیے (الکامل فی التاریخ، ج3، ص345، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔ طبری نے ان کی کاروائیوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ وہ نہ صرف فوجی قافلوں پر حملہ آور ہوتے بلکہ بے گناہ عورتوں اور بچوں تک کو اپنی تلوار کا نشانہ بناتے۔ ان کے نزدیک جو شخص ان کے نظریے کا متبع نہ ہوتا، وہ ''کافر'' تھا اور اس کا خون اور مال مباح تھا (تاریخ الطبری، ج5، ص6، دار التراث، بیروت)۔

مظلومیت کی نوعیت: خوارج کی اس مسلح بغاوت نے امت کو دوہرے عذاب میں مبتلا کر دیا: **1-مسلمانوں کا قتل عام:** وہ عام مسلمانوں کو کافر قرار دے کر ان کا خون بہاتے اور اموال لوٹتے۔ یہ امت کی وہ مظلوم اکثریت تھی جس کا نہ اقتدار میں کوئی حصہ تھا، نہ سیاست میں۔ لیکن وہ خوارج کے ظلم وستم کا براہِ راست نشانہ بنی۔ **2-عورتوں اور بچوں پر ظلم:** تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ انہوں نے نہ عورتوں کی حرمت کا پاس رکھا اور نہ بچوں کے معصوم خون کی حفاظت کی۔ یہ اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی طرزِ عمل تھا۔ **3-امت کے اتحاد پر ضرب:** خوارج کی بغاوت نے خلافتِ علیؓ کے استحکام کو شدید نقصان پہنچایا اور امت کی صفوں میں مزید دراڑیں ڈال دیں۔

خلاصہ ونتائج: 1-صفر 38ھ میں خوارج نے حروراء اور نہروان کے اطراف مسلح جتھے بنا کر امت پر ظلم وستم کی نئی لہر چلائی۔ 2-ان کے کفر کے فتوے اور قتل و

غارت گری نے ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو مظلوم بنا دیا۔ 3-عورتوں اور بچوں تک پر ان کی تلوار اٹھ جانا اس بات کی علامت تھا کہ یہ گروہ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے یکسر محروم ہو چکا تھا۔ 4-خوارج کی اس بغاوت نے امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور خلافت راشدہ کی قوت کو اندرونی سطح پر کمزور کیا۔

مصادر و مراجع: 1-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 345، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 2-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 6، دار التراث، بیروت۔ 3-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 274، مکتبۃ المعارف، بیروت۔ 4-ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج 2، ص 426، دار الفکر، بیروت۔

ربیع الاول 38ھ: نہروان کی تیاری اور امت کی مظلومیت

ربیع الاول 38ھ اسلامی تاریخ کے ان نازک ترین لمحات میں سے ہے جب خلافتِ علوی کو اندرونی انتشار اور خارجی فتنوں نے بری طرح گھیر رکھا تھا۔ جنگِ صفین کے بعد حکمیت کے مسئلے نے جس زخم کو جنم دیا، وہ وقت گزرنے کے ساتھ ناسور بنتا گیا۔ خوارج نے اسی موقع کو غنیمت جانا اور اپنے باطل نظریات کی تبلیغ و ترویج میں شدت پیدا کی۔ حضرت علیؓ، جو سراپا عدل و رحمت تھے، نے بارہا ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کے سامنے قرآن و سنت کی حجت قائم کی، صلح و درگزر کی راہ دکھائی، اور امت کے اتحاد کی تاکید فرمائی۔ لیکن خوارج کے دلوں پر ہٹ دھرمی اور عناد غالب

آ چکا تھا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: حضرت علیؓ نے متعدد بار ان سے ملاقات کی اور انہیں واپس لانے کی کوشش کی، لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہے اور مسلسل بغاوت کی تیاری کرتے رہے (البدایہ والنہایہ، ج7، ص275، مکتبۃ المعارف، بیروت)۔

حکومت کا نظام متاثر ہونا: خوارج کی بغاوت صرف ایک فکری اختلاف نہ تھی بلکہ ایک عملی خطرہ بھی تھی۔ وہ منظّم جتھوں کی صورت میں نکلے، قافلوں اور شہروں پر حملے کرنے لگے۔ اس کے نتیجے میں خلافتِ علیؓ کا نظامِ حکومت بری طرح متاثر ہوا۔ انتظامی معاملات تعطل کا شکار ہوئے، اور مختلف صوبوں کے حکام کو بھی داخلی امن قائم رکھنے میں دشواریاں پیش آنے لگیں۔

مظلومیت کی نوعیت: 1-مسلمانوں کے درمیان غلط فہمیاں: خوارج کے فتنہ نے عام مسلمانوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کر دیے۔ ایک طرف خلافت کی رٹ تھی اور دوسری طرف وہ لوگ جو خود کو ''اہلِ دین'' کے دعویدار کہہ رہے تھے۔ اس کشمکش نے امت کو فکری و روحانی اضطراب میں مبتلا کر دیا۔ **2-صلح پسند مسلمانوں پر ظلم:** وہ لوگ جو امن وصلح کے خواہاں تھے اور کسی خانہ جنگی میں شریک نہ تھے، وہ بھی خوارج کی تلوار کے نیچے آ گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا نشانہ اصل میں امت کی وہ مظلوم اکثریت تھی جو طاقت وسیاست کے کھیل سے ہمیشہ الگ رہی۔

خلاصہ ونتائج: 1-ربیع الاول 38ھ میں خوارج نے اپنی بغاوت کو نہروان کے معرکہ تک پہنچانے کی تیاریاں شروع کیں۔ 2-حضرت علیؓ کی حکیمانہ کوششیں اور

نصائح بے اثر رہیں، کیونکہ خوارج عناد اور ہٹ دھرمی میں اندھے ہو چکے تھے۔ 3-اس بغاوت نے خلافت کے نظم ونسق کو براہِ راست متاثر کیا اور عوامی سطح پر اضطراب وفتنہ بڑھایا۔ 4-وہ مظلوم طبقہ جو صلح وامن کا خواہاں تھا، خوارج کی شدت پسندی کا سب سے بڑا شکار بنا۔

مصادر و مراجع: 1-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 275، مکتبۃ المعارف، بیروت۔ 2-الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 8، دار التراث، بیروت۔ 3-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 347، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 4-ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج 2، ص 428، دار الفکر، بیروت۔

ربیع الاخر 38ھ: نہروان کی جنگ اور امت کی مظلومیت

ربیع الآخر 38ھ اسلامی تاریخ میں ایک ایسا باب ہے جس میں امتِ مسلمہ کا دُکھ اور زخم نمایاں ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب امت کے ایک گروہ، یعنی خوارج، نے اپنے غلو اور شدت پسندی کے سبب خلافتِ علیؓ کے خلاف تلوار اُٹھائی۔ ان کے بغاوتی اقدامات اور ظلم وستم نے حضرت علیؓ کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنی ہی امت کے باغی گروہ کے خلاف میدانِ جنگ میں صف آرا ہوں۔

جنگ کا آغاز: ابن جریر طبری کے مطابق، جب خوارج نے نہروان کے اطراف میں مسلح جتھے بنا کر مسلمانوں پر حملے شروع کیے اور معصوموں کا قتل عام کیا تو حضرت علیؓ نے

ایک بار پھر ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔ آپؓ نے فرمایا: تم لوگ اپنے بھائیوں پر تلوار نہ اٹھاؤ، قرآن کو سمجھو اور رجوع کرو (طبری، ج5، ص9)۔ لیکن خوارج اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے اور کہا: **لا حکم إلا لله** (حکم صرف اللہ کا ہے)۔ ان کے اسی نعرے کو انہوں نے بغاوت کا جواز بنالیا۔ آخر کار حضرت علیؓ کو اپنی فوج کے ساتھ نہروان کا رُخ کرنا پڑا۔

نہروان کا معرکہ: ربیع الآخر 38ھ میں دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ حضرت علیؓ کی فوج میں اکابر صحابہ و تابعین موجود تھے، جبکہ خوارج میں وہ شدت پسند شامل تھے جنہوں نے اپنے نظریہ کی خاطر امت کا خون بہانے کو عین عبادت سمجھ لیا تھا۔ جنگ انتہائی سخت تھی۔ تلواروں کی جھنکار اور نیزوں کی برق رفتار ضربات سے میدان لرز گیا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: اس جنگ میں خوارج کی ایک بڑی تعداد ماری گئی، یہاں تک کہ ان کے تقریباً تمام بڑے سردار ہلاک ہو گئے (البدایہ والنہایہ، ج7، ص277، مکتبۃ المعارف، بیروت)۔ روایات کے مطابق تقریباً چار ہزار خارجی اس جنگ میں مارے گئے، جبکہ حضرت علیؓ کے لشکر میں شہداء کی تعداد بہت کم تھی۔

مظلومیت کی نوعیت: 1-معصوم مسلمانوں کا قتل: خوارج کی شدت پسندی نے وہ راستہ اپنایا کہ عورتیں، بچے اور صلح جو مسلمان بھی ان کی تلوار کے نیچے آ گئے۔ یہ امت کے مظلوم طبقات پر ایک نہ ختم ہونے والا ظلم تھا۔ **2-حضرت علیؓ کی مجبوری:** سب سے بڑی مظلومیت یہ تھی کہ حضرت علیؓ، جو خلفائے راشدین میں سے تھے اور سراپا عدل و رحمت تھے، کو اپنی ہی امت کے ایک گروہ کے خلاف جنگ کرنی پڑی۔ یہ

امت کی بدنصیبی اور زوال کی ایک بڑی نشانی تھی۔ **3-امت کا اتحاد پارہ پارہ ہونا:** نہروان کی جنگ نے واضح کر دیا کہ امت کی صفوں میں دراڑیں پڑ چکی ہیں، اور دشمنانِ اسلام کے لیے اب یہ ایک کمزور امت بننے کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔

خلاصہ و نتائج: 1-نہروان کی جنگ دراصل خوارج کی شدت پسندی اور فکری انحراف کا نتیجہ تھی۔ 2-حضرت علیؓ نے آخری حد تک صلح و افہام و تفہیم کی کوشش کی، لیکن ناکامی پر آپؓ کو میدانِ جنگ کا فیصلہ کن اقدام کرنا پڑا۔ 3-خوارج کی بڑی تعداد اس جنگ میں ختم ہوئی، مگر ان کا فتنہ بعد کے زمانوں میں مختلف شکلوں میں زندہ رہا۔ 4-سب سے بڑی مظلومیت یہ تھی کہ امت کو اندرونی طور پر اس قدر نقصان پہنچا کہ اس کے اثرات صدیوں تک محسوس کیے جاتے رہے۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 10-9، دار التراث، بیروت۔ 2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 277، مکتبۃ المعارف، بیروت۔ 3-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 348، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 4-ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج 2، ص 430، دار الفکر، بیروت۔

جمادی الاولی تا جمادی الاخری 38ھ

(مصر و شام کی سیاسی کشمکش اور عوامی مظلومیت)

اسلامی تاریخ کے سنہ 38ھ کا درمیانی دور یعنی جمادی الاولی تا جمادی

الآخری وہ زمانہ ہے جب خلافتِ علیؓ اور شام کے والی حضرت معاویہؓ کے مابین سیاسی تناؤ اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ یہ وہ وقت ہے جب امتِ مسلمہ داخلی طور پر زخم خوردہ تھی، اور جنگ صفین کے بعد مصالحت کی کوششیں بھی مزید اختلافات کا باعث بنیں۔ چنانچہ اسی ماحول میں مصر اور شام کی فضا سیاسی کشمکش کا مرکز بنی اور عوام الناس کے لیے سخت ترین ابتلا و آزمائش کا دور شروع ہوا۔

مصر میں سیاسی اضطراب: حضرت علیؓ نے مصر میں اپنے قابل اعتماد گورنر حضرت قیس بن سعد انصاریؓ کو مقرر فرمایا تھا۔ حضرت قیسؓ اپنی ذہانت، سیاسی بصیرت اور تدبر کے لیے مشہور تھے۔ لیکن شام سے حضرت معاویہؓ کی جانب سے مختلف وفود اور خطوط کے ذریعے مصر کے قبائل میں اثر انداز ہونے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ چنانچہ ربیع الآخر 38ھ کے اواخر میں اور جمادی الاولی کے اوائل میں مصر کے مختلف قبائل کے درمیان اضطراب بڑھ گیا۔ بعض قبائل نے حضرت علیؓ کی نامزدگی کو ماننے میں تردد ظاہر کیا اور بعض شام کی حمایت میں مائل ہو گئے۔ یہ کشمکش عوامی سطح پر خونریزی اور جان و مال کے نقصان کا سبب بنی۔ بلاذری نے اس موقع پر لکھا ہے: **وَكَانَ أَهْلُ مِصْرَ يَضْطَرِبُونَ بَيْنَ وُلَاةِ عَلِيٍّ وَدَعْوَةِ أَهْلِ الشَّامِ، فَكَانُوا فِي حَالٍ مِنَ الْفِتْنَةِ وَالِاضْطِرَابِ** (البلاذری، فتوح البلدان، ص367، بیروت: دار ومکتبۃ الہلال)۔ یعنی: اہلِ مصر حضرت علیؓ کے مقرر کردہ حکام اور اہلِ شام کی دعوت کے درمیان متردد تھے اور فتنے و اضطراب کی کیفیت میں بسر کر رہے تھے۔

شام کی قوت اور حضرت معاویہؓ کی حکمت عملی: دوسری طرف حضرت معاویہؓ

شام میں اپنے اقتدار کو مضبوط سے مضبوط تر بنا رہے تھے۔انہوں نے اپنے زیرِ اثر قبائل کو مستحکم کیا،خراج اور مالی وسائل پر کنٹرول حاصل کیا اور اپنے سیاسی مؤقف کو پوری قوت سے پیش کیا۔خلیفہ بن خیاط نے اس کیفیت کو یوں بیان کیا ہے: كَانَ مُعَاوِيَةُ يَشُدُّ أَمْرَ الشَّامِ وَيَضْبِطُ جُنْدَهُ، وَيَجْتَهِدُ فِي إِظْهَارِ الْقُوَّةِ، وَذَلِكَ فِي سَنَةِ ثَمَانٍ وَثَلَاثِينَ (خلیفہ بن خیاط،تاریخ،ص197،بیروت: دارالقلم)۔یعنی:حضرت معاویہؓ شام کے معاملات کو مضبوطی سے سنبھال رہے تھے،اپنے لشکروں کو منظّم کر رہے تھے اور پوری کوشش کر رہے تھے کہ اپنی قوت کو نمایاں کریں،اور یہ سنہ 38ھ کے واقعات میں تھا۔

عوامی مظلومیت اور سماجی نتائج: اس سیاسی کشمکش کا سب سے بڑا نقصان عوام کو پہنچا۔مصر میں قبائل باہم دست و گریباں ہوئے، عام لوگ سیاسی جنگ کا ایندھن بنے اور بے گناہوں کا خون بہا۔شام و عراق کے درمیان مسلسل تصادم کی وجہ سے ہزاروں گھرانے برباد ہوئے، قافلے لٹ گئے اور تجارت معطل ہوگئی۔غریب عوام، جو اسلام کے عدل و مساوات کے سائے میں امن کی امید رکھتے تھے، وہ سیاسی طاقت کی اس کھینچا تانی میں سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔یہ وہ وقت تھا جب صحابہ کرامؓ کے درمیان اجتہادی اختلافات نے امت کو ایک بڑے امتحان میں ڈال دیا۔لیکن یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دونوں طرف کے صحابہؓ اپنے اپنے اجتہاد میں مخلص تھے اور اسلام کی سربلندی چاہتے تھے۔عوام کی مظلومیت اس امر کی علامت ہے کہ سیاسی کشمکش کا سب سے زیادہ بوجھ وہی طبقہ برداشت کرتا ہے جس کی آواز کمزور ہوتی ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1- جمادی الاولی تا جمادی الاخری 38ھ میں مصر اور شام کی سیاست شدید اضطراب اور کشمکش کا شکار رہی۔ 2- حضرت علیؓ کے مقرر کردہ گورنروں کو مصر میں بار بار چیلنج کا سامنا رہا، جس سے حکومتی کمزوری ظاہر ہوئی۔ 3- حضرت معاویہؓ نے شام میں اپنی پوزیشن کو مزید مستحکم کیا اور سیاسی اثر ورسوخ بڑھایا۔ 4- اس سارے عمل میں سب سے زیادہ نقصان عوام الناس کو ہوا جو نہ چاہتے ہوئے بھی سیاسی جنگ کا ایندھن بنے۔ 5- یہ واقعات ہمیں اس سبق کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ امت میں اتحاد کی حفاظت اور باہمی اخوت و یگانگت کی بقا کس قدر ضروری ہے، تاکہ سیاسی کشمکش کا بوجھ کمزور اور بے بس طبقات پر نہ پڑے۔

مصادر ومراجع: 1- البلاذری، فتوح البلدان، تحقیق: صلاح الدین المنجد، بیروت: دار ومکتبۃ الہلال، ص 367۔ 2- خلیفہ بن خیاط، تاریخ خلیفہ بن خیاط، تحقیق: د۔ أکرم ضیاء العمری، بیروت: دار القلم، ص 197۔ 3- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 4/53۔ 4- طبری، تاریخ الامم والملوک، بیروت: دار التراث، 5/145۔

رجب تا رمضان 38ھ

(عدالتی نظام اور انتظامی مسائل عوامی مشکلات اور مظلومیت)

سنہ 38ھ کے رجب تا رمضان کا عرصہ خلافتِ حضرت علیؓ کے لیے نہایت

نازک اور کٹھن دور تھا۔ جنگِ صفین اور نہروان کے معرکوں نے اسلامی سلطنت کی سیاسی وعسکری قوت کو کمزور کر دیا تھا۔ مسلسل جنگوں کے باعث بیت المال کی آمدنی گھٹتی گئی اور مالی وسائل سکڑنے لگے۔ نتیجتاً انتظامی وعدالتی ڈھانچے پر بھی براہِ راست اثرات مرتب ہوئے۔ یہی وہ ایام ہیں جن میں عوام الناس بالخصوص غرباء ومساکین سخت مالی دباؤ اور مشکلات سے دوچار ہوئے۔ عدالتی نظام میں بھی مشکلات پیدا ہوئیں، کیونکہ گورنروں کو ایک طرف جنگی اخراجات اور دوسری طرف عوامی شکایات کا سامنا تھا۔

بیت المال کی کمزوری اور اس کے اثرات: اسلامی خلافت کا مالی ڈھانچہ بیت المال پر قائم تھا۔ لیکن جنگوں کی کثرت، فتنہ خوارج اور شام وعراق کی کشمکش نے آمدنی کے ذرائع کمزور کر دیے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: وَضَعُفَ بَيْتُ الْمَالِ لِمَا كَانَ مِنَ الْحُرُوبِ، وَشَكَا النَّاسُ مِنْ عَدَمِ الْعَطَاءِ وَقِلَّةِ الْمَالِ (ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 350، بیروت: دار الکتب العلمیۃ)۔ یعنی: جنگوں کی وجہ سے بیت المال کمزور ہو گیا اور لوگوں نے وظائف کے نہ ملنے اور مال کی کمی کی شکایتیں کیں۔ یہ عبارت اس حقیقت کی شاہد ہے کہ اس زمانے میں عوامی فلاح و بہبود پر ضرب لگی اور روزمرہ کے عطیات، جو بیت المال سے اہلِ ضرورت کو ملتے تھے، وہ بند یا کم ہو گئے۔

عدالتی نظام کی مشکلات: حضرت علیؓ عدل وانصاف کے باب میں اپنی بے مثال شہرت رکھتے تھے، لیکن جنگی حالات اور انتظامی ابتری نے عدالتی ڈھانچے کو متاثر کیا۔ گورنروں اور قاضیوں کو لوگوں کی شکایات زیادہ سننے کو ملیں۔ ایک طرف بیت المال کی

کمیابی نے حکام کو مجبور کر دیا کہ وہ وظائف اور امداد میں کمی کریں۔ دوسری طرف عوامی شکایات نے عدالتی اداروں پر بوجھ بڑھا دیا۔ اس صورتِ حال میں عوام کو یہ احساس ہوا کہ حکومت کے فیصلے جنگی ضرورتوں کی بنا پر زیادہ سخت اور محدود ہوتے جا رہے ہیں، جس سے عام لوگوں کی زندگی براہِ راست متاثر ہوئی۔

عوامی مظلومیت اور غربت کا بڑھنا: رجب تا رمضان 38ھ میں غرباء و مساکین سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ جنگوں کی وجہ سے کھیت وکھلیان ویران ہوئے۔ قافلے لٹنے اور تجارتی راستے غیر محفوظ ہونے سے تجارت میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔ بیت المال سے وظائف کی کٹوتی نے غریب عوام کو بھوک وافلاس کے دہانے پر پہنچا دیا۔ یہ وہ وقت تھا جب عام لوگ جنگی سیاست کا بوجھ اپنی غربت اور تنگ دستی کے ذریعے ادا کر رہے تھے۔ عوام کی مظلومیت دراصل اس بات کا آئینہ دار ہے کہ جب بھی ریاستی وسائل جنگوں میں صرف ہوں تو اس کا سب سے بڑا نقصان کمزور طبقے کو اٹھانا پڑتا ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1- رجب تا رمضان 38ھ میں بیت المال جنگوں کے باعث کمزور ہوا اور مالی وسائل محدود ہو گئے۔ 2- گورنروں اور قاضیوں کو عوامی شکایات کا سامنا کرنا پڑا، جس سے انتظامی دباؤ بڑھا۔ 3- غرباء ومساکین کی حالت سب سے زیادہ خراب ہوئی؛ ان کے وظائف کم ہوئے اور معیشت شدید متاثر ہوئی۔ 4- یہ دور اس حقیقت کا مظہر ہے کہ سیاسی وجنگی کشمکش کے براہِ راست اثرات ہمیشہ عوام پر پڑتے ہیں۔ 5- صحابہ کرامؓ اپنی جگہ مخلص اور مجتہد تھے، لیکن وقت کے حالات نے

امت کے غریب طبقے کو مظلوم بنا دیا۔

مصادر و مراجع: 1-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 350، بیروت: دار الکتب العلمیۃ۔ 2-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 147، بیروت: دار التراث۔ 3-بلاذری، فتوح البلدان، ص 367، بیروت: دار و مکتبۃ الہلال۔ 4-ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج 7، ص 295، بیروت: دار الفکر۔

شوال تا ذوالحجہ 38ھ: امت کی مجموعی حالت اور مظلوم عوام کا بوجھ

سنہ 38ھ کے آخری ایام یعنی شوال سے ذوالحجہ تک امتِ مسلمہ کے حالات نہایت نازک اور پرآشوب رہے۔ شام اور عراق کی خانہ جنگی نہ صرف ان دو خطوں تک محدود رہی بلکہ اس کے اثرات پورے عالمِ اسلام پر مرتب ہوئے۔ یہ وہ وقت تھا جب سیاسی تنازعات نے ملت کو تقسیم کیا، اور ہر خطے کے عوام جنگ اور سازشوں کی بھٹی میں جھلنے لگے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ، جو خلیفۂ برحق اور بابِ علم تھے، اس عرصے میں مسلسل سازشوں اور فتنوں کا سامنا کرتے رہے۔ کوفہ، جو خلافتِ علیؓ کا دارالحکومت تھا، سازشوں کا گڑھ بن چکا تھا۔ یہی داخلی خلفشار امت کی اجتماعی کمزوری کا اصل سبب تھا۔

شام و عراق کی خانہ جنگی کے اثرات: جنگ صفین اور نہروان کے بعد اختلاف کی خلیج مزید گہری ہو چکی تھی۔ شام میں حضرت معاویہؓ نے اپنی سیاسی و عسکری پوزیشن مضبوط کر لی تھی، جبکہ عراق میں حضرت علیؓ کو ایک طرف خارجیوں کی بغاوت

اور دوسری طرف اندرونی مخالفین کی ریشہ دوانیوں کا سامنا تھا۔ ان دونوں خطوں کی خانہ جنگی نے دوسرے اسلامی علاقوں میں بھی بے چینی اور اضطراب پیدا کر دیا۔ تجارتی قافلے غیر محفوظ ہو گئے، زرعی پیداوار متاثر ہوئی اور بیت المال کے وسائل کمزور ہوتے گئے۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: وَكَانَتِ الْفِتَنُ قَدْ عَمَّتِ الْبِلَادَ، وَكَثُرَ الْقَتْلُ وَالْقِتَالُ، وَتَأَثَّرَ النَّاسُ فِي مَعَاشِهِمْ وَمَعَادِهِمْ (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج7، ص280، بیروت: دارالفکر)۔ یعنی: فتنے سارے علاقوں میں پھیل گئے، قتل وقتال بڑھ گیا، اور لوگوں کی معیشت و دین دونوں متاثر ہوئے۔

کوفہ میں سازشوں کا جال: حضرت علیؓ کی خلافت کا مرکز کوفہ تھا۔ یہاں اگرچہ اہلِ ایمان کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، مگر ساتھ ہی مختلف گروہ سازشوں میں مصروف تھے۔ بعض قبائل شام سے روابط رکھتے تھے اور بعض خارجیوں سے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؓ کو ہر لمحہ نئی مشکلات کا سامنا رہا۔ طبری نے اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: وَكَانَ أَمْرُ الْكُوفَةِ قَدِ اضْطَرَبَ، وَكَثُرَتِ الْأَقَاوِيلُ فِي أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، وَانْقَسَمَ النَّاسُ بَيْنَ مُؤَيِّدٍ وَمُخَالِفٍ (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص15، بیروت: دارالتراث)۔ یعنی: کوفہ کے حالات میں اضطراب تھا، امیر المؤمنینؓ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کی جاتی تھیں، اور لوگ مؤید و مخالف گروہوں میں تقسیم تھے۔

عوامی مظلومیت: اس خانہ جنگی اور سیاسی سازشوں کا سب سے زیادہ نقصان عوام کو اٹھانا پڑا۔ ہزاروں مردوں کے قتل کی وجہ سے یتیموں اور بیواؤں کی تعداد میں

اضافہ ہوگیا۔اہلِ علم، صحابہ کرامؓ اور تابعین کو الزام تراشی کا نشانہ بنایا گیا۔وہ حضرات جو دین کی خدمت اور امت کی رہنمائی کے لیے کھڑے تھے، انہیں سازشی عناصر کے ذریعے کمزور کرنے کی کوشش کی گئی۔غرباء اور مساکین کی حالت مزید بگڑ گئی، کیونکہ بیت المال کے وسائل مسلسل جنگی اخراجات میں صرف ہو رہے تھے۔یہ کیفیت دراصل اس بات کا مظہر ہے کہ جب قیادتوں کے درمیان اختلاف بڑھتا ہے تو اس کا سب سے زیادہ بوجھ کمزور طبقات اور ناتواں افراد کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1-شوال تا ذوالحجہ 38ھ میں شام وعراق کی خانہ جنگی کے اثرات پورے عالمِ اسلام پر مرتب ہوئے۔2-حضرت علیؓ کو کوفہ میں مسلسل سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا سامنا رہا، جس نے حکومتی استحکام کو متاثر کیا۔3-یتیموں اور بیواؤں کی تعداد بڑھی، اور عوام میں غربت وافلاس میں اضافہ ہوا۔4-اہلِ علم وصحابہ کرامؓ کو الزام تراشی اور افترا پردازی کا نشانہ بنایا گیا۔5-یہ دور اس بات کا آئینہ دار ہے کہ سیاسی انتشار امت کے دینی، معاشرتی اور معاشی پہلوؤں پر کس قدر تباہ کن اثر ڈال سکتا ہے۔

مصادر ومراجع: 1-ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج7، ص280، بیروت: دار الفکر۔2-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص15، بیروت: دار التراث۔3-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 4، ص 55، بیروت: دار الکتب العلمیۃ۔4-بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص145، تحقیق: د۔احسان عباس، بیروت: دار التعارف۔

سنہ 38ھ کے واقعات کا مختصر خلاصہ مع حوالہ جات

38ھ خلافتِ علیؓ کے عہد کا نہایت پرآشوب سال تھا۔ صفین کے بعد اتحاد کی جو امیدیں وابستہ کی گئی تھیں، وہ دم توڑ گئیں اور امت کا شیرازہ بکھرنے لگا (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص293)۔

محرم الحرام: حکمین کی ناکامی: محرم میں حکمین (حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ) کی ثالثی ناکام ہوگئی، صلح کے بجائے اختلاف میں مزید اضافہ ہوا۔ (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص72)۔

صفر: خوارج کی بغاوت: صفر میں خوارج نے علانیہ بغاوت کی اور قتل وغارت شروع کی، جس سے امت مزید افتراق میں مبتلا ہوئی (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص356)۔

ربیع الاول: نہروان کی تیاری: ربیع الاول میں حضرت علیؓ نے خارجیوں کی سرکوبی کی تیاری کی اور فوج کو منظم کیا، جبکہ خوارج نے بھی علیحدہ کیمپ قائم کیا۔ (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص77)۔

ربیع الآخر: نہروان کی جنگ: ربیع الآخر میں نہروان کا عظیم معرکہ ہوا۔ ہزاروں خارجی مارے گئے، لیکن امت کی وحدت مزید پارہ پارہ ہوگئی (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص304)۔

جمادی الاولیٰ والاخری: مصر وشام میں سیاسی کشمکش: ان مہینوں میں مصر وشام

سیاسی کشمکش کا مرکز بنے۔ حضرت معاویہؓ نے شام میں اپنی پوزیشن مضبوط کی جبکہ مصر میں حضرت علیؓ کے گورنر کو مشکلات کا سامنا رہا (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص359)۔

رجب تا رمضان: عدالتی و مالی مسائل: ان مہینوں میں بیت المال کمزور ہوگیا، عوامی شکایات بڑھیں اور غرباء شدید متاثر ہوئے۔ وظائف میں کمی اور معاشی ابتری نمایاں تھی (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص83)۔

شوال تا ذوالحجہ: امت کی مجموعی حالت: سال کے آخری حصے میں امت کی مجموعی حالت مزید خراب ہوگئی۔ شام وعراق کی خانہ جنگی عام مسلمانوں پر بھاری پڑی، یتیموں اور بیواؤں کی تعداد میں اضافہ ہوا (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص310)۔

خلاصہ ونتائج: حکمین کی ناکامی نے اختلاف کو بڑھایا۔ خوارج کی بغاوت اور نہروان کی جنگ نے وحدتِ امت کو نقصان پہنچایا۔ مصر وشام میں کشمکش، عراق میں بغاوت اور معاشی تنگی نے عوام کو بے حال کیا۔ یتیموں، بیواؤں اور غرباء کی مظلومیت اس سال کا سب سے بڑا پہلو رہا (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص362)۔

محرم الحرام تا ذوالحجہ سنہ 39ھ کے اہم واقعات

اسلامی تاریخ میں سنہ 39ھ خلافتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک نہایت کٹھن اور آزمائشوں سے بھرپور سال رہا۔ یہ وہ دور ہے جس میں جنگِ صفین کے بعد پیدا ہونے والے فتنوں نے اسلامی معاشرے کو بری طرح متاثر کیا، اور

نہروان کی سخت جنگ کے بعد بھی امن وسکون بحال نہ ہوسکا۔اس سال کے واقعات اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت کو ایک طرف خارجیوں کی شدت پسندی اور بغاوتوں نے گھیر رکھا تھا، دوسری طرف حضرت معاویہؓ کے ساتھ سیاسی کشمکش نے اسلامی معاشرت کو شدید طور پر متاثر کیا۔ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: **کانت هذه السنة مملوئة بالشدائد على عليّ وأصحابه، بعد وقعة النهروان، إذ لم تخمد الفتنة، ولم يسكن النزاع** (ابن کثیر،البدایہ والنہایہ،ج7،ص295،مطبع دارالفکر،بیروت)۔اسی طرح امام طبریؒ لکھتے ہیں: **وفي هذه السنة تتابعت الفتن على أهل العراق، بين خوارجٍ وبغاةٍ، وما زال أمر الشام والعراق في تنازع شديد** (طبری،تاریخ الامم والملوک،ج5،ص25،دارالتراث،بیروت)۔

محرم الحرام 39ھ:1-حکمین کے فیصلے کے اثرات: جنگِ صفین کے بعد تحکیم کا معاملہ پیش آیا،مگر حکمین (حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ) کا فیصلہ کسی نتیجہ خیز سمت میں نہ جاسکا۔اس ناکامی نے حضرت علیؓ کے لشکر میں شدید اضطراب پیدا کیا۔کوفہ میں بعض قبائل نے حضرت علیؓ کے فیصلوں پر تنقید شروع کردی۔خارجیوں نے علی الاعلان یہ کہنا شروع کیا کہ **الحكم لله لا لک یا علی** (ابن اثیر،الکامل فی التاریخ،ج3،ص336،دارالکتب العلمیہ،بیروت)۔

صفر39ھ:2-خوارج کی شورشیں: نہروان کے بعد اگرچہ خوارج کی کمر ٹوٹی تھی،مگر ان کے باقیات مختلف علاقوں میں بغاوت برپا کرتے رہے۔بعض خارجی

دستے عراق و فارس کی بستیوں پر حملہ آور ہوئے۔ حضرت علیؓ نے ان کے مقابلے میں فوجی دستے روانہ فرمائے (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص297)۔

ربیع الاول 39ھ: 3- نہروان کے بعد کی سیاسی کشمکش: اس ماہ میں حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو دوبارہ منظم کرنے اور شام کی طرف پیش قدمی کی کوشش کی۔ کوفہ میں خطبات کے ذریعے اہل عراق کو جہاد کی ترغیب دی گئی۔ لیکن مسلسل خانہ جنگیوں نے عوامی حوصلے توڑ دیے تھے (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص28)۔

ربیع الآخر 39ھ: 4- صوبائی سطح پر بغاوتیں: مصر میں حضرت علیؓ کے مقرر کردہ گورنر کی مشکلات بڑھ گئیں۔ بعض قبائل نے وہاں علیؓ کی بیعت سے انکار کیا۔ اسی طرح بصرہ اور فارس کے کچھ حصوں میں انتظامی بحران شدید ہوا (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص340)۔

جمادی الاولیٰ والاخری 39ھ: 5- خارجیوں کی دوبارہ کارروائیاں: کوفہ کے اطراف میں خوارج نے قافلوں کو لوٹنا شروع کیا۔ حضرت علیؓ نے نہروان کے بعد پھر سے متعدد چھوٹے معرکے لڑے تاکہ ان کے فتنے کو دبایا جا سکے (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص300)۔

رجب تا شعبان 39ھ: 6- اہل شام اور اہل عراق کی کشمکش: حضرت معاویہؓ نے شام میں اپنے اقتدار کو مضبوط کیا۔ بعض اطراف میں حضرت معاویہؓ کے نمائندے عراق میں داخل ہو کر مہمات سرانجام دیتے رہے۔ حضرت علیؓ نے ان کا مقابلہ کرنے کے لیے لشکر روانہ کیے (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص33)۔

رمضان تا ذوالحجہ 39ھ:7-خلافتِ علیؓ کے آخری ایام کی تیاری: اس سال کے آخر میں: حضرت علیؓ نے اہل کوفہ کو بار بار جہاد اور اتحاد کی طرف بلایا۔ لیکن امت کی صفوں میں وہ اتحاد نہ بن سکا جس کی ضرورت تھی۔ اہل کوفہ کے ایک بڑے طبقے کی سستی نے خلافت کو مزید کمزور کر دیا (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص345)۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 39ھ خلافتِ علیؓ کے لیے شدید آزمائشوں اور ابتلاؤں کا سال تھا۔ 2-نہروان کے باوجود خارجیوں کی باقیات نے فتنہ و فساد جاری رکھا، جس سے امن بحال نہ ہو سکا۔ 3-حکمین کے فیصلے کی ناکامی نے حضرت علیؓ کے لشکر میں اضطراب پیدا کیا، اور خوارج کے ایک بڑے گروہ نے کھلی بغاوت اختیار کی۔ 4-صوبائی سطح پر بغاوتوں اور انتظامی بحرانوں نے حضرت علیؓ کی حکومت کو کمزور کیا۔ 5-حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان سیاسی کشمکش جاری رہی، جس کا براہِ راست اثر امت کی وحدت پر پڑا۔ 6-اہل عراق کی سستی اور بیزاری نے خلافت کے استحکام کو سخت نقصان پہنچایا۔

مصادر و مراجع: 1-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 300-295، مطبع دار الفکر، بیروت۔ 2-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 35-25، دار التراث، بیروت۔ 3-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 345-336، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 4-بلاذری، انساب الاشراف، ج 3، ص 110-95، مطبع دار المعارف، مصر۔ 5-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 3، ص 150-145، دار صادر، بیروت۔

محرم الحرام 39ھ: مصر کی صورتحال اور حضرت محمد بن ابی بکرؓ کی شہادت

سنہ 39ھ کے آغاز، یعنی محرم الحرام میں اسلامی تاریخ کا ایک نہایت دردناک اور اندوہناک واقعہ پیش آیا۔ یہ واقعہ خلافتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گورنر، جلیل القدر صحابیِ رسول ﷺ کے فرزند، اور حضرت صدیقِ اکبرؓ کے صاحبزادے حضرت محمد بن ابی بکرؓ کی شہادت ہے۔ ان کی شہادت نہ صرف ایک شخصی حادثہ تھی بلکہ سیاسی اور سماجی اعتبار سے خلافتِ علیؓ کے لیے ایک عظیم دھچکا اور امت کے لیے ایک گہرا زخم بھی تھا۔

حضرت محمد بن ابی بکرؓ کی تقرری مصر میں: جب جنگِ صفین کے بعد حالات پیچیدہ ہوئے تو حضرت علیؓ نے مصر کے گورنر حضرت قیس بن سعدؓ کو معزول کر کے حضرت محمد بن ابی بکرؓ کو بطور والی مقرر فرمایا۔ ان کے متعلق امام طبریؒ لکھتے ہیں: **وَلّٰی علیٌّ مُحمداً بن أبی بکرٍ مِصرَ بعد قیسٍ، فکانت له سیاسةٌ وحسنُ نِیةٍ، غیر أنّ أهل مصر کانوا مختلفین** (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص30، دار التراث، بیروت)۔ یعنی حضرت محمد بن ابی بکرؓ کے دل میں نیک نیتی اور اخلاص تھا، مگر مصر کے حالات اس قدر نازک ہو چکے تھے کہ انتظام سنبھالنا دشوار تھا۔

اموی لشکر کی پیش قدمی: حضرت معاویہؓ نے مصر کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے قابل جرنیل عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا۔ لشکرِ شام مصر پہنچا تو حضرت محمد بن ابی بکرؓ کے پاس وہ فوجی قوت موجود نہ تھی جو اس کا مقابلہ کر سکتی۔

اہلِ مصر کے اکثر قبائل نے بھی تذبذب اور بیزاری کا مظاہرہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت محمد بن ابی بکرؓ بے یار و مددگار رہ گئے۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: **فلم یکن عند محمد من الرجال ما یقاومون به جیش الشام، فخرج مستخفیاً حتی أخذوه** (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص297، دار الفکر، بیروت)۔

شہادت کا عبرتناک منظر: جب اموی لشکر نے حضرت محمد بن ابی بکرؓ کو گرفتار کیا تو انہوں نے انتہائی مظلومانہ انداز میں شہادت پائی۔ انہیں اس حالت میں قتل کیا گیا کہ وہ تنہا، محصور اور بے کس تھے۔ پھر ظلم کی انتہا یہ ہوئی کہ شہادت کے بعد ان کی مقدس لاش کو بھی جلا دیا گیا۔ یہ فعل اسلامی تاریخ میں ایک نہایت المناک اور افسوسناک باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ امام طبریؒ رقم طراز ہیں: **فقتلوا محمداً وأدخلوا جسده فی جوفِ حمارٍ ثم أحرقوه** (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص31، دار التراث، بیروت)۔ یہ واقعہ محض ایک گورنر کا قتل نہیں تھا بلکہ ایک جلیل القدر شخصیت کی مظلومانہ شہادت تھی جس نے امت کے دلوں پر گہرا زخم چھوڑا۔

مظلومیت کی جھلکیاں: 1- حضرت محمد بن ابی بکرؓ، جو حضرت صدیق اکبرؓ کے صاحبزادے تھے، بے سروسامانی کے عالم میں شہید کیے گئے۔ 2- ان کی لاش کو جلا دینا اسلامی تاریخ میں ظلم و بربریت کی ایک ناپاک مثال ہے۔ 3- حضرت علیؓ کو اس شہادت کی خبر پہنچی تو آپؓ نے نہایت غم واندوہ کا اظہار فرمایا اور امت کے بکھرتے ہوئے شیرازے پر گہری تشویش ظاہر کی۔

خلاصہ و نتائج: 1-محرم 39ھ میں مصر کے گورنر حضرت محمد بن ابی بکرؓ کی شہادت خلافتِ علیؓ کے لیے ایک عظیم صدمہ تھا۔2-یہ شہادت امت کے داخلی انتشار اور سیاسی بگاڑ کی کھلی علامت تھی۔3-حضرت محمد بن ابی بکرؓ کی مظلومیت اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ صحابہؓ اور تابعین کے عہد میں بھی فتنہ وفساد نے اپنی جڑیں مضبوط کر لی تھیں۔4-ان کی شہادت تاریخ کے صفحات میں امت کے لیے ایک عبرت اور تنبیہ ہے کہ جب امت اتحاد کھو دیتی ہے تو دشمن طاقتور ہو جاتے ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 31-30، دار التراث، بیروت۔2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 297، دار الفکر، بیروت۔ 3-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 339، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 4-بلاذری، انساب الاشراف، ج 3، ص 102، مطبع دار المعارف، مصر۔ 5-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 3، ص 151، دار صادر، بیروت۔

حضرت محمد بن ابی بکرؓ

(شخصیت، سیرت، اور خلافتِ علیؓ کے ساتھ تعلق)

اسلامی تاریخ میں بعض شخصیات ایسی ہیں جن کی زندگیاں ایثار، قربانی، صدق وصفا اور مظلومیت کی درخشاں مثال ہیں۔ انہی میں ایک جلیل القدر شخصیت حضرت محمد بن ابی بکرؓ کی ہے۔ آپ وہ عظیم شخصیت ہیں جو اپنے نسب کے اعتبار سے

خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبرؓ کے صاحبزادے تھے، جبکہ تربیت کے اعتبار سے شیرِ خدا حضرت علی المرتضیٰؓ کے دستِ حق پرورش یافتہ تھے۔ اس نسبتِ دوبارہ نے آپ کو ایسی جامع شخصیت بنایا کہ آپ صدیقی وارث بھی تھے اور علوی تربیت یافتہ بھی۔

ولادت اور ابتدائی حالات: حضرت محمد بن ابی بکرؓ کی ولادت حجۃ الوداع کے سفر میں سنہ 10ھ کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مقامِ ذوالحلیفہ پر ہوئی (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 5، ص 34، دار صادر، بیروت)۔ یوں وہ اس سعادت کے حامل ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ کے آخری حج کے سفر میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کی والدہ اسماء بنت عمیسؓ تھیں جو جلیل القدر صحابیہ اور اہلِ بیت کی قریبی محسنہ تھیں۔ بعد ازاں ان کی پرورش کا زیادہ تر حصہ حضرت علیؓ کے زیرِ سایہ گزرا، جس کی وجہ سے آپ کا قلب و ذہن علوی فہم و بصیرت اور روحانی رنگ سے مزین ہوا۔

اخلاق و عادات: حضرت محمد بن ابی بکرؓ کی شخصیت اخلاقی عظمت، نرمی اور شجاعت کا حسین امتزاج تھی۔ آپؓ سادگی اور زہد میں ممتاز تھے۔ عدل و انصاف کے قائل اور رعایا کے حقوق ادا کرنے میں حساس تھے۔ اپنے والد صدیق اکبرؓ کے رنگ میں اخلاص و للّٰہیت کا نور جھلکتا تھا، جبکہ حضرت علیؓ کے زیرِ سایہ آپ نے حلم، شجاعت اور علم و فہم کی دولت پائی۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: **كان محمّد بن أبي بكر رجلاً صالحاً، ورعاً، حسن السيرة، عارفاً بالحق** (ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج 3، ص 481، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)۔

شجاعت و بہادری: حضرت محمد بن ابی بکرؓ نے نہ صرف خلافتِ علیؓ کے دفاع میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھی بلکہ مختلف مواقع پر اپنی جواں مردی اور بہادری سے علیؓ کو خوشنود کیا۔ جنگِ صفین میں وہ حضرت علیؓ کے ساتھ شریک رہے اور نہایت شجاعت دکھائی۔ مصر کی گورنری کے دوران، باوجود قلتِ لشکر، آپ نے دشمن کے مقابلے میں آخری دم تک ڈٹے رہ کر اپنی استقامت و وفا شعاری کا عملی ثبوت دیا۔ ابن اثیرؒ لکھتے ہیں: **ثبت محمّد بن أبی بکر علی ولائه لعلیّ، وجاهد معه حتی آخر رمق** (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص339، دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔

خلافتِ علیؓ کے ساتھ تعلق: حضرت محمد بن ابی بکرؓ کا حضرت علیؓ کے ساتھ تعلق محض سیاسی نہیں بلکہ روحانی اور قلبی بھی تھا۔ 1- آپ نے خلافتِ علیؓ کے آغاز سے لے کر اپنی شہادت تک ہر حال میں علیؓ کا ساتھ دیا۔ 2- علیؓ نے آپ کو نہایت اعتماد کے ساتھ مصر جیسی اہم گورنری پر فائز کیا، جو آپ کی صلاحیت اور وفاداری پر حضرت علیؓ کے گہرے اعتماد کی دلیل ہے۔ 3- علیؓ آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ شہادت کے بعد جب آپ کی لاش کی بے حرمتی کی خبر حضرت علیؓ کو پہنچی تو آپ نہایت رنجیدہ ہوئے اور گریہ فرمایا۔ ابن کثیرؒ نقل کرتے ہیں: **فلمّا بلغ علیّاً قتلُ محمّدٍ، جزع علیه جزعاً شدیداً، وقال: رحمه الله، کان لی رَبِیباً وولداً** (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص298، دار الفکر، بیروت)۔

شہادت اور مظلومیت: آپ کی شہادت 39ھ، محرم الحرام میں مصر کے مقام

پر پیش آئی، جب اموی لشکر نے آپ کو گرفتار کر کے انتہائی مظلومانہ حالت میں قتل کر دیا اور پھر آپ کی لاش کو جلا دیا۔ یہ ظلم اسلامی تاریخ میں ایک نہایت افسوسناک مثال ہے۔

خلاصہ و نتائج: 1-حضرت محمد بن ابی بکرؓ اپنی نسبت، تربیت اور سیرت کے اعتبار سے ایک عظیم المرتبت شخصیت تھے۔ 2-ان کی زندگی میں صدیقی اخلاص اور علوی بصیرت دونوں کا حسین امتزاج جھلکتا ہے۔ 3-خلافتِ علیؓ کے ساتھ ان کی غیر متزلزل وفاداری نے انہیں اہلِ بیت کے قریب ترین اصحاب میں شامل کر دیا۔ 4-ان کی شہادت امت کے بکھرتے ہوئے شیرازے کی ایک علامت ہے اور اسلامی تاریخ میں مظلومیت و بربریت کی سیاہ مثال کے طور پر یاد رکھی جاتی ہے۔ 5-ان کی شخصیت اہلِ ایمان کے لیے یہ پیغام ہے کہ حق پر استقامت اور مظلومیت میں صبر ہی اصل کامیابی ہے۔

مصادر و مراجع: 1-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 5، ص 36-34، دار صادر، بیروت۔ 2-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 31-30، دار التراث، بیروت۔ 3-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 298-297، دار الفکر، بیروت۔ 4-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 340-339، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 5-ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج 3، ص 482-480، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت۔ 6-بلاذری، انساب الاشراف، ج 3، ص 103-101، مطبع دار المعارف، مصر۔

صفر 39ھ

(حضرت علیؓ کا مصر پر غم واندوہ اور محمد بن ابی بکرؓ کی مظلوم شہادت)

اسلامی تاریخ کے اوراق ایسے واقعات سے مزین ہیں جن میں حق کے متلاشیوں کو آزمائشوں، صعوبتوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ خلافتِ علوی کے دور میں بالخصوص سنہ 39ھ کے واقعات، امت کے لیے عظیم سبق اور عبرت کے حامل ہیں۔ انہی میں سے ایک نہایت اندوہناک واقعہ حضرت محمد بن ابی بکرؓ کی شہادت ہے، جس نے نہ صرف اہلِ مصر کو سوگوار کیا بلکہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی غم و اندوہ میں ڈبو دیا۔

حضرت محمد بن ابی بکرؓ کی شہادت کی خبر: صفر 39ھ میں مصر کے اندرونی حالات سنگین تر ہو گئے۔ اہلِ شام کے لشکر نے عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں مصر پر حملہ کیا اور حضرت علیؓ کے گورنر، جلیل القدر تابعی حضرت محمد بن ابی بکرؓ کو نہایت مظلومانہ طور پر شہید کر دیا۔ ان کی شہادت کی کیفیت ایسی دردناک تھی کہ تاریخ کے صفحات اس پر خون کے آنسو روتے ہیں۔ جب یہ خبر کوفہ پہنچی اور حضرت علیؓ تک شہادت کی اطلاع پہنچی تو وہ نہایت رنجیدہ و مغموم ہوئے امیر المؤمنین نے اپنے خطبات میں بار بار اہلِ مصر کی محرومی اور محمد بن ابی بکرؓ کی مظلومیت کا ذکر فرمایا (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 360، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

حضرت علیؓ کا غم و اندوہ: حضرت علیؓ کی طبیعت رقت آمیز تھی، وہ اپنے ساتھیوں کی شہادت پر گہرا اثر قبول فرماتے۔ محمد بن ابی بکرؓ کے بارے میں تو ان کا تعلق مزید خصوصی تھا، کیونکہ: 1- محمد بن ابی بکرؓ، خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فرزند تھے۔ 2- وہ حضرت علیؓ کے دامنِ تربیت میں پروان چڑھے تھے اور ان کے دستِ مبارک پر ہی علوم و معارف کا فیض پایا۔ 3- وہ حضرت علیؓ کے نہایت مخلص اور جان نثار رفقاء میں سے تھے۔ لہٰذا جب ان کی شہادت کی المناک خبر پہنچی تو حضرت علیؓ نہ صرف سوگوار ہوئے بلکہ امت کو اس ظلم و ناانصافی سے بھی آگاہ کیا جو اہلِ مصر پر ڈھایا گیا۔

مظلومیت کا پہلو: 1- ایک جلیل القدر صحابیؓ کے فرزند کو بے دردی سے شہید کیا گیا، جو خود خلافتِ علیؓ کے وفادار تھے۔ 2- اہلِ مصر کو ایک بڑے محسن اور صالح قائد سے محروم کر دیا گیا۔ 3- اسلامی ریاست کے اندر عدل و انصاف کی جگہ ظلم و جبر کا غلبہ دکھائی دیا، جس پر حضرت علیؓ نے بارہا اظہارِ رنج کیا۔ یہ واقعات اس بات کے شاہد ہیں کہ خلافتِ علوی کے دور میں نہ صرف داخلی بغاوتوں نے سر اٹھایا بلکہ خارجی عناصر نے بھی امت کو زخم پہنچایا۔

خلاصہ و نتائج: حضرت محمد بن ابی بکرؓ کی شہادت صفر 39ھ کے نہایت اندوہناک واقعات میں سے ہے۔ یہ شہادت دراصل خلافتِ علیؓ کے خلاف شام کی سیاسی و عسکری مہمات کا نتیجہ تھی۔ حضرت علیؓ کو اس نقصان کا شدید رنج ہوا، کیونکہ یہ ان کے نہایت قریبی اور تربیت یافتہ ساتھی تھے۔ اس واقعے نے اہلِ مصر کو ایک صالح قائد

سے محروم کر دیا اور امت کو مزید افتراق و انتشار میں مبتلا کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مظلومیت ہمیشہ اہلِ حق کا مقدر رہی ہے، مگر یہی مظلومیت ان کے اخلاص و قربانی کی دلیل ہے۔

مصادر و مراجع: 1- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 360، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 2- طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 542، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔ 3- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 3، ص 186، مطبوعہ دار صادر، بیروت۔ 4- مسعودی، مروج الذہب، ج 2، ص 388، مطبوعہ دار البحر، قاہرہ۔ 5- ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج 3، ص 1326، مطبوعہ دار الجیل، بیروت۔

ربیع الاول 39ھ

(انبار پر خوارج کا حملہ اور عامۃ المسلمین کی مظلومیت)

اسلامی تاریخ کے صفحات پر سنہ 39ھ کا دور ایک نہایت پرآشوب اور پرآزمائش زمانہ کے طور پر درج ہے۔ خلافتِ علوی کے خلاف داخلی و خارجی سازشوں نے امت کو شدید انتشار میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ایک طرف شام کی طرف سے جنگی دباؤ تھا، تو دوسری طرف خوارج نے اپنی انتہا پسندی اور شدت پسندی سے عراق کے شہروں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی۔ انہی المیہ واقعات میں ربیع الاول 39ھ میں انبار پر خوارج کا حملہ بھی تاریخ کا ایک نہایت المناک باب ہے۔

انبار پر خوارج کا حملہ: تاریخ کی معتبر کتابوں سے ثابت ہے کہ ربیع الاول

39ھ میں خوارج نے مختلف شہروں میں قتل و غارت گری کی۔ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ چھوٹے چھوٹے گروہ بنا کر شہروں اور قافلوں پر حملہ کرتے، نہتے عوام کو قتل کرتے، اور ان کے اموال لوٹ لیتے (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص34، مطبوعہ دار التراث، بیروت)۔ اسی سلسلے میں انبار پر ان کا حملہ نہایت سنگین ثابت ہوا۔انبار عراق کا ایک قدیم اور اہم شہر تھا جہاں اہلِ کوفہ اور اطراف کے عام لوگ سکونت پذیر تھے۔خوارج نے اچانک حملہ کیا، نہتے مسلمانوں پر تلواریں چلائیں، بازاروں کو لوٹا، اور اہلِ شہر کو خوف و دہشت میں مبتلا کر دیا۔

عوامی مظلومیت اور خوارج کی شدت پسندی: خوارج کی فکری گمراہی اور مذہبی انتہا پسندی نے انہیں اس مقام تک پہنچا دیا کہ وہ عام مسلمانوں کے خون کو بھی مباح سمجھنے لگے۔چنانچہ انبار کے شہریوں پر جو ظلم ڈھایا گیا، اس کی تفصیل تاریخ میں ان الفاظ میں ملتی ہے: نہتے شہریوں کو تلواروں کا نشانہ بنایا گیا۔عوام کے مال و اسباب لوٹ لیے گئے۔معصوموں اور کمزوروں کو بے دردی سے قتل کیا گیا۔پورے شہر میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔یہ مظلومیت صرف انبار تک محدود نہ تھی، بلکہ عراق کے مختلف شہروں کے عوام اس دہشت گردی کے شکار ہوئے۔

حضرت علیؓ کا موقف: امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خوارج کے فتنہ کو بارہا امت کے سامنے واضح فرمایا اور ان کے گمراہانہ نظریات سے لوگوں کو متنبہ کیا۔ آپؓ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو حق کے مطالبے میں باطل کے راستے اختیار کرتے ہیں (نہج البلاغہ، خطبہ نمبر 40)۔انبار پر حملہ دراصل خوارج کے اسی رویے کی عملی مثال تھی کہ

انہوں نے اپنی تنگ نظری اور انتہا پسندی کی بنا پر امت کو مصائب میں مبتلا کر دیا۔

خلاصہ و نتائج: ربیع الاول 39ھ میں انبار پر خوارج کا حملہ اسلامی تاریخ کا ایک اندوہناک واقعہ ہے۔ اس حملے میں نہتے مسلمان، جو کسی جنگ میں فریق نہ تھے، قتل و غارت کا شکار ہوئے۔ عوام کے اموال لوٹے گئے اور امن و سکون کی فضا کو تہس نہس کر دیا گیا۔ یہ واقعہ اس بات کی شہادت ہے کہ جب دین کے نام پر شدت پسندی اور گمراہی کو اپنایا جائے تو امت کی جان و مال اور عزت و آبرو خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ حضرت علیؓ کی بصیرت افروز رہنمائی نے امت کو اس فتنہ سے خبردار کیا، مگر خوارج کی تنگ نظری نے انہیں ظلم و خونریزی کی راہ پر ڈال دیا۔

مصادر و مراجع: 1- طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 34، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔ 2- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 362، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 287، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔ 4- مسعودی، مروج الذہب، ج 2، ص 394، مطبوعہ دار الہجر، قاہرہ۔ 5- نہج البلاغہ، خطبہ نمبر 40، مطبوعہ دار المعارف، مصر۔

ربیع الآخر 39ھ: نہروان کے بعد خوارج کی بغاوتیں اور عام مسلمانوں کی مظلومیت

اسلامی تاریخ میں خلافتِ علیؓ کا دور نہایت ہنگامہ خیز اور ابتلاؤں سے بھرا ہوا

تھا۔ ایک طرف خارجی فتنہ، دوسری طرف شام کی سیاست، تیسری طرف اندرونی خلفشاران سب نے امتِ مسلمہ کے اتحاد کو شدید نقصان پہنچایا۔ ان فتنوں میں سب سے خطرناک خارجی تحریک تھی جس نے بار بار اپنی بغاوت اور شورش سے اسلامی معاشرے کو مجروح کیا۔ ربیع الآخر 39ھ کے واقعات میں نہروان کی خونریز جنگ کے بعد بھی خوارج کا شر ختم نہ ہوا بلکہ وہ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم ہو کر اطراف و جوانب میں قتل و غارت گری، لوٹ مار اور فتنہ پردازی میں مصروف رہے۔ ان کی اس روش نے عام مسلمانوں کو نہ صرف خوف و ہراس میں مبتلا کیا بلکہ ان کی جان، مال اور عزت تک غیر محفوظ ہو گئی۔

خوارج کی مسلسل شورش: جنگِ نہروان (صفر 38ھ) میں حضرت علیؓ نے بڑی حکمت و شجاعت کے ساتھ خارجیوں کا مقابلہ کیا اور ان کی اکثریت کو نیست و نابود کر دیا۔ لیکن بچ جانے والے عناصر دوبارہ منظّم ہو کر مختلف شہروں میں شورش برپا کرنے لگے۔ امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: **کان الخوارج بعد النهروان تفرقوا فرقاً صغاراً، کل فرقة تخرج فی بلد، فیقاتلهم علیٌّ مراراً** (البدایہ والنہایہ، ج7، ص 301، مطبع دار الفکر بیروت)۔ ترجمہ: نہروان کے بعد خوارج چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم ہو گئے، ہر گروہ کسی نہ کسی شہر میں نکل کھڑا ہوتا اور حضرت علیؓ کو بار بار ان سے قتال کرنا پڑتا۔ یہ صورتحال اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ خارجی تحریک کسی ایک جنگ سے ختم نہیں ہوئی بلکہ اس کے آثار اور باقیات سالہا سال تک اسلامی معاشرے کو زخم دیتی رہیں۔

اہلِ ایمان کی مظلومیت: خوارج کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو کافر قرار دے کر ان کے خون کو مباح سمجھتے تھے۔ وہ اپنی گمراہ فکر کے مطابق اس عمل کو جہاد قرار دیتے، حالانکہ ان کے ہاتھوں سب سے زیادہ مظلوم وہی اہلِ ایمان تھے جن کی زندگی اور زمینیں غیر محفوظ ہو گئیں۔ امام ابن الاثیرؒ نے الکامل فی التاریخ میں بیان کیا ہے کہ خارجی ٹولے دیہاتوں اور قریوں پر حملہ آور ہوتے، اموال لوٹتے اور راہ چلتے مسلمانوں کو قتل کرتے (الکامل، ج 3، ص 383، مطبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔ اسی طرح تاریخ طبری میں بھی مذکور ہے کہ خارجی جب کسی مقام پر داخل ہوتے تو ان کے نزدیک **قتل المسلمین أحب إليهم من قتال الكفار** (مسلمانوں کو قتل کرنا ان کے نزدیک کفار سے لڑنے سے زیادہ محبوب تھا) (تاریخ الطبری، ج 5، ص 97، دار التراث بیروت)۔ یہی مظلومیت اس باب کا سب سے نمایاں پہلو ہے کہ کس طرح خوارج نے عام مسلمانوں کو اپنی تلوار کا نشانہ بنایا اور اسلامی معاشرے کے امن کو پارہ پارہ کر دیا۔

حضرت علیؓ کی جدوجہد: امیر المؤمنین حضرت علیؓ کو بار بار ان فتنہ پرور گروہوں کے خلاف لشکر کشی کرنا پڑی۔ ان کی خلافت کا قیمتی وقت اور مسلمانوں کی توانائی، جو کہ اسلام کے استحکام اور دشمنانِ دین کے مقابلے میں صرف ہونی چاہیے تھی، خوارج کی شورشوں کے دبانے میں صرف ہوتی رہی۔ امام ابن کثیرؒ نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ حضرت علیؓ **لم يزل يقاتلهم ما بقي** (جب تک حیات رہے خوارج سے برسرِ پیکار رہے) (البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 301)۔ یہی جدوجہد حضرت علیؓ کی عظمت، صبر اور امت کے تحفظ کے لیے قربانی کو نمایاں کرتی ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1-جنگِ نہروان کے بعد بھی خارجی فتنہ پوری طرح ختم نہ ہوا، بلکہ مختلف شکلوں میں اسلامی معاشرے کے لیے ناسور بنتا رہا۔ 2-خوارج نے مسلمانوں کے خون کو حلال جان کر قتل و غارت گری کی، جس سے اہلِ ایمان شدید مظلومیت کا شکار ہوئے۔ 3-حضرت علیؓ کی خلافت مسلسل ان شورشوں کے دبانے میں صرف ہوئی، جو امت کے اجتماعی استحکام کے لیے بہت بڑا نقصان تھا۔ 4-یہ واقعہ اس حقیقت پر دلیل ہے کہ جب دین کی اصل روح سے انحراف کر کے شدت پسندی کو شعار بنایا جائے تو سب سے پہلے امتِ مسلمہ ہی اس کے زخم سہتی ہے۔ 5-حضرت علیؓ کی حکمتِ عملی اور صبر اس دور کے سب سے بڑے اسباق میں سے ہیں، جن سے آج بھی امت کو رہنمائی مل سکتی ہے۔

مصادر ومراجع: 1-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص301، مطبع دار الفکر، بیروت۔ 2-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 383، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔3-طبری، تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری)، ج5، ص97، دار التراث، بیروت۔4-بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص214، دار المعارف، مصر۔

جمادی الاولی تا جمادی الاخری 39ھ

(شام وعراق کے تعلقات میں شدت اور عوام کی مظلومیت)

اسلامی تاریخ کا سال 39ھ امت کے داخلی انتشار اور سیاسی کشمکش کا آئینہ دار

ہے۔ایک طرف حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافتِ راشدہ تھی، جو مرکزِ عراق میں قائم تھی، اور دوسری جانب حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کی شام میں مضبوط سیاسی گرفت تھی۔ یہ کشمکش رفتہ رفتہ شدت اختیار کرتی چلی گئی، یہاں تک کہ دونوں خطے مستقل جنگی تیاریوں اور سیاسی تدابیر کے دباؤ میں آ گئے۔ یہ دور ایک طرف صحابہ کرامؓ کی عظمت وفہمِ دینی کا گواہ ہے، اور دوسری جانب عام مسلمانوں کی مظلومیت اور آزمائش کا آئینہ بھی ہے۔اس لیے کہ امت کے وہ پاکیزہ نفوس، جو ایمان ویقین کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے، اس سیاسی وعسکری دباؤ کا سب سے بڑا بوجھ انہی کے کاندھوں پر آیا۔

شام میں حضرت معاویہؓ کی سیاسی حکمت عملی: جمادی الاولی والاخری 39ھ کے دوران حضرت معاویہؓ نے شام میں اپنی سیاسی حیثیت کو مزید مستحکم کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیے۔ وہ ایک تجربہ کار سیاستدان اور صحابی رسولؐ تھے، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے دمشق کا والی مقرر کیا تھا۔ان کی قوتِ انتظامی اور حکمتِ عملی نے شام کے عوام کو ایک منظّم معاشرتی وعسکری نظام میں جکڑ دیا۔ابن اثیرؒ لکھتے ہیں: **ثم اشتدت العلاقات بين أهل الشام وأهل العراق، فكان معاوية يحكم أمره بالشام ويقوى جنده ويستعد للحرب** (الکامل فی التاریخ، ج3، ص364، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔ترجمہ: پھر شام وعراق کے تعلقات میں شدت پیدا ہوگئی، معاویہؓ شام میں اپنے معاملات کو مضبوط کرتے، اپنی فوج کو طاقتور بناتے اور جنگ کی تیاری کرتے

رہے۔ یہ حقیقت اس دور کے سیاسی پس منظر کو واضح کرتی ہے کہ شام میں حضرت معاویہؓ کی حیثیت رفتہ رفتہ ایک منظّم ریاستی قیادت کی شکل اختیار کر چکی تھی۔

عراق میں حضرت علیؓ کی جدوجہد: دوسری جانب عراق کے مرکز میں حضرت علیؓ کو داخلی خلفشار، خارجی شورشوں اور شام کی سیاسی دباؤ تینوں کا سامنا تھا۔ ایک طرف خوارج کی مسلسل بغاوتیں، دوسری طرف شام کے ساتھ جاری کشمکش، اور تیسری جانب عوامی بے چینی یہ سب خلافتِ علیؓ کے لیے نہایت سنگین مسائل تھے۔ حضرت علیؓ نے ان حالات میں صبر، عدل اور حکمت سے کام لیا، مگر اس مسلسل کشمکش نے عراق کے عوام کو سخت دباؤ میں رکھا۔ چنانچہ شام و عراق کے تعلقات میں شدت نے صرف سیاسی قیادت کو نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

عوامی مظلومیت اور مشکلات: اس کشمکش کا سب سے بڑا بوجھ عوام پر پڑا۔ **1-جنگی تیاریاں اور مالی دباؤ:** شام کے عوام کو مسلسل عسکری تیاریوں میں مشغول رہنا پڑا۔ بھاری اخراجات، سپاہ کی تنخواہیں، اور دفاعی انتظامات نے ان کی معاشی زندگی پر اثر ڈالا۔ **2-تجارت و معیشت کی رکاوٹیں:** عراق اور شام کے تجارتی راستے بار بار متاثر ہوئے۔ قافلے لوٹے گئے، بازار غیر محفوظ ہو گئے، اور زراعت تک کا نظام متاثر ہوا۔ **3-جان و مال کا غیر محفوظ ہونا:** عام مسلمان اپنی جان، مال اور عزت کے تحفظ کے لیے مضطرب تھے۔ نہ شام کے عوام سکون میں تھے نہ عراق کے۔ دونوں طرف کے انسان، جو دراصل اسلام کے ایک ہی جسم کا حصہ تھے، سیاست کی اس آنچ میں

جھلس رہے تھے۔

صحابہ کرامؓ کا تقدس: یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں جلیل القدر صحابہ کرامؓ ہیں، دونوں کا مقصد اسلام ہی کی خدمت اور امت کی اصلاح تھا۔ اختلاف ان کے اجتہاد کا نتیجہ تھا، اور اجتہاد میں دونوں کو اجر ملنے والا ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: **إذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران، وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر** (صحیح بخاری، حدیث 7352)۔ لہٰذا ان پاکیزہ نفوس کے بارے میں زبان کو ہمیشہ ادب و تقدس سے تر رکھنا امت پر لازم ہے۔ اصل مظلومیت ان عوام کی تھی جو اس سیاسی و عسکری دباؤ کی زد میں آئے۔

خلاصہ و نتائج: 1- جمادی الاولیٰ تا جمادی الاخری 39ھ میں شام و عراق کے تعلقات میں شدت پیدا ہوئی اور دونوں طرف کی قیادت نے اپنے اپنے موقف کو مزید مستحکم کیا۔ 2- حضرت معاویہؓ نے شام میں سیاسی اور عسکری طاقت کو بڑھایا، جبکہ حضرت علیؓ کو داخلی و خارجی دونوں مسائل کا سامنا رہا۔ 3- اس کشمکش کا سب سے بڑا نقصان عام مسلمانوں کو اٹھانا پڑا، جن کی تجارتیں، معیشت، اور جان و مال غیر محفوظ ہو گئے۔ 4- تاریخ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ جب سیاسی اختلافات بڑھ جائیں تو اصل بوجھ عوام پر پڑتا ہے اور وہی حقیقی مظلوم قرار پاتے ہیں۔ 5- صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہمیشہ ادب و احترام کو لازم رکھنا چاہیے اور ان کے اجتہادی اختلافات کو امت کے لیے حکمت و بصیرت کا باب سمجھنا چاہیے۔

مصادر و مراجع: 1-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص364، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 304-302، دار الفکر، بیروت۔ 3-طبری، تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری)، ج 5، ص 105، دار التراث، بیروت۔ 4-بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص220، دار المعارف، مصر۔

فتنۂ شام وعراق پس منظر، اسباب اور اثرات

اسلامی تاریخ کا سب سے روشن اور پاکیزہ دور خلافتِ راشدہ ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب عدل، مساوات اور شریعت کا نور ہر گوشے میں پھیلا ہوا تھا۔ تاہم حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی شہادت (ذوالحجہ 35ھ) کے بعد امتِ مسلمہ کو ایک ایسے فتنہ کا سامنا کرنا پڑا جس نے کئی دہائیوں تک مسلمانوں کو سیاسی و عسکری کشمکش میں مبتلا رکھا۔ یہ فتنہ دراصل شام وعراق کے تعلقات میں کشیدگی کا مظہر تھا، جو بعد میں فتنۂ کبریٰ کے نام سے معروف ہوا۔

شہادتِ عثمانؓ: اصل محرک: اس فتنہ کی جڑ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت تھی۔ ان کے قاتلین نے امت میں ایک ایسا زخم چھوڑا جو بھرنے میں طویل وقت لگا۔ امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: **كان مقتل عثمان أعظم مصيبة وقعت في الإسلام بعد رسول الله ﷺ، فإنه قتل مظلوماً صابراً محتسباً** (البدایہ والنہایہ، ج7، ص183، دار الفکر، بیروت)۔ ترجمہ: حضرت عثمانؓ کی شہادت اسلام میں رسول

اللہ ﷺ کے بعد سب سے بڑی مصیبت تھی، آپؓ مظلومانہ طور پر صبر اور احتساب کے ساتھ شہید ہوئے۔ یہی سانحہ بعد کے تمام سیاسی اختلافات کا بنیادی محرک ثابت ہوا۔

عراق میں خلافتِ علیؓ: حضرت علی المرتضیٰؓ نے 35ھ میں خلافت سنبھالی۔ آپؓ نے عدل، حق اور شریعت کی روشنی میں امت کو متحد کرنے کی کوشش کی۔ مگر قاتلانِ عثمانؓ کے مسئلے نے آپ کی خلافت کو ابتداء ہی سے آزمائشوں میں ڈال دیا۔ آپؓ چاہتے تھے کہ حالات پرسکون ہوں اور پھر عدل وانصاف کے ساتھ قاتلین کو سزا دی جائے۔ لیکن مخالفین فوری قصاص کا مطالبہ کرتے رہے۔

شام میں حضرت معاویہؓ: حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اس وقت شام کے والی تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جب تک قاتلانِ عثمانؓ کو فوراً سزا نہ دی جائے، خلافت کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ اس اجتہادی موقف نے حضرت علیؓ کے ساتھ سیاسی اختلاف کو جنم دیا۔ ابن الاثیرؒ اس تناظر کو یوں بیان کرتے ہیں: **كان معاوية يطلب بدم عثمان، وعليّ يرى تأخير ذلك حتى تستقر الأمور** (الکامل فی التاریخ، ج3، ص200، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔ ترجمہ: حضرت معاویہؓ خونِ عثمان کے مطالبے پر قائم تھے، جبکہ حضرت علیؓ اس کو مؤخر کرنا چاہتے تھے تاکہ حالات سنبھل جائیں۔

فتنہ کی شدت اور عوامی مظلومیت: اس اختلاف نے امت کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کر دیا: 1- میں خلافتِ علیؓ کا مرکز۔ 2- میں حضرت معاویہؓ کا نظم۔ یہ اختلاف محض قیادت کا مسئلہ نہ تھا، بلکہ عوامی سطح پر اس کے شدید اثرات مرتب ہوئے مسلسل

جنگی تیاریوں نے تجارت اور معیشت کو مفلوج کر دیا۔ زرعی پیداوار میں کمی اور راستوں کی غیر محفوظیت نے عام مسلمانوں کی زندگی کو اجیرن بنا دیا۔ ہر خطے کے عوام اپنے اپنے لیڈروں کی پالیسیوں کا بوجھ اٹھاتے رہے۔

اجتہاد اور صحابہ کرامؓ کا تقدس: یہاں ایک بنیادی حقیقت کو سمجھنا نہایت ضروری ہے کہ یہ اختلاف دراصل اجتہادی اختلاف تھا، نہ کہ دینی اصولوں کا انکار۔ دونوں طرف کے قائدین جلیل القدر صحابہ کرامؓ تھے جن کا مقصد اسلام اور امت کی بہتری تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: **إذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران، وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر واحد** (صحیح بخاری، حدیث 7352)۔ لہٰذا دونوں ہی اپنے اجتہاد میں ماجور تھے۔ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب عدول ہیں، ان کی نیتوں پر کلام کرنا جائز نہیں۔

خلاصہ ونتائج: 1- فتنۂ شام وعراق کی جڑ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت تھی۔ 2- حضرت علیؓ نے حکمت وصبر کے ساتھ قاتلین کے مسئلے کو موخر کرنا چاہا، جبکہ حضرت معاویہؓ فوری قصاص کے قائل تھے۔ 3- یہ اختلاف اجتہادی تھا، دونوں کا مقصد دین کی سربلندی تھا۔ 4- اصل مظلوم عام مسلمان تھے، جنہیں جنگی اخراجات، سیاسی کشمکش اور معیشتی مشکلات کا بوجھ اٹھانا پڑا۔ 5- اہلِ سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ دونوں طرف کے صحابہ کرامؓ قابلِ احترام ہیں، اور اختلاف کو حکمت وبصیرت کا باب سمجھا جائے۔

مصادر و مراجع: 1-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 190-183، دار الفکر، بیروت۔ 2-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 200، 364، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 106-97، دار التراث، بیروت۔ 4-بلاذری، انساب الاشراف، ج 3، ص 220-210، دار المعارف، مصر۔ 5-ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج 6، ص 120، دار الکتب العلمیۃ۔

رجب تا رمضان 39ھ: بیت المال کی کمزوری اور مالی بحران

سنہ 39ھ خلافتِ علوی کے دور کا ایک نہایت نازک مرحلہ تھا۔ ایک طرف خارجی فتنہ، دوسری جانب شامی افواج کے ساتھ مسلسل کشمکش، اور تیسری طرف اندرونی شورشیں ریاستی استحکام کے لیے ایک بڑا خطرہ بن چکی تھیں۔ ایسے ہنگامہ خیز حالات میں سب سے زیادہ متاثر ہونے والا شعبہ بیت المال تھا، جو ریاست کی اقتصادی بنیاد اور غرباء و مساکین کے حقوق کی ضمانت تھا۔

جنگوں کے اثرات بیت المال پر: طبری کی روایت کے مطابق (تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 40) مسلسل جنگوں اور لشکری اخراجات کی کثرت نے بیت المال کی آمدنی کو کمزور کر دیا۔ زرعی پیداوار اور خراج کی باقاعدہ وصولی متاثر ہوئی، تجارتی قافلے لوٹ مار کا نشانہ بنے، اور زمین داروں نے بھی عدمِ تحفظ کے باعث اپنی اراضی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ان تمام عوامل نے بیت المال کی آمدنی میں واضح کمی پیدا کر دی۔

غرباء ومساکین پر اثرات: بیت المال کی کمزوری کا سب سے پہلا اثر غرباء و مساکین، یتیموں اور بیوہ خواتین پر پڑا۔ وہ طبقہ جو اسلامی حکومت کے تحت بیت المال سے وظیفہ اور مدد کا مستحق تھا، رفتہ رفتہ اپنے حقوق سے محروم ہونے لگا۔ بیوائیں اور یتیم بچے جن کے سرپرست معرکوں میں شہید ہو گئے تھے، مالی تنگی میں مبتلا ہو گئے۔ نادار افراد اور معذور مسلمانوں کی کفالت متاثر ہوئی۔ ریاستی نظامِ فلاح و بہبود کمزور ہو گیا۔ یہ کیفیت دراصل امت کی اجتماعی زندگی پر براہ راست ظلم کے مترادف تھی۔ وہ لوگ جو اسلام میں سب سے زیادہ رعایت و مدد کے مستحق تھے، زمانے کے سیاسی و عسکری فتنوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔

ریاستی کمزوری اور عوامی فلاح: خلافتِ علوی کے اس دور میں حضرت علیؓ کی ذات سراپا عدل وحق تھی، مگر حالات کی پیچیدگی اور بیرونی سازشوں نے نظامِ خلافت کو کمزور کر دیا۔ بیت المال کے کمزور ہونے سے ریاست کی رعایا پر براہ راست اثر پڑا۔ عام لوگ عدمِ تحفظ اور غربت میں مبتلا ہوئے۔ تاجروں اور صنعت کاروں کا کاروبار جمود کا شکار ہوا۔ عوامی بہبود اور اجتماعی سکون متزلزل ہوا۔ اس طرح سنہ 39ھ کے رجب تا رمضان کے مہینے مسلمانوں کے لیے نہ صرف عسکری اور سیاسی لحاظ سے دشوار گزرے بلکہ معاشی اعتبار سے بھی سخت آزمائش ثابت ہوئے۔

خلاصہ ونتائج: 1- سنہ 39ھ میں جنگی مصارف اور اندرونی شورشوں نے بیت المال کو کمزور کر دیا۔ 2- بیت المال کی کمزوری کا براہِ راست اثر غرباء، یتیموں اور

بیوہ خواتین پر پڑا۔ 3-ریاستی فلاح و بہبود کا نظام متاثر ہونے سے عوامی زندگی مشکلات میں گھر گئی۔ 4-یہ صورتحال اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ فتنہ وفساد کا سب سے بڑا شکار ہمیشہ کمزور اور بے سہارا طبقات ہوتے ہیں۔ 5-اسلامی ریاست کا اصل مقصد عدل وفلاح کا قیام ہے، لیکن جب بیرونی جنگیں اور داخلی فتنہ شدت اختیار کر جائیں تو سب سے زیادہ مظلوم عوامی طبقات قرار پاتے ہیں۔

مصادر ومراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 5، ص 40۔ 2-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، ج 3، ص 250۔ 3-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 323-328۔ 4-ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، دار الفکر، بیروت، ج 3، ص 145۔

شوال تا ذوالحجہ 39ھ: امت میں فتنہ وانتشار کا تسلسل

سنہ 39ھ اسلامی تاریخ کا وہ دور ہے جب سیاسی وعسکری فتنوں نے امت کے شیرازے کو سخت آزمایا۔ شوال تا ذوالحجہ کے ایام میں اگرچہ بڑے معرکے نہیں ہوئے، لیکن فکری اور لسانی فتنہ نے معاشرتی زندگی کو بری طرح متاثر کیا۔ خوارج ایک طرف اور اموی جماعت دوسری طرف، دونوں نے حضرت امیر المؤمنین علیؓ اور ان کے اصحابِ کرامؓ کے خلاف پروپیگنڈہ اور الزام تراشی کا بازار گرم کیا۔ یہ زبانی فتنہ کسی بھی تلوار کے وار سے زیادہ خطرناک ثابت ہوا، کیونکہ اس نے دلوں کو زخمی کیا اور

مسلمانوں کے مابین بدگمانی اور بداعتمادی کی خلیج وسیع کردی۔

شوال 39ھ: افواہوں کا آغاز: اس مہینے میں کوفہ و بصرہ کے گلی کوچوں میں خوارج کی زبان درازی نمایاں ہونے لگی۔ وہ عوام الناس میں حضرت علیؓ کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کرتے اور انہیں خلافت سے منحرف کرنے کی کوشش کرتے۔

مظلومیت: حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر خلیفہ اور صحابہ کرامؓ کی شان میں نازیبا کلمات کہے گئے۔ اہلِ بیتِ اطہارؓ کو بدگوئی اور تہمت کا نشانہ بنایا گیا (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص305)۔

ذوالقعدہ 39ھ: پروپیگنڈہ کا پھیلاؤ: اس مہینے میں فتنہ صرف عراق تک محدود نہ رہا، بلکہ شام میں بھی حضرت علیؓ کے خلاف سازشیں تیز کی گئیں۔ اموی حلقے میں افواہیں اور بہتان تراشی کے ذریعے حضرت علیؓ کے عدل و دیانت پر سوالات اٹھائے گئے۔ مظلومیت: وہ صحابہ کرامؓ جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، زبان درازی کا نشانہ بنے۔ عام مسلمانوں کے دلوں میں خلفائے راشدین کے بارے میں شک و شبہات ڈالے گئے (ابن عربی، العواصم من القواصم، ص150)۔

ذوالحجہ 39ھ: امت میں اضطراب: اس مہینے میں جب مختلف علاقوں سے مسلمان حج کے لیے جمع ہوئے تو سیاسی اختلافات اور الزام تراشی کے اثرات وہاں بھی نمایاں تھے۔ امت کی وہ وحدت جو حج کے موقع پر سب سے زیادہ نظر آتی ہے، اس بار کمزور دکھائی دی۔ مظلومیت: حجاج کرام جو روحانی سکون کے متلاشی تھے، سیاسی

انتشار کے بوجھ تلے دبے رہے۔ امت مسلمہ کی اجتماعیت مجروح ہوئی اور عوامی سطح پر اضطراب و بے چینی بڑھ گئی (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص306)۔

زبان درازی کا زہر: لسانی فتنہ دراصل وہ خنجر تھا جس نے امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ حضرت علیؓ، اہل بیتِ اطہارؓ اور دیگر اکابر صحابہ کرامؓ پر بہتان تراشی دراصل وہ ظلم تھا جس نے ان پاک ہستیوں کی عظمت کو مجروح کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ قرآن و سنت میں صحابہ کرامؓ کی عظمت و حرمت پر واضح دلائل موجود ہیں: **وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ** (التوبہ:100)۔ یہ آیت اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ صحابہ کرامؓ پر زبان درازی دراصل اللہ کی رضا کے منافی اور امت کے خلاف بدترین فتنہ تھا۔

خلاصہ و نتائج: 1- سنہ 39ھ کے آخری مہینوں میں امت مسلمہ لسانی اور فکری فتنوں کی لپیٹ میں رہی۔ 2- حضرت علیؓ اور ان کے رفقاءِ کار صحابہ کرامؓ پر بہتان تراشی کی گئی، جو دراصل ان کی عظمت و تقدس پر حملہ تھا۔ 3- خوارج اور اموی حلقوں کی افواہوں نے امت کے اتحاد کو شدید نقصان پہنچایا۔ 4- حج جیسے اجتماع میں بھی سیاسی انتشار کے اثرات نمایاں تھے، جو اسلامی وحدت کے لیے ایک المیہ تھا۔ 5- یہ دور ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ زبان کے وار تلوار کے وار سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہو سکتے ہیں، خصوصاً جب وہ اہلِ بیت اور صحابہ کرامؓ کی عظمت کے خلاف استعمال ہوں۔

مصادر و مراجع: 1- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص

306-305۔2-ابن عربی، العواصم من القواصم، تحقیق: محبّ الدین الخطیب، دار الجیل، بیروت، ص150۔3-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، ج3، ص260۔4-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج5، ص45۔

خلافتِ راشدہ کا اختتام اور حضرت علیؓ کی شہادت (40ھ)

تاریخی پس منظر: سنہ 40ھ اسلامی تاریخ کا ایک عظیم موڑ ہے۔ یہ وہ سال ہے جس نے امتِ مسلمہ کو ہمیشہ کے لیے غم والم میں ڈبو دیا، کیونکہ اسی سال خلافتِ راشدہ کا اختتام ہوا اور امیر المؤمنین، خلیفۂ چہارم، شیرِ خدا، اسد اللہ الغالب، حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، نہایت مظلومانہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ یہ وہی علیؓ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ (صحیح بخاری، کتاب المناقب)۔ اور فرمایا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ (مسند احمد، ج4، ص281)۔ ان عظیم فضائل کے حامل خلیفۂ راشد کی مظلومانہ شہادت دراصل امت کی تاریخ کا سب سے بڑا سانحہ تھا، جس نے اسلامی معاشرت پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

امت کے لیے المیہ: اس سال کے واقعات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ: خلافتِ راشدہ، جس کی بنیاد عدل وشریعت پر تھی، اختتام کو پہنچی۔ امت مسلمہ داخلی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی۔ خارجی اور اموی کشمکش نے ایسی فضائیں قائم کیں

جن کے نتیجے میں ایک برگزیدہ صحابی اور دامادِ رسول ﷺ، حضرت علیؓ کو شہید کر دیا گیا۔ یہ شہادت صرف ایک فرد کا قتل نہ تھا بلکہ امت کے اجتماعی شعور اور سیاسی وحدت پر کاری ضرب تھی۔

محرم الحرام تا ذوالحجہ 40ھ: اجمالی جائزہ: 1-محرم الحرام 40ھ: حضرت علیؓ کی اصلاحی مساعی کے باوجود خوارج اور مخالفین کی سازشیں جاری رہیں۔ افواہوں اور بہتان تراشی نے معاشرے کو بے سکونی میں مبتلا رکھا (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص59)۔

2-ربیع الآخر 40ھ: خارجی عناصر نے علیؓ کے خلاف خفیہ منصوبے تیار کیے۔ تین اشخاص (ابن ملجم، برک بن عبداللہ، اور عمرو بن بکر) نے علیؓ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کو ایک ساتھ شہید کرنے کا ارادہ کیا (البدایہ والنہایہ، ج7، ص323)۔

3-رمضان المبارک 40ھ: مسجد کوفہ میں 19 رمضان کو علیؓ پر عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی نے قاتلانہ حملہ کیا۔ 21 رمضان کو آپؓ نے شہادت پائی۔ یہ سانحہ امت کے لیے زلزلۂ عظیم تھا (طبری، ج5، ص66؛ البدایہ، ج7، ص329)۔

4-بعد از شہادت: خلافت حضرت امام حسنؓ کو منتقل ہوئی۔ امت کے مختلف حصوں میں اضطراب اور حیرانی کی لہر دوڑ گئی۔ حج کے موقع پر بھی امت کا قلبی سکون مجروح تھا۔

شہادت کا پہلوئے مظلومیت: حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر خلیفہ کو ماہِ رمضان کی بابرکت راتوں میں شہید کر دیا گیا۔ امت نے وہ منظر دیکھا کہ جس نے تاریخ کو خون آلود کر دیا۔ یہ واقعہ اس بات کی علامت ہے کہ سب سے زیادہ مظلوم ہمیشہ اہلِ حق ہی

ہوتے ہیں، چاہے وہ دنیاوی لحاظ سے سب سے بڑے مقام پر فائز ہوں۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 40ھ امتِ مسلمہ کے لیے ایک عظیم المیہ اور خلافتِ راشدہ کے اختتام کا سال ہے۔2-اس سال حضرت علیؓ کی شہادت نے اسلامی تاریخ میں مظلومیت کے سب سے نمایاں باب کو اجاگر کیا۔3-امت کے داخلی انتشار اور خارجی سازشوں نے اس عظیم سانحہ کو جنم دیا۔4-شہادتِ علیؓ نے ثابت کر دیا کہ اہلِ حق کے لیے آزمائشیں اور قربانیاں امت کی اصلاح اور دین کی حفاظت کے لیے ناگزیر ہیں۔5-یہ سانحہ امت کو یاد دلاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی عظمت وحرمت پر زبان درازی اور سیاسی فتنہ دراصل امت کے شیرازے کو پارہ پارہ کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

مصادر ومراجع: 1-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار الفکر، بیروت، ج 7، ص 323-329۔ 2-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 5، ص 66-59۔ 3-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، ج 3، ص 265۔ 4-ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، دار الفکر، بیروت، ج 3، ص 150۔ 5-احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ج 4، ص 281۔

محرم الحرام تا رجب 40ھ

(خوارج کی بڑھتی ہوئی شورشیں اور مظلوم عوام کی حالت)

سنہ 40ھ کا آغاز ہی اسلامی تاریخ کے لیے ایک نئے بابِ ابتلا کے طور پر

ہوا۔ اگر چہ نہروان کی جنگ میں خوارج کو سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا، مگر اس کے باوجود ان کی فکری سرکشی اور عملی بغاوت ختم نہ ہوئی۔ وہ چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں اسلامی خطوں پر چھاپہ مار کارروائیاں کرتے رہے۔ ان کی یہ سرگرمیاں محرم الحرام سے رجب تک مسلسل جاری رہیں، جس نے عراق اور اطراف کے مسلمانوں کو سخت مصائب اور مظلومیت میں مبتلا کیا۔

(1) خوارج کی مسلسل شورشیں: نہروان کے بعد یہ امید کی جارہی تھی کہ خوارج کا فتنہ دم توڑ دے گا، لیکن ہوا اس کے برعکس۔ وہ اپنی شکست کے باوجود منتشر ہو کر مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ اہلِ عراق کے شہروں اور دیہاتوں میں داخل ہو کر عام مسلمانوں کو نشانہ بناتے۔ چھاپہ مار کارروائیوں کے ذریعے قافلوں پر حملے کرتے اور مسافروں کو قتل کر ڈالتے۔ اسلامی معاشرے میں امن وسکون کو تہ و بالا کر دیا۔ امام طبریؒ لکھتے ہیں: **کان الخوارج یغیرون علی اهل العراق بعد نهروان و یسفکون الدماء و یسلبون الاموال** (تاریخ الطبری، ج5، ص60)۔

(2) عام مسلمانوں کی مظلومیت: ان شورشوں کا سب سے بڑا نقصان عام مسلمانوں کو اٹھانا پڑا۔ دیہات کے لوگ لوٹ مار کا شکار ہوئے۔ بے گناہ شہریوں کو صرف اس جرم میں قتل کیا گیا کہ وہ حضرت علیؓ کے وفادار تھے یا ان کا تعلق اہلِ جماعت سے تھا۔ خوف و ہراس اس قدر بڑھ گیا کہ لوگ اپنے گھروں سے نکلنے سے گھبرانے لگے۔ ابن اثیرؒ لکھتے ہیں: **کان الخوارج یستحلون دماء المسلمین و**

یقتلون من یلقونه فی الطریق، حتی عظم البلاء علی اهل الکوفة و غیرها (الکامل فی التاریخ، ج3، ص380)۔

(3) فتنہ خوارج کی نوعیت: خوارج کا یہ طرزِ عمل دراصل ان کے اس فکری انحراف کا نتیجہ تھا، جس میں انہوں نے اہلِ ایمان کو محض ظاہری تاویلات کی بنیاد پر کافر قرار دے دیا تھا۔ ان کے نزدیک جو بھی ان کے نظریے سے اختلاف کرتا، وہ واجب القتل تھا۔ اس طرح انہوں نے نہ صرف امت کی وحدت کو پارہ پارہ کیا بلکہ عوام الناس کو بدترین مصائب اور آلام میں مبتلا کیا۔

(4) حضرت علیؓ کی جدوجہد: امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کی فتنہ انگیزی کو دبانے کے لیے مسلسل کوشاں رہے۔ مگر حالات کی سنگینی اور مختلف اطراف سے دشمنی کی سازشوں نے آپ کے لیے یہ جدوجہد مزید مشکل بنا دی۔ ایک طرف شام کی سیاست تھی، دوسری طرف خوارج کی بغاوت۔ اس دوہرے دباؤ کے باوجود حضرت علیؓ نے عدل و حق کے ساتھ امت کی قیادت کا فریضہ انجام دیا۔

خلاصہ و نتائج: 1- سنہ 40ھ کے ابتدائی مہینوں میں خوارج نے اپنی بغاوت اور شورش کو نئے سرے سے زندہ کیا۔ 2- عام مسلمان، خصوصاً اہلِ عراق، ان کے ظلم و ستم اور قتل و غارت کے سب سے بڑے شکار بنے۔ 3- خوارج کے ان رویوں نے اسلامی معاشرے میں بے چینی، خوف اور انتشار کو بڑھا دیا۔ 4- حضرت علیؓ کی قیادت میں امت ان فتنوں کے مقابل کھڑی رہی، مگر مظلومیت کا بوجھ عام مسلمانوں نے

اپنے خون سے ادا کیا۔ 5- یہ دور اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ خارجی فکر ہمیشہ امت کے اتحاد کے لیے زہرِ قاتل رہی ہے۔

مصادر و مراجع: 1- امام محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 60، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔ 2- امام ابن اثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 380، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 3- ابن کثیر الدمشقی، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 326، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، بیروت۔ 4- عبدالرحمٰن بن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج 2، ص 398، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔

رجب 40ھ خوارج کا خفیہ منصوبہ
(امت کے قائدین کو شہید کرنے کی سازش)

اسلامی تاریخ کا سنہ 40ھ وہ المناک سال ہے جس میں امت نے فتنہ و انتشار کی وہ شدت دیکھی جس نے خلافتِ راشدہ کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ نہروان کے بعد خوارج وقتی طور پر پسپا ضرور ہوئے، لیکن ان کے دلوں میں بغض و انتقام کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔ انہوں نے امت کے سب سے عظیم رہنماؤں کو ختم کرنے کے لیے ایک ایسا منصوبہ بنایا جو تاریخِ اسلام میں ''فتنۂ کبریٰ'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ رجب 40ھ میں تین خارجی سرکردہ افراد نے اس امت کے تین بڑے ستونوں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، اور فاتح مصر حضرت

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے خلاف بیک وقت قاتلانہ کارروائی کا ارادہ کیا۔

(1) منصوبہ ساز خارجی: تاریخی مصادر کے مطابق، اس سازش میں تین خارجی شریک تھے: 1-عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی جس نے حضرت علیؓ کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور کوفہ کو اپنی کارروائی کا مرکز بنایا۔2-برک بن عبداللہ تمیمی جس نے شام جا کر حضرت معاویہؓ کو نشانہ بنانے کا عزم کیا۔3-عمرو بن بکر تمیمی جسے مصر بھیجا گیا تا کہ حضرت عمرو بن عاصؓ کو شہید کرے۔ابن کثیر لکھتے ہیں: **اجتمع نفر من الخوارج فتذاكروا أمر الناس و ما هم فيه، فعزموا على قتل علي و معاوية و عمرو بن العاص، ليستريح الناس منهم جميعاً** (البدایہ والنہایہ، ج7، ص327، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، بیروت)۔یعنی: خوارج کے چند لوگ جمع ہوئے اور انہوں نے لوگوں کے حالات پر گفتگو کی، پھر یہ طے کیا کہ علیؓ، معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ کو قتل کر دیا جائے تا کہ امت ان سب سے ''چھٹکارا'' حاصل کر لے۔

(2) منصوبے کی نوعیت: یہ منصوبہ محض سیاسی نہیں تھا بلکہ مذہبی تقدس کے پردے میں تیار کیا گیا۔خوارج نے اس خبیث سوچ کو ''اصلاحِ امت'' کا نام دیا اور دعویٰ کیا کہ ان تینوں رہنماؤں کو ختم کرنے کے بعد امت یکساں طور پر قیادت سے خالی ہو جائے گی، جس سے نئے سرے سے ''عدل پر مبنی خلافت'' قائم ہو سکے گی۔ دراصل یہ ان کی گمراہ فکری اور انتہا پسند سوچ کا مظہر تھا، جس نے امت کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔

(3) امت پر مظلومیت کا پہلو: یہ منصوبہ تاریخِ اسلام کے مظلوم ترین ابواب میں شمار ہوتا ہے، کیونکہ دین کے نام پر امت کے رہنماؤں کے خلاف دہشت گردانہ منصوبہ بنایا گیا۔ ان پاکیزہ نفوس کو، جنہوں نے اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کیا، قتل کرنے کا منصوبہ محض ذاتی انتقام اور فکری ضلالت کا نتیجہ تھا۔ اس فتنے نے امت کو فکری اور سیاسی انتشار کی ایسی راہ پر ڈال دیا جس کے اثرات صدیوں تک محسوس کیے گئے۔ امام طبری نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا: **كان قصدهم أن يخلوا الأرض من قادتها، فيكون الناس سواء في النظر إلى أمرهم بعدهم** (تاریخ الطبری، ج 5، ص 66، مطبوعہ دار التراث، بیروت)۔ یعنی: ان کا مقصد یہ تھا کہ زمین کو اس کے قائدین سے خالی کر دیا جائے، تاکہ لوگ ان کے بعد سب برابر ہو جائیں اور اپنے لیے نئی قیادت تلاش کریں۔

(4) حضرت علیؓ کی مظلومیت: اس منصوبے میں سب سے زیادہ نشانہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بنے، کیونکہ خوارج کا بنیادی بغض آپ ہی کے خلاف تھا۔ نہروان کی جنگ میں ان کی شکست نے ان کے دلوں کو کینہ و انتقام سے بھر دیا تھا، اور انہوں نے اپنے پورے وجود کو اس مقصد کے لیے وقف کر دیا کہ کسی نہ کسی طرح علیؓ کو ختم کر کے اپنے باطل نظریے کو کامیاب کریں۔

خلاصہ و نتائج: 1- رجب 40ھ میں خوارج نے ایک خطرناک خفیہ منصوبہ بنایا جس کا مقصد امت کے تین بڑے قائدین کو بیک وقت ختم کرنا تھا۔ 2- اس

منصوبے کے پیچھے انتہا پسندانہ سوچ یہ تھی کہ قیادت کو یکسر ختم کر کے امت کو قیادت سے خالی کر دیا جائے۔ 3- یہ اقدام دین کے نام پر کیا گیا، مگر حقیقت میں یہ امت کے خلاف سب سے بڑی دہشت گردانہ سازش تھی۔ 4- حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ سب اس فتنہ کے نشانے پر تھے، جو ان کی عظمت اور امت میں مرکزی کردار کا ثبوت ہے۔ 5- یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ خارجی فکر ہمیشہ امت کی یکجہتی کے لیے مہلک اور اس کے قائدین کے لیے جان لیوا رہی ہے۔

مصادر و مراجع: 1- امام ابن کثیر الدمشقی، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 327، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، بیروت۔ 2- امام محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 66، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔ 3- امام ابن اثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 382، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 4- شمس الدین ذہبی، تاریخ الاسلام، ج 3، ص 102، مطبوعہ دار الکتب، دمشق۔

رمضان المبارک 40ھ

(حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت: تاریخِ اسلام کا المناک ترین باب)

اسلامی تاریخ میں رمضان المبارک کا مہینہ برکتوں، رحمتوں اور فیوضات کا مہینہ ہے۔ یہی مہینہ بدر کی فتح کا ہے، یہی مہینہ نزولِ قرآن کا ہے، اور یہی مہینہ تاریخِ اسلام کی سب سے بڑی مصیبت و آزمائش کا مہینہ بھی ہے، جب امت مسلمہ

اپنے سب سے عظیم قائد، امیر المؤمنین، شیرِ خدا، دامادِ رسول ﷺ، خلیفۂ راشد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سے محروم ہوگئی۔ سنہ 19 رمضان 40ھ کی سحر گاہ وہ المناک ساعت لائی جس نے کوفہ کی فضاؤں کو لرزا دیا، جب خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے مسجد کوفہ میں نمازِ فجر کے وقت زہر آلود تلوار سے وار کر کے تاریخِ اسلام کے ایک روشن باب کو خون میں ڈبو دیا۔

(1) پس منظر: خوارج کی نفرت وعناد نہروان کے بعد ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی۔ رجب 40ھ میں ہی انہوں نے خفیہ منصوبہ بنایا تھا کہ امت کے تین بڑے قائدین حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو بیک وقت ختم کر دیا جائے (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 327)۔ اس سازش کا سب سے بڑا نشانہ حضرت علیؓ بنے، کیونکہ وہی خوارج کے مقابلے میں سب سے زیادہ رکاوٹ تھے۔

(2) شہادت کا واقعہ: ابن اثیر اور ابن کثیر کی روایت کے مطابق: 19 رمضان المبارک 40ھ کو حضرت علیؓ نمازِ فجر کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔ اسی وقت خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم، جو زہر میں بجھی ہوئی تلوار چھپائے ہوئے تھا، موقع کی تاک میں کھڑا تھا۔ جیسے ہی حضرت علیؓ نے تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ نماز شروع کی، اس خبیث نے تلوار کا وار کیا جو پیشانی پر لگا اور دماغ تک پہنچ گیا۔ حضرت علیؓ نے اس موقع پر فرمایا: فُزتُ وربِّ الکعبۃ یعنی ربِ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 382، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔ دو دن تک آپؓ شدید زخمی حالت میں

رہے، مگر زبان پر اللہ کا ذکر اور امت کے لیے وصیت جاری رہی۔ آخر کار 21 رمضان المبارک 40ھ کو آپؓ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا اور کوفہ کے قریب دفن کیے گئے۔

(3) مظلومیت کا پہلو: حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت اسلام کی تاریخ کا وہ باب ہے جس پر آج بھی دل روتے ہیں۔ آپؓ رسول اللہ ﷺ کے داماد اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔ آپؓ بدر، احد، خندق اور خیبر جیسے معرکوں کے فاتح تھے۔ آپؓ عہدِ نبویؐ کے سب سے بہادر مجاہد اور سب سے زاہد عابد شمار ہوتے ہیں۔ پھر بھی، آپؓ کو نہایت مظلومانہ انداز میں امت کے باغی گروہ کے ہاتھوں شہید کیا گیا۔ امت اسلامیہ اپنے سب سے بڑے محسن، عدل وتقویٰ کے امام، اور علم وشجاعت کے سرچشمے سے محروم ہوگئی۔

(4) امت پر اثرات: حضرت علیؓ کی شہادت نے امت کو کئی اعتبار سے متاثر کیا: 1- خلافتِ راشدہ کا عملی خاتمہ ہوگیا اور خلافت امویہ کی بنیاد پڑی۔ 2- امت میں فتنہ وانتشار مزید بڑھ گیا۔ 3- اہلِ بیتِ نبویؐ کی مظلومیت کی داستان مزید طویل ہوگئی۔ 4- خوارج کی دہشت گردانہ فکر تاریخ میں ایک مستقل ناسور کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

خلاصہ ونتائج: 1- رمضان 40ھ میں امت مسلمہ اپنے سب سے عظیم رہنما حضرت علیؓ سے محروم ہوگئی۔ 2- شہادت کا واقعہ خوارج کی خبیث سازش اور انتہا پسندانہ ذہنیت کا شاخسانہ تھا۔ 3- حضرت علیؓ کی شہادت نے امت کو سیاسی ومذہبی لحاظ سے زبردست صدمہ پہنچایا۔ 4- یہ سانحہ اس بات کی عبرت انگیز یاددہانی ہے کہ جب

امت کے اپنے ہی افراد بغض و انتقام میں اندھے ہو جائیں تو وہ اپنے سب سے بڑے خیر خواہوں کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔5-حضرت علیؓ کا قول: فزتُ وربّ الکعبۃ اس بات کی دلیل ہے کہ شہادت، دراصل آپؓ کے لیے کامیابی اور امت کے لیے ابدی سبق ہے۔

مصادر و مراجع: 1-امام ابن کثیر الدمشقی، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 329، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، بیروت۔2-امام ابن اثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 382، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔3-امام طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 68-66، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔4-شمس الدین ذہبی، تاریخ الاسلام، ج 3، ص 110، مطبوعہ دار الکتب، دمشق۔5-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 3، ص 35، مطبوعہ دار صادر، بیروت۔

بعد از شہادتِ علیؓ (رمضان 40ھ)

امام حسنؓ کی خلافت و مظلومیت: رمضان المبارک 40ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شہادت کے بعد خلافتِ راشدہ کا بوجھ ان کے فرزندِ ارجمند، سبطِ رسول ﷺ، سیدنا امام حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے کاندھوں پر آ گیا۔آپؓ وہ ہستی ہیں جن کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ ابْنِی هٰذَا سَیِّدٌ، وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ یُصْلِحَ بِهِ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِینَ (بخاری، حدیث: 2704)۔یعنی:

میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح فرمادے۔ یہ حدیث آپؓ کی خلافت وصلح کی بنیاد ہے، لیکن اس خلافت کے آغاز ہی میں آپؓ کو نہایت مظلومانہ حالات کا سامنا کرنا پڑا۔

(1) اہلِ عراق کی بیعت: حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد رمضان 40ھ میں اہلِ کوفہ اور عراق کے اکابر نے امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی (تاریخ الطبری، ج 5، ص 70)۔ اہلِ بیت کی محبت اور حضرت علیؓ کی شہادت کا تازہ غم اس بیعت کا محرک بنا، لیکن اس بیعت میں پختگی اور خلوص کا فقدان تھا۔ عراق کے قبائل داخلی اختلافات، ذاتی مفادات اور مصلحتوں کا شکار تھے۔

(2) عراق کی کمزوری اور شام کی طاقت: دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام میں مضبوط اور مستحکم تھے۔ ان کے پاس ایک منظم فوج، پختہ انتظامیہ اور قبائل کی وفاداری موجود تھی۔ جب کہ عراق کے لشکر میں بکھراؤ، بے وفائی اور کم ہمتی نمایاں تھی۔ چنانچہ امام حسنؓ کی خلافت کو ابتداء ہی سے سخت چیلنجز کا سامنا رہا۔ ابن کثیر فرماتے ہیں: **كان أهل العراق أسرع الناس فتنة، و أقلهم صبراً على الحق** (البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 12، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، بیروت)۔ یعنی: اہلِ عراق سب سے زیادہ فتنے میں پڑنے والے اور حق پر صبر کرنے میں سب سے کمزور تھے۔

(3) امام حسنؓ کی مظلومیت: امام حسنؓ کو اپنی خلافت کے ابتدائی ایام ہی میں نہایت المناک مظلومیت کا سامنا کرنا پڑا۔ **1- غداری و بے وفائی:** اہلِ عراق نے

جوشِ خطابت اور وقتی جوش میں تو بیعت کی، لیکن عملی طور پر آپؓ کے ساتھ کھڑے نہ رہے۔ کئی قبائل نے خفیہ طور پر حضرت معاویہؓ سے رابطے قائم کر لیے۔ **2-قاتلانہ حملہ:** طبری کی روایت ہے کہ جب امام حسنؓ کو حلوان کے قریب لشکر کے ساتھ قیام تھا، آپؓ پر ایک خارجی نے خنجر سے وار کیا جس سے آپؓ زخمی ہو گئے (تاریخ الطبری، ج5، ص 70)۔ **3-خیمے کی لوٹ مار:** آپؓ کے اپنے ہی لشکریوں نے آپ کا خیمہ لوٹ لیا، حتیٰ کہ آپ کے بستر کے نیچے سے چٹائی تک لے گئے (ابن اثیر، الکامل، ج3، ص382)۔ یہ سب کچھ اس بات کا ثبوت ہے کہ اہلِ عراق نے کس قدر مظلومانہ حالات میں امام حسنؓ کو تنہا چھوڑ دیا۔

(4) امام حسنؓ کا صبر و حلم: ان مظلومانہ حالات کے باوجود امام حسنؓ نے صبر و حلم کا وہ مظاہرہ کیا جو آپؓ کی شخصیت کو تاریخ میں نمایاں کرتا ہے۔ آپ نے بدلہ لینے یا سخت اقدام کرنے کے بجائے امت کی وحدت اور امن کو مقدم رکھا۔ یہی وہ کردار ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ''سید'' اور ''مصلح'' قرار دیا تھا۔

خلاصہ و نتائج: 1-حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد رمضان 40ھ میں امام حسنؓ کی خلافت قائم ہوئی۔ 2-اہلِ عراق نے بظاہر بیعت تو کی، لیکن حقیقت میں بار بار غداری اور بے وفائی کی۔ 3-امام حسنؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور آپؓ کا خیمہ تک لوٹ لیا گیا یہ آپؓ کی مظلومیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ 4-باوجود اس کے، امام حسنؓ نے صبر، حلم اور حکمت کو اپنایا اور امت کی بھلائی کو ذاتی مفاد پر ترجیح دی۔ 5-آپؓ کی

مظلومیت دراصل اہلِ بیت کی مظلومیت کا تسلسل اور امت کے لیے عبرت ونصیحت کا ایک روشن باب ہے۔

مصادر ومراجع: 1-امام محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص70، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔2-امام ابن کثیر الدمشقی، البدایہ والنہایہ، ج8، ص12، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، بیروت۔3-امام ابن اثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج3، ص382، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔4-شمس الدین ذہبی، تاریخ الاسلام، ج3، ص115، مطبوعہ دار الکتب، دمشق۔5-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص325، مطبوعہ دار صادر، بیروت۔

شوال تا ذوالحجہ 40ھ: امت میں مسلسل انتشار اور خانہ جنگی

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شہادت (21رمضان40ھ) کے بعد امتِ مسلمہ ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے دستِ خلافت پر اہلِ عراق نے بیعت تو کر لی، لیکن جلد ہی اختلافات، فتنوں اور بیرونی سازشوں نے امت کو مزید تقسیم کر دیا۔ شوال تا ذوالحجہ 40ھ کا یہ زمانہ خلافتِ اسلامیہ کی کمزوری، مسلمانوں کے باہمی انتشار اور عوامی مظلومیت کی ایک نمایاں تصویر ہے۔ یہ دور دراصل خلافتِ راشدہ کے بعد فتنوں کے بڑھنے اور امت میں انتشار کے پھیلنے کا نقطہ آغاز ہے۔ قرآن کریم نے ایسے حالات کے بارے میں متنبہ فرمایا تھا: وَلَا تَنَازَعُوا

فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (الأنفال:46)۔یعنی: آپس میں جھگڑا مت کرو، ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ یہی کیفیت اس دور میں امت پر غالب آ گئی۔

(1) امت کی تقسیم اور بدامنی کا آغاز: حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امت تین بڑے حصوں میں بٹ گئی: **1-عراق:** جہاں امام حسنؓ کو خلیفہ تسلیم کیا گیا، مگر قبائل میں اختلاف اور نفاق عام تھا۔ **2-شام:** جہاں حضرت امیر معاویہؓ اپنی مضبوط حکومت کے ساتھ موجود تھے۔ **3-مصر:** جو خلافتِ علیؓ کے تحت تھا، لیکن وہاں بھی داخلی کمزوری اور شورشیں بڑھ رہی تھیں۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: **فلما قتل عليّ اشتد الأمر على المسلمين، و زاد الاختلاف و كثر الاضطراب** (الکامل فی التاریخ، ج3، ص385، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔ یعنی: جب حضرت علیؓ شہید ہوئے تو مسلمانوں پر معاملہ مزید سخت ہو گیا، اختلاف بڑھ گیا اور اضطراب زیادہ ہو گیا۔

(2) عراق اور امام حسنؓ کی مشکلات: اہلِ عراق نے امام حسنؓ کی بیعت کے باوجود ان کا ساتھ دینے میں کمزوری اور غداری کا مظاہرہ کیا۔ ہر قبیلہ اپنی مصلحت دیکھتا، کسی نے شام سے تعلقات رکھے اور کسی نے خفیہ طور پر بغاوت کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام حسنؓ کی حکومت بظاہر موجود رہی، مگر عملی طور پر ان کے پاس کمزور اور منتشر لشکر تھا۔

(3) شام اور امیر معاویہؓ کی مضبوطی: دوسری طرف حضرت امیر معاویہؓ کو شام کے عوام کی غیر متزلزل حمایت، منظّم فوج اور مستقل وسائل حاصل تھے۔ یہ تضاد عراق

کی کمزوری اور شام کی طاقت کے درمیان امت کے انتشار کو مزید بڑھاتا گیا۔ امام ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **کانت الفتنة بعد علیّ اشدّ، إذ لم یکن للمسلمین إمام یجمع کلمتهم، و کلّ طائفة تدّعی الحقّ لنفسها** (العواصم من القواصم، ص170، مطبوعہ دار الجیل، بیروت)۔ یعنی: حضرت علیؓ کے بعد فتنہ زیادہ سخت ہوگیا، کیونکہ مسلمانوں کے پاس ایسا امام نہ رہا جو سب کو یکجا کرے، اور ہر گروہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا۔

(4) عوامی مظلومیت: اس سیاسی و عسکری انتشار نے عام مسلمانوں کی زندگی کو اجیرن کر دیا، جان و مال غیر محفوظ، قافلے، شہروں اور بازاروں میں امن قائم نہ رہا، لٹیرے اور باغی گروہ عوام کو لوٹتے رہے۔ **غرباء و مساکین کی تکالیف:** بیت المال کمزور ہوگیا، مالی بحران نے یتیموں، بیواؤں اور غریبوں کو براہِ راست متاثر کیا۔ **دینی و روحانی زندگی پر اثرات:** امت کے درمیان باہمی نفرت اور بدگمانی بڑھ گئی، جو اسلام کی اجتماعی طاقت کو کمزور کرتی گئی۔ یہی وہ کیفیت ہے جسے قرآن نے امت کی کمزوری کا سبب بتایا ہے، اور تاریخ نے اسے امت کی مظلومیت کے باب کے طور پر محفوظ کیا۔

خلاصہ و نتائج: 1- شوال تا ذوالحجہ 40ھ کا دور خلافتِ علیؓ کی شہادت کے بعد امت کے شدید انتشار اور سیاسی بحران کا زمانہ ہے۔ 2- عراق، شام اور مصر میں امت ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی، اور کوئی مرکزی قوت باقی نہ رہی۔ 3- امام حسنؓ کو اہلِ عراق کی بے وفائی اور شام کی طاقتور حکومت کے درمیان سخت مظلومیت کا سامنا کرنا پڑا۔

4-عوامی سطح پر جان و مال غیر محفوظ ہوگئے، غرباء و مساکین کی حالت بگڑ گئی، اور معاشرتی فلاح و بہبود متاثر ہوئی۔ 5-یہ دور اس حقیقت کا مظہر ہے کہ امت کی وحدت اور اتفاق کے بغیر اسلامی طاقت قائم نہیں رہ سکتی۔

مصادر و مراجع: 1-ابن اثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 385، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 2-قاضی ابوبکر ابن العربی، العواصم من القواصم، ص 170، مطبوعہ دار الجیل، بیروت۔ 3-امام ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 15، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، بیروت۔ 4-شمس الدین ذہبی، تاریخ الاسلام، ج 3، ص 118، مطبوعہ دار الکتب، دمشق۔ 5-امام طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 5، ص 72، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔

سنہ 41ھ کے اہم واقعات

(محرم وصفر 41ھ: خلافتِ علیؓ کے بعد اضطراب اور اہلِ بیت کی مظلومیت)

تاریخِ اسلام کا سنہ 41ھ ایک فیصلہ کن دور ہے۔ خلافتِ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد امتِ مسلمہ ایک نئے باب میں داخل ہوئی۔ اس وقت سیاسی حالات نہایت پیچیدہ، قبائلی تعلقات کمزور، اور امت میں اضطراب کی کیفیت نمایاں تھی۔ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما خلافت کے منصب پر جلوہ افروز ہوئے، مگر حالات کی نزاکت اور بعض قبائل کی بے وفائی نے خلافت کے استحکام میں رکاوٹ ڈالی۔ یہ وہ دن تھے جنہیں مؤرخین

نے امت کے لیے آزمائش اور اہلِ بیت کے لیے مظلومیت سے تعبیر کیا ہے۔

خلافتِ علیؓ کے بعد امت کا اضطراب: حضرت علیؓ کی شہادت (رمضان 40ھ) کے بعد اہلِ کوفہ نے امام حسنؓ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا (تاریخ طبری، ج4، ص122، مطبع دار التراث، بیروت)۔ لیکن داخلی انتشار اس قدر بڑھ چکا تھا کہ امت ایک مستحکم مرکز پر جمع نہ ہو سکی۔ عراق، شام اور دیگر صوبوں کے درمیان بدگمانیوں نے جنگ کے اندیشے کو مزید بڑھا دیا۔ مؤرخ ابن اثیر لکھتے ہیں: **لما توفی علیّ رضی الله عنه بایع أهل العراق الحسن بن علیّ، و کان الناس مختلفین متحیّرین** (الکامل فی التاریخ، ج3، ص405، مطبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔ یعنی: جب حضرت علیؓ کا وصال ہوا تو اہلِ عراق نے امام حسنؓ کی بیعت کی، مگر لوگ اختلاف اور حیرانی میں مبتلا تھے۔ یہ عبارت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ خلافت کے ابتدائی ایام ہی سے انتشار کا سایہ گہرا تھا۔

امام حسنؓ پر دباؤ اور قبائل کی بے وفائیاں: امام حسنؓ کی خلافت کے ابتدائی دنوں میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ اہلِ کوفہ کے وہ قبائل جو پہلے حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، اب کمزور پڑ گئے۔ کچھ نے شام کی قوت سے خوف کھا کر بے وفائی کی اور کچھ نے دنیاوی مفادات کے لیے رخ بدل لیا۔ امام طبری نقل کرتے ہیں کہ امام حسنؓ نے ایک موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: **لقد غررتمونی کما غررتم من کان قبلی** (تاریخ طبری، ج4، ص124، دار التراث، بیروت)۔ یعنی: تم نے مجھے بھی دھوکے میں ڈالا، جیسے میرے سے پہلے والے (میرے والد علیؓ) کو دھوکہ دیا تھا۔ یہ الفاظ اس دباؤ اور بے وفائی

کی کھلی گواہی ہیں، جس کا سامنا امام حسنؓ کو اپنی خلافت کے آغاز میں ہی کرنا پڑا۔

مظلومیت: اہلِ بیت کے وفادار خوف میں: ان حالات میں اہلِ بیت کے وہ وفادار جو خلافتِ علیؓ کے بعد بھی امام حسنؓ کے ساتھ ڈٹے رہے، وہ سب سے زیادہ مظلوم ہوئے۔ ایک طرف شام کی بڑی طاقت کا خوف، دوسری طرف اپنے ہی قبائل کی بے وفائیاں، اور تیسری طرف داخلی سازشیں اور اختلافات، یہ سب اس دور کے مسلمانوں، خصوصاً اہلِ بیت کے جانثاروں پر ایک نفسیاتی و سیاسی دباؤ بن کر چھا گیا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: **فبایعه أهل العراق، ثم لم یثبتوا معه علی حال، بل کانوا یخذلونه کما خذلوا أباه من قبل** (البدایہ والنہایہ، ج8، ص15، مطبع دارالفکر، بیروت)۔ یعنی: اہلِ عراق نے امام حسنؓ کی بیعت کی، مگر پھر اُن کے ساتھ قائم نہ رہے، بلکہ جس طرح اُنہوں نے اُن کے والد (علیؓ) کو تنہا چھوڑا تھا، ویسے ہی اُنہیں بھی تنہا چھوڑ دیا۔ یہی وہ مظلومیت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ایک خلیفۂ برحق، مگر اپنی ہی رعایا کی بے وفائی اور سیاسی دباؤ کا شکار۔

خلاصہ و نتائج: 1- خلافتِ علیؓ کے بعد امت اضطراب اور اختلافات کا شکار ہوئی۔ 2- امام حسنؓ نے خلافت سنبھالی مگر اُن پر مسلسل دباؤ رہا اور وہ قبائلی بے وفائی سے دوچار ہوئے۔ 3- اہلِ بیت کے وفادار سخت خوف، دباؤ اور محرومی میں مبتلا ہوئے۔ 4- یہ دور اس حقیقت کا عکاس ہے کہ باطل قوتوں کے سامنے اہلِ حق کو ہمیشہ سے صبر، استقامت اور مظلومیت کا سامنا رہا۔

مصادر و مراجع: 1- تاریخ الطبری، محمد بن جریر الطبری، ج4، ص124-122، مطبع دار التراث، بیروت۔ 2- الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر الجزری، ج3، ص405، مطبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر الدمشقی، ج8، ص15، مطبع دار الفکر، بیروت۔ 4- انساب الاشراف، احمد بن یحییٰ البلاذری، ج3، ص42، مطبع دار المعارف، قاہرہ۔

سنہ 41ھ: ربیع الاول و ربیع الآخر کے واقعات

(صلح کی ابتدائی گفت و شنید اور اس کے اثرات)

سنہ 41ھ اسلامی تاریخ میں ایک عظیم موڑ ہے جسے سَنَۃُ الجَماعَۃ کہا گیا۔ اس سال کی ربیع الاول اور ربیع الآخر کے مہینوں میں حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح کے ابتدائی روابط اور گفت و شنید کا آغاز ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ امت مسلمہ مزید خونریزی اور خانہ جنگی سے محفوظ رہے۔ یہ مرحلہ اہلِ بیت اطہار کے لیے مظلومیت کے نئے ابواب بھی کھولنے والا تھا، کیونکہ خلافتِ علیؓ کے وفادار اصحاب اور عہدہ دار اس سیاسی تبدیلی کے نتیجہ میں شدید دباؤ اور محرومیوں کا شکار ہوئے۔

صلح کی ابتدائی گفتگو: حضرت علیؓ کی شہادت (40ھ) کے بعد امام حسنؓ کو بیعتِ خلافت حاصل ہوئی۔ اگرچہ عراق اور اہلِ کوفہ نے ان کی خلافت کو تسلیم کیا، لیکن

شام کے علاقے پہلے سے حضرت معاویہؓ کے زیرِ انتظام تھے۔ اسی بنا پر دونوں جانب لشکر تیار ہوئے۔ مگر امت کے مزید ٹکراؤ کو دیکھتے ہوئے، حضرت معاویہؓ کی طرف سے امام حسنؓ کو صلح کی پیشکش کی گئی۔ امام حسنؓ نے امت کی وحدت اور خونریزی کے خاتمہ کو مقدم جانتے ہوئے اس گفتگو کا مثبت جواب دیا۔ ابن الاثیر لکھتے ہیں: فَأَرْسَلَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْحَسَنِ فِي الْهُدْنَةِ وَالصُّلْحِ، وَكَانَ ذَلِكَ أَوَّلَ مَا كَانَ بَيْنَهُمَا (الکامل لابن الاثیر، ج3، ص405، بیروت: دار الکتب العلمیۃ)۔

علیؓ کے وفادار اصحاب کی معزولی: جب صلح کی گفتگو کا آغاز ہوا تو عملاً سیاسی فضا حضرت معاویہؓ کے حق میں ہموار ہونے لگی۔ اس کے نتیجہ میں حضرت علیؓ کے وفادار اصحاب اور کوفہ و بصرہ کے اہلِ بیت نواز عہدہ داروں کو ان کے مناصب سے معزول کیا جانے لگا۔ یہ معزولیاں محض انتظامی فیصلے نہ تھے بلکہ ایک طرح کی سیاسی انتقام کی شکل بھی رکھتے تھے، تاکہ علیؓ کے وفاداروں کو حکومتی عمل سے الگ کر کے نئی حکومت کے استحکام کو یقینی بنایا جا سکے۔ ان شخصیات پر نظر رکھی گئی اور بعض کو محدود دائرہ کار میں مقید کر دیا گیا۔

مظلومیت کا پہلو: اہلِ بیت کے وفاداروں کے لیے یہ صورتِ حال نہایت کربناک تھی۔ وہ جو کل تک خلافتِ علیؓ کے رکن اور عہدہ دار تھے، اب بے دخلی اور محرومی کے شکار ہو گئے۔ ان پر حکومتی دباؤ بڑھا، اور بعض مقامات پر معاشی تنگی اور سماجی تنہائی بھی ان کا مقدر بنی۔ یہ اہلِ بیت کی مظلومیت کا ایک منفرد باب ہے کہ ان کے

سب سے وفادار رفقا کو سیاسی محرومی اور نگرانی کے شکنجے میں کسا گیا۔

خلاصہ و نتائج: 1- ربیع الاول و ربیع الآخر 41ھ میں حضرت امام حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان صلح کی ابتدائی گفتگو ہوئی۔ 2- امام حسنؓ نے امت کی وحدت اور خونریزی کے خاتمہ کو ترجیح دیتے ہوئے اس بات چیت کو قبول فرمایا۔ 3- اس دوران حضرت علیؓ کے وفادار اصحاب اور اہلِ بیت نواز عہدہ داروں کو مناصب سے ہٹایا گیا اور ان پر سخت نگرانی رکھی گئی۔ 4- اہلِ بیت اور ان کے محبان کے لیے یہ دور سیاسی دباؤ، معاشی تنگی اور سماجی تنہائی کا دور ثابت ہوا۔

مصادر و مراجع: 1- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص405، بیروت: دار الکتب العلمیۃ۔ 2- الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص125، بیروت: دار التراث۔ 3- البلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص46، بیروت: دار الفکر۔

جمادی الاولی و جمادی الاخری 41ھ

(کوفہ و بصرہ میں اموی اثر کا غلبہ اور علوی وفاداروں کی محرومی)

خلافتِ علی رضی اللہ عنہ کے بعد اسلامی دنیا ایک نئے سیاسی دور میں داخل ہوئی۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت اگرچہ اہلِ عراق اور اہلِ کوفہ نے تسلیم کی تھی، لیکن شام کے نظم و نسق پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تسلط پہلے ہی قائم تھا۔ صلح کے امکانات کے ساتھ ساتھ حالات اس نہج پر پہنچ گئے کہ جمادی الاولی و جمادی الاخری

41ھ میں کوفہ و بصرہ جیسے اہم مراکز میں اموی اثر بڑھنے لگا اور وہاں کی گورنریاں براہِ راست اموی اختیار کے تابع ہونے لگیں۔ یہ تبدیلی محض انتظامی نہ تھی، بلکہ اس کے نتیجہ میں علوی وفادار اور حضرت علیؓ کے جانثار اصحاب منصب و معیشت سے محروم کر دیے گئے، جو اہلِ بیت کی مظلومیت کی ایک اور کڑی ہے۔

کوفہ و بصرہ: سیاسی منظرنامے کی تبدیلی: کوفہ اور بصرہ، دونوں شہر خلافتِ علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اہلِ بیت کے وفاداروں کا مضبوط مرکز تھے۔ یہی وجہ تھی کہ صلح کے حالات میں سب سے پہلے انہی مقامات پر اموی اثر کو بڑھانے کی تدابیر کی گئیں۔ البلاذری نے انساب الاشراف میں اس تبدیلی کی وضاحت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے: **فَصَارَ أَمْرُ الْكُوفَةِ وَالْبَصْرَةِ إِلَى عُمَّالِ مُعَاوِيَةَ، وَخَرَجَ أَصْحَابُ عَلِيٍّ مِمَّا كَانُوا عَلَيْهِ** (انساب الاشراف، البلاذری، ج3، ص46، بیروت: دار الفکر)۔ یعنی کوفہ اور بصرہ کے امور رفتہ رفتہ حضرت معاویہؓ کے گورنروں کے ہاتھوں میں منتقل ہوئے اور حضرت علیؓ کے اصحاب اپنے سابقہ مناصب اور ذمہ داریوں سے محروم ہو گئے۔

اہلِ بیت کے وفاداروں کی مظلومیت: یہ تبدیلی محض اقتدار کا تبادلہ نہ تھا، بلکہ اس کے اثرات براہِ راست اہلِ بیت کے جانثاروں پر پڑے: **سیاسی محرومی:** جو لوگ حضرت علیؓ کے زمانے میں گورنری یا اہم عہدوں پر فائز تھے، انہیں معزول کر دیا گیا۔ **معاشی تنگی:** منصب سے محرومی کے ساتھ ساتھ ان کے ذرائع معاش بھی متاثر ہوئے۔ **سماجی دباؤ:** اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ میں علوی وفاداروں کو نئے نظم و نسق میں شک و شبہ کی

نگاہ سے دیکھا جانے لگا اور ان پر نگرانی سخت کر دی گئی۔ یوں یہ مہینے اہلِ بیت کے محبان کے لیے سیاسی و سماجی مظلومیت کے آئینہ دار بن گئے۔

مظلومیت کا تاریخی تسلسل: ان واقعات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت کے وفادار اصحاب، صلح کے امکانات کے باوجود، ایک مسلسل سیاسی دباؤ اور مظلومیت کی فضا میں زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ ان کی وفاداری، جو دراصل حق وصداقت کی پاسداری تھی، ان کے لیے محرومی اور مصیبت کا سبب بن گئی۔

خلاصہ ونتائج: 1- جمادی الاولی و جمادی الاخری 41ھ میں کوفہ و بصرہ پر اموی اثر بڑھنے لگا اور وہاں کی گورنریاں اموی نظم کے تحت آ گئیں۔ 2- اس کے نتیجہ میں حضرت علیؓ کے اصحاب اور اہلِ بیت کے وفادار منصب ومعیشت سے محروم کر دیے گئے۔ 3- سیاسی محرومی کے ساتھ ساتھ انہیں معاشی اور سماجی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ 4- یہ واقعات اس حقیقت کی غمازی کرتے ہیں کہ اہلِ بیت کے محبان محض اپنی وابستگی کے سبب مظلومیت کی تاریخ رقم کر رہے تھے۔

مصادر ومراجع: 1- البلاذری، انساب الاشراف، ج 3، ص 46، بیروت: دار الفکر۔ 2- ابن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 124126، بیروت: دار التراث۔ 3- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 405، بیروت: دار الکتب العلمیۃ۔ 4- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 5، ص 320، بیروت: دار صادر۔

رجب وشعبان 41ھ: امام حسنؓ پر قاتلانہ حملے اور مظلومیت کے سنگین لمحات

اسلامی تاریخ میں اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی حیات مبارکہ قربانیوں، صبر، استقامت اور مظلومیت سے عبارت ہے۔ خلافتِ علیؓ کے بعد سنہ 41ھ کے رجب وشعبان ایسے نازک ایام ہیں جب حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس دشمنوں کی سازشوں کا ہدف بنی۔ ان ایام میں نہ صرف ان کے قتل کی متعدد کوششیں ہوئیں بلکہ ایک موقع پر ان پر خنجر سے حملہ کیا گیا اور بعد میں زہر دینے کی سازش بھی رچی گئی۔ یہ واقعات اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ امام حسنؓ نے امت کی وحدت کے لیے خلافت سے دستبرداری اختیار کی، مگر اس کے باوجود ان کی جان اور عزت محفوظ نہ رہی اور وہ اپنی ہی امت کے بعض عناصر کی بے وفائی اور سازشوں کا شکار بنے۔

مدائن میں خنجر زنی کا واقعہ: مورخین لکھتے ہیں کہ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مدائن کے مقام پر قیام پذیر تھے، تو ایک شخص نے ان پر خنجر سے حملہ کیا۔ تاریخ طبری میں ہے: ضَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَرَفِ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ بِمُدَائِنَ فَطَعَنَهُ، فَجُرِحَ وَأُدْخِلَ عَلَى سَعْدِ بْنِ مَسْعُودٍ وَهُوَ عَامِلُ عَلِيٍّ عَلَى الْمَدَائِنِ (تاریخ الطبری، ج4، ص125، بیروت: دار التراث)۔ اس حملے سے امام حسنؓ زخمی ہو گئے اور انہیں مدائن کے والی حضرت سعد بن مسعود کے ہاں پناہ دینی پڑی۔ یہ حادثہ اہلِ بیت کے

ساتھ پیش آنے والی کھلی مظلومیت کی ایک نمایاں مثال ہے۔

زہر دینے کی کوششیں: امام حسنؓ پر خنجر سے حملہ محض آغاز تھا۔ اس کے بعد ان کی جان لینے کے لیے زہر دینے کی سازشیں بھی رچائی گئیں۔ امام حسنؓ کے حالات بیان کرتے ہوئے ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں ذکر کیا ہے کہ ان کے خلاف بارہا زہر دینے کی کوشش کی گئی: كَانَ الْحَسَنُ قَدْ سُقِيَ السُّمَّ غَيْرَ مَرَّةٍ (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج5، ص321، بیروت: دار صادر)۔ یہ بیان واضح کرتا ہے کہ امام حسنؓ کی حیات مسلسل خطرات اور سازشوں کے نرغے میں رہی، اور یہ سب کچھ ان کے صبر و سکون کو تو نہ ڈگمگا سکا لیکن ان کی مظلومیت کو تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ کے لیے ثبت کر گیا۔

سیاسی دباؤ اور تنہائی: امام حسنؓ نے امت کی سلامتی کو اپنی ذاتی اور سیاسی خواہشات پر مقدم رکھتے ہوئے خلافت سے دستبرداری کا فیصلہ کیا۔ مگر اس کے باوجود نہ تو ان کے مخالفین نے انہیں چین سے جینے دیا اور نہ ہی بعض نام نہاد ساتھیوں نے وفاداری نبھائی۔ امام حسنؓ پر قاتلانہ حملے ہوئے۔ انہیں بار بار زہر دینے کی کوشش کی گئی۔ سیاسی دباؤ اور تنہائی نے ان کی مظلومیت کو دوچند کر دیا۔ یہ مظلومیت تاریخ کے اس سبق کو زندہ کرتی ہے کہ اہلِ بیت کی عظمت و قربانی کے باوجود دنیاوی اقتدار کی کشمکش نے ان کے دامن کو خونِ جگر کے دھبوں سے بھرا۔

خلاصہ و نتائج: 1- رجب و شعبان 41ھ میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر مدائن میں قاتلانہ حملہ ہوا جس سے وہ زخمی ہو گئے۔ 2- انہی مہینوں میں بار بار زہر

دینے کی سازشیں کی گئیں۔3-یہ واقعات اہلِ بیت کی مظلومیت کی نمایاں مثال ہیں کہ جنہوں نے امت کی وحدت کے لیے اپنے حقوق قربان کیے،مگر اپنی ہی امت کے بعض افراد کے ظلم و جبر کا شکار ہوئے۔4-امام حسنؓ کے صبر،عزم اور استقامت سے امت کو یہ سبق ملتا ہے کہ حقیقی قیادت دنیاوی اقتدار کی نہیں بلکہ دینی مصالح اور امت کی بقا کی حفاظت میں ہے۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 125، بیروت: دار التراث۔ 2-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 5، ص 321، بیروت: دار صادر۔ 3-البلاذری، انساب الاشراف، ج 3، ص 48، بیروت: دار الفکر۔4-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص406، بیروت: دارالکتب العلمیۃ۔

رمضان 41ھ: صلح امام حسنؓ اور خلافت سے دستبرداری

رمضان المبارک 41ھ اسلامی تاریخ کا ایک نہایت فیصلہ کن اور کٹھن دور ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد اہلِ کوفہ نے امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے خلافت پر بیعت کی۔لیکن مسلسل جنگ وجدال نے امت کو شدید ابتری میں مبتلا کر دیا تھا۔ایک طرف اہلِ شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں متحد تھے، اور دوسری طرف اہلِ عراق انتشار و کمزوری کا شکار تھے۔ایسے میں امام حسنؓ نے امت کے وسیع تر مفاد اور خون خرابہ کے خاتمہ کے لیے وہ عظیم قربانی دی جس کی مثال تاریخ

میں بہت کم ملتی ہے۔

صلح کے پس منظر: امام حسنؓ نے ابتدا میں خلافت کی ذمہ داری سنبھالی اور اہلِ کوفہ وعراق نے آپ سے بیعت کی۔لیکن جلد ہی یہ حقیقت نمایاں ہوگئی کہ: اہلِ عراق میں امام حسنؓ کی حمایت کمزور اور غیر مستحکم ہے۔ان کے کئی سردار، مال وزر کے لالچ یا ذاتی مفاد کی بنا پر دوغلی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔اہلِ شام ایک مضبوط نظم وضبط کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے پرچم تلے جمع تھے۔ان حالات میں امام حسنؓ نے اپنی بصیرت اور امت کے اتحاد کی خاطر صلح کی راہ اختیار کی تاکہ مزید خونریزی روکی جاسکے۔

صلح کی شرائط: معتبر تاریخی مآخذ میں امام حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان طے پانے والی چند اہم شرائط یوں بیان ہوئی ہیں: 1-**خلافت بوقتِ موجود حضرت معاویہؓ کے سپرد ہوگی، مگر ان کے بعد یہ دوبارہ اہلِ بیتؓ کو واپس دی جائے گی۔ 2-اہلِ عراق واہلِ حجاز کو امن دیا جائے گا اور ان کے جان ومال کی حفاظت کی ضمانت ہوگی۔ 3-حضرت علیؓ اور ان کے اہلِ بیت کو سبّ وشتم سے محفوظ رکھا جائے گا۔ 4-بیت المال اور اہلِ عراق کی امانتوں پر کوئی ناجائز تصرف نہ ہوگا۔** (الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، ج3،ص407؛ تاریخ الطبری، ج4،ص128)۔

مظلومیتِ امام حسنؓ: یہ صلح اپنی نوعیت میں امت کے لیے خیر وبرکت کا سبب بنی، مگر امام حسنؓ کی ذات کے لیے ایک مظلومیت کا باب تھی: **سیاسی دباؤ:** امام حسنؓ کو حالات نے اس صلح پر مجبور کردیا، حالانکہ آپ حق پر تھے اور خلافت اہلِ بیت کے پاس

تھی۔ **ساتھیوں کی بزدلی:** امام حسنؓ کے رفقاء اور کوفہ کے سردار اپنے امام کے ساتھ وفادار نہ رہے؛ بعض نے دھوکہ دیا، بعض نے لشکر چھوڑ دیا۔ **ذاتی جان کا خطرہ:** صلح کے ایام میں امام حسنؓ پر کئی بار جان لیوا حملے ہوئے، جن میں خنجر زنی اور زہر دینے کی کوششیں نمایاں ہیں۔ **روحانی کرب:** امام حسنؓ کی طبیعت پر یہ بات گراں گزری کہ خلافت، جو رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کے پاس تھی، محض امت کے اتحاد کی خاطر چھوڑ دی گئی۔ **صلح کے اثرات:** امام حسنؓ کی قربانی نے امت کو مزید خون خرابہ اور جنگ سے بچالیا۔ اسی بنیاد پر اس سال کو عام الجماعۃ کہا گیا، کیونکہ مسلمان ایک پرچم تلے جمع ہو گئے۔ یہ قربانی دراصل امام حسنؓ کی سیاسی بصیرت، دینی غیرت اور امت کے ساتھ خیر خواہی کا عظیم مظہر ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1- رمضان 41ھ میں امام حسن رضی اللہ عنہ نے امت کے اتحاد اور خون خرابہ کے خاتمہ کے لیے خلافت سے دستبرداری اختیار کی۔ 2- صلح کی شرائط نے اس وقت کے سیاسی نظم ونسق میں ایک معتدل راستہ فراہم کیا۔ 3- امام حسنؓ اس صلح کے نتیجہ میں مظلوم ثابت ہوئے، کیونکہ آپ کو اپنے حق سے محروم ہونا پڑا اور اپنے ہی ساتھیوں کی بزدلی وخیانت سہنی پڑی۔ 4- اس قربانی نے تاریخ اسلام میں یہ اصول متعین کر دیا کہ کبھی کبھی بڑے نقصان سے بچنے کے لیے وقتی طور پر اپنے حق سے دستبردار ہونا، ملت کے حق میں خیر وبرکت کا باعث بن جاتا ہے۔

مصادر ومراجع: 1- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 407، بیروت:

دارالکتب العلمیۃ۔2-ابن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4،ص130-128، بیروت: دار التراث۔3-البلاذری، انساب الاشراف، ج 3،ص 51-49، بیروت: دارالفکر۔4-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5،ص322، بیروت: دارصادر۔

شوال وذیقعدہ 41ھ

(حضرت معاویہؓ کی سیاسی گرفت اور علوی حامیوں کی محرومیت)

رمضان 41ھ میں امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح کے نتیجہ میں امت مسلمہ ایک پرچم تلے جمع ہوگئی، اور اسی وجہ سے اس سال کو تاریخ میں عام الجماعۃ کہا جاتا ہے۔ مگر صلح کے بعد کے مہینے، بالخصوص شوال وذیقعدہ، ایسے سیاسی تغیرات کے شاہد ہیں جن کے اثرات براہِ راست اہلِ بیت کے حامیوں پر مرتب ہوئے۔ یہ وہ ایام تھے جب حضرت معاویہؓ نے اپنے نظم ونسق کو مضبوط کرنے کے لیے عراق وحجاز پر اپنی سیاسی گرفت قائم کی اور مختلف مقامات پر گورنر مقرر کیے۔

سیاسی اقدامات: شوال اور ذیقعدہ میں حضرت معاویہؓ نے عراق، حجاز اور دیگر خطوں پر گورنری کے عہدے اپنے بااعتماد رفقاء کے سپرد کیے۔ فوجی و مالی انتظامات کو اپنے زیرِ اختیار کیا تاکہ کسی بغاوت کا امکان باقی نہ رہے۔ مرکزی نظم کو مضبوط کرنے کے لیے نئی انتظامی تقسیم کی بنیاد ڈالی۔ یہ اقدامات انتظامی نقطۂ نظر سے

ضروری تھے تاکہ جنگوں کے بعد پھیلی ہوئی بدنظمی اور شورشوں کو قابو میں رکھا جا سکے۔

اہلِ بیت کے حامیوں کی مظلومیت: تاہم ان سیاسی اقدامات کے دوران، حضرت علیؓ اور اہلِ بیت کے جانثار حامی ایک مظلوم گروہ کی حیثیت اختیار کر گئے۔ معتبر تاریخی مصادر اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ: علوی وفادار افراد کو سرکاری عہدوں سے محروم کر دیا گیا۔ کئی مقامات پر ان کی جائیدادیں ضبط کی گئیں یا ان پر سخت نگرانی رکھی گئی۔ کوفہ و بصرہ میں وہ لوگ جو حضرت علیؓ کے دور میں مختلف مناصب پر فائز تھے، اب یا تو معزول ہو گئے یا گوشہ نشینی پر مجبور ہوئے (البلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص49، بیروت: دارالفکر)۔ یہ محرومیاں دراصل اہلِ بیت کے وفادار طبقہ کے لیے ایک ایسا سیاسی و معاشی دباؤ تھیں جنہوں نے ان کی زندگی کو تنگ اور ان کے کردار کو محدود کر دیا۔

علمی و تاریخی تجزیہ: اہلِ بیت کے حامیوں پر یہ مظلومیت دو جہتوں سے نمایاں تھی: **1-سیاسی محرومی:** وہ افراد جو عدل و حق کے ساتھ حضرت علیؓ کے ساتھ کھڑے رہے، اب نئے نظم میں کسی منصب کے اہل نہ سمجھے گئے۔ **2-معاشی دباؤ:** جائیداد کی ضبطی اور روزگار کی محرومی نے ان کی معیشت کو کمزور کر دیا، جس نے اہلِ بیت کے حامیوں کے لیے مزید مشکلات پیدا کیں۔ یہ مظلومیت اگرچہ براہِ راست حضرت معاویہؓ کی سیاسی حکمتِ عملی کا حصہ تھی، تاہم اس کا اثر بنیادی طور پر اہلِ بیت کے ان وفاداروں پر پڑا جنہوں نے ماضی میں بڑی قربانیاں دی تھیں۔

خلاصہ و نتائج: 1-شوال و ذیقعدہ 41ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے

عراق وحجاز پر اپنی سیاسی گرفت کو مضبوط کیا اور گورنر مقرر کیے۔2-ان سیاسی اقدامات کے نتیجے میں اہلِ بیت کے وفادار حامی عہدوں سے محروم ہوئے اور انہیں جائیداد ضبطی و معاشی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ 3-یہ ایام اہلِ بیت کے حامیوں کے لیے ایک نئے دورِ مظلومیت کی ابتداء ثابت ہوئے۔4-تاریخ کا یہ باب اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ سیاسی نظم قائم کرنے کے نام پر کئی مخلص اور وفادار شخصیات کو ناانصافیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

مصادر ومراجع: 1-البلاذری، انساب الاشراف، ج 3،ص 49، بیروت: دار الفکر۔ 2-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3،ص 408، بیروت: دار الکتب العلمیۃ۔ 3-ابن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4،ص 130، بیروت: دار التراث۔4-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5،ص325، بیروت: دار صادر۔

ذوالحجہ 41ھ: سَنَۃُ الجماعَۃ اور اہلِ بیتؓ کی مظلومیت

اسلامی تاریخ کے اوراق میں سنہ 41ھ ایک نہایت اہم اور فیصلہ کن سال کے طور پر محفوظ ہے۔اسی سال امتِ مسلمہ ایک مرکزی قیادت پر مجتمع ہوئی اور حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کے ساتھ سیاسی انتشار کا ایک باب بظاہر اختتام پذیر ہوا۔یہی وجہ ہے کہ محدثین ومؤرخین نے اسے سَنَۃُ الجماعَۃ (اتفاق واجتماع کا سال) قرار دیا (تاریخ طبری، ج4،ص127؛ الکامل فی التاریخ، ج3،ص409)۔یہ اجتماع گو امت کی وحدت کا مظہر تھا،

مگر اس کے پسِ منظر میں اہلِ بیتِ اطہارؓ اور ان کے مخلصین کے لیے مظلومیت و محرومی کے کئی پہلو بھی کارفرما تھے، جنہیں نظر انداز کرنا تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہے۔

سیاسی و اجتماعی صورتِ حال: ذوالحجہ 41ھ میں امت کا جھگڑا ظاہری طور پر ختم ہوا، کیونکہ حضرت امام حسنؓ نے رمضان میں صلح کے ذریعے اقتدار حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دیا تھا (ابن اثیر، الکامل، ج3، ص407)۔ اس کے بعد ذوالحجہ تک اسلامی ریاست کے مختلف خطوں میں حضرت معاویہؓ کے گورنر مقرر ہوئے اور لوگوں نے بالاتفاق انہیں اپنا خلیفہ مان لیا۔ یوں امت ایک قیادت کے تحت مجتمع ہو گئی۔

مظلومیت کے پہلو: اگرچہ اس اجتماع کو اتحادِ امت کہا گیا، لیکن تاریخ کے معتبر مصادر میں اس بات کا ذکر بھی ملتا ہے کہ: **1- اہلِ بیتؓ کی سیاسی محرومی:** حضرت علیؓ کے خانوادے اور ان کے وفادار ساتھی اقتدار کے مناصب سے محروم ہو گئے۔ خلافت کا براہِ راست حق ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ عملی طور پر حاشیے پر ڈال دیے گئے (طبری، ج4، ص127)۔ **2- وفاداروں پر پابندیاں:** علوی فکر کے حامی کئی افراد کو سیاسی عہدوں سے ہٹایا گیا، بعض کی جائیدادیں ضبط کی گئیں اور بعض کو حکومتی منصب سے محروم کر کے عام رعایا کی صف میں کھڑا کر دیا گیا (انساب الاشراف، ج3، ص49)۔ **3- معاشرتی و نفسیاتی دباؤ:** عام مسلمانوں کے لیے اگرچہ خانہ جنگی کا خاتمہ باعثِ سکون تھا، لیکن اہلِ بیتؓ کے جانثاروں نے اس سمجھوتے کو بوجھل دل کے ساتھ قبول کیا۔ ان کے لیے یہ سیاسی و سماجی طور پر ایک کربناک مرحلہ تھا۔

خلاصہ ونتائج: 1-سَنَۃُ الجماعۃ اسلامی وحدت کی علامت ضرور بنی، مگر اس وحدت کی قیمت اہلِ بیتؓ اور ان کے وفاداروں کی سیاسی محرومی کی صورت میں سامنے آئی۔ 2-امام حسنؓ اور ان کے اہلِ بیتؓ نے امت کے خون خرابے کو روکنے کے لیے اپنی جائز حق تلفی برداشت کی، جو ان کی عظمت اور امت پر شفقت کا مظہر ہے۔ 3-اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ اہلِ بیتؓ نے اپنی مظلومیت کے باوجود امت کی بقا اور امن کو ترجیح دی، اور یہی رویہ امت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

مصادر ومراجع: 1-محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، دار التراث، بیروت، ج4، ص127۔ 2-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج3، ص409-407۔ 3-بلاذری، انساب الاشراف، دار الفکر، بیروت، ج3، ص449-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار الہجر، مصر، ج8، ص14۔

خلاصۂ مظلومیت: سنہ 41ھ کے حالات کا جامع جائزہ

اسلامی تاریخ کا سنہ 41ھ ایک نہایت نازک اور فیصلہ کن موڑ ہے۔ یہ وہ سال ہے جسے عام الجماعۃ کہا جاتا ہے، کیونکہ امتِ مسلمہ داخلی خانہ جنگی اور مسلسل خونریزی سے بچ گئی۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ سال اہلِ بیت اطہارؓ، ان کے وفاداروں اور عام مسلمانوں کے لیے مظلومیت، محرومی اور آزمائشوں کا سال بھی رہا۔ اس سال کے واقعات اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ امت کے اتحاد کے لیے امام حسن بن علی

رضی اللہ عنہ نے وہ عظیم قربانی دی جس کی مثال تاریخ میں کم ملتی ہے، لیکن اس قربانی کا بوجھ اہلِ بیت اور ان کے مخلص ساتھیوں کو اپنی جان و مال اور عزت و حیثیت کی قربانی کی صورت میں اٹھانا پڑا۔

1-امام حسن رضی اللہ عنہ کی مظلومیت: امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی شخصیت تاریخ اسلام کی ان درخشاں مگر مظلوم ترین ہستیوں میں سے ہے، جنہوں نے امت کے مفاد کے لیے اپنی خواہشات اور اپنے حق سے دستبرداری اختیار کی۔ **قتل کی سازشیں:** متعدد مرتبہ آپ پر قاتلانہ حملے ہوئے؛ مدائن میں خنجر زنی کا واقعہ تاریخ طبری اور دیگر مصادر میں محفوظ ہے۔ زہر دینے کا شبہ: بعد کے ایام میں امام حسنؓ کو زہر دیے جانے کا قوی شبہ پایا جاتا ہے، اگرچہ اس کی تفصیلات مختلف کتب میں مختلف انداز سے بیان ہوئی ہیں۔ **خلافت سے جبری دستبرداری:** آپ نے خلافت اسی وقت چھوڑنے کا فیصلہ کیا جب آپ نے محسوس کیا کہ اگر جنگ جاری رہی تو امت مزید خونریزی کا شکار ہوگی۔ یہ دستبرداری ایک دینی بصیرت اور بے مثال ایثار تھا، مگر اس کے ساتھ ہی یہ آپ کی مظلومیت کی علامت بھی ہے کہ آپ کو اپنے منصب سے محروم ہونا پڑا (تاریخ طبری، ج4، ص 125130؛ الکامل لابن الاثیر، ج3، ص405407؛ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج5، ص321324)۔

2-اہلِ بیت کے وفاداروں کی مظلومیت: امام حسنؓ کے بعد براہِ راست نشانہ ان کے وفادار اور علوی حامی بنے۔ **عہدوں سے برطرفی:** جو اصحاب حضرت علیؓ اور امام حسنؓ کے قریب تھے، انہیں مختلف گورنریوں اور مناصب سے ہٹا دیا گیا۔

معاشی پابندیاں: بعض کے اموال ضبط کیے گئے، بعض کو بیت المال سے محروم کیا گیا۔ **سماجی دباؤ:** ان پر مسلسل نظر رکھی گئی تا کہ وہ کسی نئی تحریک یا بغاوت کا حصہ نہ بن سکیں۔ یہ سب اہلِ بیت کے مخلص ساتھیوں کے لیے نہایت صبر آزما مظلومیت تھی (انساب الاشراف، بلاذری، ج3، ص4649؛ تاریخ طبری، ج4، ص130)۔

3-عام مسلمانوں کی مظلومیت: اگرچہ صلحِ حسنؓ نے امت کو جنگ سے نجات دی، لیکن عام مسلمانوں کے دل و دماغ پر داخلی خلفشار کا سایہ باقی رہا۔ **خانہ جنگی کا خوف:** کئی برسوں کی جنگ نے عوام میں خوف و ہراس پیدا کر دیا تھا۔ **سیاسی انتشار:** اہلِ عراق خصوصاً کوفہ و بصرہ کے عوام کو بار بار سیاسی وفاداری بدلنے پر مجبور ہونا پڑا۔ **نفسیاتی دباؤ:** امت کے افراد ایک طرف امام حسنؓ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے، اور دوسری طرف حکومت کے سیاسی دباؤ کے باعث خاموشی اختیار کرنے پر مجبور تھے۔ یہ کیفیت عوام کے لیے بھی ایک مظلومیت ہی تھی، کیونکہ وہ طاقت ور حلقوں کے فیصلوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 41ھ اہلِ بیت اور بالخصوص امام حسنؓ کے لیے مظلومیت کا سال ہے، جس میں انہوں نے امت کے اتحاد کی خاطر خلافت سے دستبرداری قبول کی۔ 2-اس مظلومیت کا دائرہ صرف امام حسنؓ تک محدود نہیں رہا، بلکہ اہلِ بیت کے وفادار ساتھی بھی عہدوں سے محرومی، جائیدادوں کی ضبطی اور سماجی دباؤ کا شکار ہوئے۔ 3-عام مسلمانوں کی مظلومیت یہ تھی کہ وہ خانہ جنگی کے خوف اور سیاسی

کشمکش کے درمیان پس کر رہ گئے۔ 4- یہ واقعات ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ امت کے اتحاد اور بڑے نقصان سے بچنے کے لیے کبھی کبھی مظلومیت اور صبر ہی سب سے بڑی قوت بن جاتی ہے۔

مصادر و مراجع: 1- ابن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 4، ص 125130، بیروت: دار التراث۔ 2- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 405407، بیروت: دار الکتب العلمیۃ۔ 3- البلاذری، انساب الاشراف، ج 3، ص 4649، بیروت: دار الفکر۔ 4- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 5، ص 321324، بیروت: دار صادر۔

سنہ 41ھ: صلح، اجتماعِ امت اور مظلومیتِ اہلِ بیتؓ

اسلامی تاریخ کا سنہ 41ھ ایک نہایت فیصلہ کن موڑ ہے۔ یہ سال امتِ مسلمہ کے لیے بیک وقت امن و اجتماع اور محرومی و مظلومیت کا سال تھا۔ مؤرخین نے اسے سَنَۃُ الجماعۃ (اتفاق کا سال) کہا، کیونکہ اسی سال خانہ جنگی اور افتراق کی فضا کے بعد امت ایک مرکزی قیادت پر جمع ہوگئی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اہلِ بیتِ اطہارؓ اور ان کے مخلصین کے لیے یہ سال سیاسی محرومی اور سخت مظلومیت کا عہد بھی ثابت ہوا۔

محرم 41ھ: واقعات حضرت امام حسنؓ کو اپنے والد حضرت علیؓ کی شہادت 40)ھ) کے بعد خلافت ملی۔ عراق، حجاز اور بعض دیگر خطوں کے لوگ ان کے ہاتھ پر

بیعت ہوئے۔ دوسری طرف شام کے باشندوں نے حضرت معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کیا۔

مظلومیت: اہلِ بیتؓ کے مرکزِ خلافت کو مسلسل سیاسی دباؤ اور عسکری محاذ آرائی کا سامنا رہا۔ عوام خوف و اضطراب میں مبتلا رہے اور خانہ جنگی کی فضا گہری ہوتی گئی (تاریخ طبری، ج4، ص122؛ الکامل لابن الاثیر، ج3، ص401)۔

رجب وشعبان 41ھ: واقعات: دونوں طرف کے لشکروں کی تیاری بڑھتی رہی۔ بعض سازشوں اور خفیہ خط و کتابت نے امام حسنؓ کی پوزیشن کو کمزور کیا۔

مظلومیت: امام حسنؓ کو اپنی ہی جماعت کے بعض لوگوں کی بے وفائی اور سازشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اہلِ بیتؓ کی وفادار جماعت اندرونی طور پر خوف و دھوکہ دہی کا شکار رہی (البدایہ والنہایہ، ج8، ص11؛ انساب الاشراف، ج3، ص46)۔

رمضان 41ھ صلح حسن ومعاویہؓ: واقعات: شدید حالات اور امت کے خون خرابے سے بچانے کے لیے حضرت امام حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری اختیار کی۔ شرائطِ صلح طے ہوئیں کہ حضرت معاویہؓ زندگی بھر خلافت دی جائے گی، اور ان کے بعد فیصلہ امت کی مجلس کرے گی۔ **مظلومیت:** امام حسنؓ کو خلافت چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ اہلِ بیتؓ کو اقتدار سے الگ کر دیا گیا۔ ان کے وفاداروں نے دھوکہ دہی اور بزدلی کا زخم برداشت کیا (الکامل لابن الاثیر، ج3، ص407؛ تاریخ طبری، ج4، ص126)۔

شوال وذیقعدہ 41ھ: واقعات: حضرت معاویہؓ نے عراق وحجاز سمیت تمام علاقوں پر اپنی سیاسی گرفت مضبوط کی۔ نئے گورنر مقرر کیے گئے اور نظامِ حکومت کو مرکز

سے کنٹرول کیا گیا۔ **مظلومیت:** اہلِ بیت کے وفادار ساتھیوں کو عہدوں سے ہٹا دیا گیا۔ بعض کی جائیدادیں ضبط ہوئیں اور معاشی تنگی پیدا کی گئی۔ علوی فکر رکھنے والوں کو حاشیے پر ڈال دیا گیا (انساب الاشراف، ج3، ص49؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص13)۔

ذوالحجہ 41ھ سَنَۃُ الجماعۃ: واقعات: امت نے حضرت معاویہؓ پر اجتماع کیا۔ مختلف خطوں نے باضابطہ بیعت کی۔ مؤرخین نے اس سال کو سَنَۃُ الجماعۃ کا لقب دیا۔ **مظلومیت:** اہلِ بیتِ اطہارؓ اور ان کے جانثار عملی سیاست سے ہٹ گئے۔ ان کے سیاسی و معاشرتی اثرات محدود کر دیے گئے۔ ان کی مظلومیت یہ تھی کہ امت کی وحدت کے لیے اپنی حق تلفی برداشت کی (تاریخ طبری، ج4، ص127؛ الکامل، ج3، ص409)۔

خلاصۂ مظلومیت: 1- امام حسنؓ: قتل کی سازشوں اور زہر دینے کے شبہات کا سامنا کیا۔ خلافت سے جبری دستبرداری قبول کی۔ **2- اہلِ بیت کے وفادار:** عہدوں اور مناصب سے برطرفی۔ معاشی پابندیوں اور جائیداد ضبطی کا شکار۔ سماجی طور پر دباؤ اور حاشیہ نشینی پر مجبور۔ **3- عام مسلمان:** خانہ جنگی کے خوف اور سیاسی انتشار میں پس کر رہ گئے۔ اگرچہ امن نصیب ہوا، مگر اس کے پیچھے اہلِ بیتؓ کی قربانی کارفرما تھی۔

نتائج: سنہ 41ھ امت کے اجتماع کا سال ضرور کہلایا، مگر اس اجتماع کی قیمت اہلِ بیت کی مظلومیت اور محرومی کی صورت میں ادا کی گئی۔ امام حسنؓ نے امت کے خون خرابے کو روکنے کے لیے اپنی جائز حق تلفی برداشت کی، جو ان کی عظمت اور امت پر شفقت کی علامت ہے۔ اہلِ بیتؓ نے امت کی وحدت کے لیے صبر و قربانی

کی ایسی مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک مشعلِ راہ ہے۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، دار التراث، بیروت، ج4، ص127-122۔ 2-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج3، ص409-401۔ 3-بلاذری، انساب الاشراف، دار الفکر، بیروت، ج3، ص49-46۔ 4-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار الہجر، مصر، ج8، ص14-11۔

محرم وصفر اسلامی سنہ 42ھ کے اہم واقعات
(سیاسی حالات کی تشکیل)

سنہ 42ھ کا آغاز ایسے وقت میں ہوا جب اسلامی سلطنت کا دائرہ عرب سے بڑھ کر افریقہ، شام، عراق، فارس اور ماوراء النہر تک پھیل چکا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، جنہیں 41ھ میں صلحِ حسن کے بعد امت نے خلیفہ کے طور پر قبول کیا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سلطنت کو مضبوط بنانے کے لیے مختلف انتظامی اقدامات شروع کیے۔ محرم وصفر 42ھ میں سب سے نمایاں پہلو یہ تھا کہ شام میں اپنی پوزیشن کو مضبوط کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عراق اور حجاز پر بھی اپنی انتظامی گرفت سخت کر دی۔ اہلِ عراق بالخصوص کوفہ اور بصرہ کے حالات چونکہ ہمیشہ سے سیاسی تغیرات اور فکری کشمکش کے مرکز رہے تھے، اس لیے یہاں خاص طور پر نظر رکھی گئی۔ اہلِ بیتِ نبویؐ کے ساتھ گہری وابستگی رکھنے والے قبائل اور شخصیات کو نہ

صرف حکومتی مناصب سے محروم کیا گیا بلکہ ان پر خفیہ نگرانی بھی شروع کی گئی۔ کوفہ و بصرہ کی فضا میں ایک سیاسی دباؤ محسوس ہونے لگا اور عوام کو یہ احساس دلایا جانے لگا کہ حکومت کی مرضی کے خلاف کوئی آواز اٹھانا آسان نہیں (تاریخ طبری، ج4، ص132، دار التراث، بیروت؛ الکامل لابن الاثیر، ج3، ص412، دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔

مظلومیت: اس دور کے حالات میں سب سے زیادہ متاثر وہ طبقہ تھا جو اہلِ بیتِ اطہارؑ کے ساتھ محبت اور وفاداری رکھتا تھا۔ ان پر نگرانی کے جال تنگ کر دیے گئے، اور مختلف خطوں کے گورنروں کو تاکید کی گئی کہ علوی حامیوں کو مناصب اور ذمہ داریاں نہ دی جائیں۔ یہ دراصل ایک سیاسی حکمتِ عملی تھی جس کا مقصد خلافت کے استحکام کو یقینی بنانا تھا، لیکن اس کے نتیجے میں عام مسلمانوں پر بھی ایک ایسا دباؤ قائم ہوا جو ان کی مذہبی و فکری آزادی پر اثر انداز ہوا۔ خاص طور پر کوفہ کے عوام، جن کے دل اہلِ بیتؑ کی محبت سے لبریز تھے، ایک داخلی اضطراب میں مبتلا رہے۔ اس پس منظر میں اہلِ بیتِ اطہارؑ اور ان کے وفاداروں کو جو تکالیف اور محرومیتیں سہنی پڑیں، وہ اسلامی تاریخ میں مظلومیت کے ایک نئے باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ مظلومیت محض شخصی یا خاندانی نہ تھی، بلکہ اس نے پورے معاشرے کی سیاسی فضا پر اثر ڈالا (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص43، دار صادر، بیروت؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص148، دار المعارف، قاہرہ)۔

خلاصہ و نتائج: 1- سنہ 42ھ کے آغاز میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سلطنت کو مضبوط کرنے کے لیے عراق و حجاز پر خصوصی توجہ دی۔ 2- اہلِ بیت کے

وفاداروں کو مناصب سے محروم کرنا اور ان پر خفیہ نگرانی قائم کرنا اس دور کی نمایاں سیاسی حکمتِ عملی تھی۔ 3-اس کے نتیجے میں ایک سیاسی دباؤ اور خوف کی فضا پیدا ہوئی، جس نے اہلِ عراق خصوصاً کوفہ و بصرہ کے عوام کو مظلومیت اور محرومی سے دوچار کیا۔ 4-یہ واقعات امتِ مسلمہ کی سیاسی تاریخ میں اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ قوت و اقتدار کے حصول کی جدوجہد میں بعض طبقات کو قربانیاں اور محرومیاں برداشت کرنی پڑیں۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص132، دار التراث، بیروت۔ 2-ابن الاثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج3، ص412، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 3-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص43، دار صادر، بیروت۔ 4-احمد بن یحیی البلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص148، دار المعارف، قاہرہ۔

ربیع الاول و ربیع الآخر 42ھ

(انتظامی تبدیلیاں اور مظلومیت کے اثرات)

ربیع الاول و ربیع الآخر 42ھ کے ایام میں اسلامی سلطنت کے سیاسی و انتظامی نقشے میں ایک نمایاں تبدیلی یہ واقع ہوئی کہ عراق کے دو بڑے مراکز، کوفہ اور بصرہ میں نئے گورنر مقرر کیے گئے۔ یہ گورنر مکمل طور پر اموی خلافت کے وفادار اور پالیسیوں پر عمل درآمد کرنے والے تھے۔ ان کی تقرری کا مقصد یہ تھا کہ کسی بھی طرح

علوی اثرات دوبارہ نہ پنپ سکیں اور انتظامی ڈھانچہ مکمل طور پر حکومت کے کنٹرول میں رہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں جو عاملین، قاضی اور ذمہ داران عدل و انصاف اور دیانت کے ساتھ خدمات انجام دے رہے تھے، انہیں یکے بعد دیگرے معزول کر دیا گیا۔ ان کے بدلے ایسے افراد لائے گئے جو نہ صرف اموی سیاست کے ترجمان تھے بلکہ ہر پہلو سے مرکزِ خلافت کی پالیسیوں کے پابند رہنے والے تھے۔ یہ تبدیلیاں بظاہر انتظامی نوعیت کی تھیں لیکن درحقیقت ان کا اثر عوام الناس کی زندگی اور بالخصوص اہلِ بیت کے جانثاروں پر بہت گہرا پڑا (انساب الاشراف، ج3، ص52، دار المعارف، قاہرہ؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص325، دار صادر، بیروت)۔

مظلومیت: ان انتظامی تبدیلیوں کے نتیجے میں اہلِ بیت کے وفاداروں اور علوی جانثاروں کے لیے ایک نئی آزمائش کا آغاز ہوا۔ جو افراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مناصب پر فائز تھے، انہیں صرف معزول ہی نہیں کیا گیا بلکہ ان کے خاندانوں کو بھی معاشی مشکلات میں مبتلا کر دیا گیا۔ مناصب سے برطرفی نے انہیں سماجی اور مالی حیثیت سے کمزور کر دیا، اور ان کے لیے باعزت روزگار کے راستے محدود کر دیے گئے۔ یہ صرف انفرادی محرومیت نہ تھی، بلکہ پورے کے پورے گھرانے اس کا شکار ہوئے۔ اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ کے عام افراد بھی اس سیاسی دباؤ سے محفوظ نہ رہ سکے۔ عدم تحفظ اور خوف کی فضا نے ان کی زندگیوں کو گھیر لیا۔ زبان کھولنے کی جرات کم ہوگئی اور دلوں میں اہلِ بیت کی محبت رکھنے کے باوجود عوام اپنے جذبات کو

چھپانے پر مجبور ہو گئے۔ یوں سنہ 42ھ کا یہ مرحلہ اسلامی معاشرے کے لیے مظلومیت اور محرومی کے ایک اور باب کا اضافہ تھا، جس میں اہلِ بیتؓ کے جانثار اپنی وفاداری کی قیمت معاشی تنگی اور سماجی دباؤ کی صورت میں ادا کر رہے تھے (تاریخ طبری، ج4، ص144، دار التراث، بیروت؛ البلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص52، دار المعارف، قاہرہ)۔

خلاصہ و نتائج: 1- ربیع الاول و ربیع الآخر 42ھ میں کوفہ و بصرہ کے گورنروں کی تبدیلی نے سیاسی حالات کو یکسر بدل دیا۔ 2- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے کے عاملین اور قاضیوں کو معزول کر کے اہلِ بیت کے حامی طبقات کو انتظامیہ سے دور کر دیا گیا۔ 3- اس اقدام کے نتیجے میں علوی جانثار نہ صرف مناصب سے محروم ہوئے بلکہ ان کے اہلِ خانہ معاشی مشکلات اور سماجی دباؤ کا شکار ہو گئے۔ 4- کوفہ و بصرہ کے عام شہری بھی عدم تحفظ کی فضا میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے، جس سے ایک عمومی اضطراب اور خوف پھیل گیا۔ 5- یہ واقعات اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ سیاسی استحکام کی کوششوں میں بعض طبقات کو قربانیاں دینا پڑیں اور ان کی مظلومیت تاریخِ اسلام کے اوراق میں محفوظ ہو گئی۔

مصادر و مراجع: 1- احمد بن یحیی البلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص52، دار المعارف، قاہرہ۔ 2- محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص325، دار صادر، بیروت۔ 3- محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص144، دار التراث، بیروت۔ 4- ابن الاثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج3، ص418، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

جمادی الاولی و جمادی الاخری 42ھ

(فوجی سرگرمیاں اور اہلِ عراق کی مظلومیت)

جمادی الاولی و جمادی الاخری 42ھ میں خلافتِ اموی کے زیرِ سایہ اسلامی افواج کی سرگرمیاں خاص طور پر دو محاذوں پر نمایاں رہیں: 1-شمالی افریقہ اور روم کی سرحد پر لشکر کشی اس زمانے میں اسلامی فتوحات کا دائرہ مغرب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شمالی افریقہ کے ساحلی علاقوں اور روم کی سرحدوں پر باقاعدہ لشکر روانہ کیے گئے۔ ان لشکروں کی قیادت میں زیادہ تر اہلِ شام شامل تھے، کیونکہ وہ خلافت کے مرکز یعنی دمشق کے قریب رہتے تھے اور اموی خلافت کی پالیسیوں پر زیادہ اعتماد رکھتے تھے۔ ان مہمات نے اسلامی سلطنت کے حدود کو مزید وسیع کیا اور روم کی طرف سے خطرات کو کافی حد تک کم کیا۔

2-مصر کی مقامی بغاوتوں کا خاتمہ: اسی سال مصر میں بعض مقامی عناصر نے حکومت کے خلاف بغاوت کی کوشش کی۔ یہ بغاوت زیادہ بڑی نہ تھی لیکن انتظامی طور پر خلافت کے لیے تشویش کا باعث بنی۔ حکومت نے سخت اقدامات کے ذریعے ان بغاوتوں کو دبا دیا اور اس طرح مصر میں امن و امان کو بحال کر لیا (تاریخ طبری، ج4، ص134، دار التراث، بیروت؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص16، دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔

مظلومیت: ان فوجی سرگرمیوں کے دوران ایک اہم اور افسوسناک پہلو یہ بھی

سامنے آیا کہ خلافت کی طرف سے اہلِ شام کی افواج کو مسلسل فوقیت دی گئی۔ بڑے لشکروں کی قیادت اور انعامات زیادہ تر اہلِ شام کے حصے میں آئے، جب کہ اہلِ عراق کی فوجی قوت کو نظر انداز کیا گیا۔ یہ پالیسی بظاہر انتظامی تھی لیکن اس کے پیچھے سیاسی حکمتِ عملی کارفرما تھی: اہلِ عراق چونکہ زیادہ تر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے تھے اور ان کے دلوں میں اہلِ بیت کی محبت زیادہ گہری تھی، اس لیے انہیں بڑی فتوحات میں شامل نہ کرنا دراصل ایک تدبیر تھی تاکہ علوی حامی قبیلوں کو طاقت نہ ملے۔ اس کے نتیجے میں اہلِ عراق معاشی اور عسکری دونوں میدانوں میں کمزور ہونے لگے۔ جنگی غنائم اور فتوحات کے انعامات سے محرومی نے ان کے قبیلوں کو غربت اور پس ماندگی کی طرف دھکیل دیا۔ دوسری طرف اہلِ شام کو مسلسل طاقت اور اثر و رسوخ ملا، جس نے مستقبل کی سیاست پر بھی گہرا اثر ڈالا۔ یوں یہ دور اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ سیاسی ترجیحات نے امت کے بعض طبقات کو مظلوم بنا دیا، حالانکہ وہ اسلام کے لیے بے شمار قربانیاں دینے والے تھے (تاریخ طبری، ج4، ص134؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص16؛ انساب الاشراف، ج3، ص158)۔

خلاصہ و نتائج: 1- جمادی الاولی و جمادی الاخری 42ھ میں اسلامی لشکر شمالی افریقہ اور روم کی سرحدوں پر روانہ کیے گئے اور مصر کی بعض مقامی بغاوتوں کو کچل دیا گیا۔ 2- ان مہمات میں اہلِ شام کو فوقیت دی گئی اور اہم ذمہ داریاں انہی کے سپرد کی گئیں۔ 3- اہلِ عراق کی افواج کو نظر انداز کیا گیا، تاکہ علوی حامی قبائل کی عسکری و

معاشی حیثیت کمزور رہے۔4-اس پالیسی کے نتیجے میں اہلِ عراق غربت اور عسکری پسماندگی کا شکار ہوئے، جب کہ اہلِ شام کو مزید تقویت ملی۔5-یہ واقعات اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ سیاسی وعسکری حکمتِ عملی کے نتیجے میں امت کے بعض طبقات مظلومیت اور محرومی کی تاریخ رقم کر گئے۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص134، دار التراث، بیروت۔2-ابن کثیر الدمشقی، البدایہ والنہایہ، ج8،ص16، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔3-احمد بن یحیی البلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص158، دار المعارف، قاہرہ۔4-ابن الاثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج3، ص420، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

رجب وشعبان 42ھ: داخلی سیاست اور اہلِ بیت کی مظلومیت

سنہ 42ھ کے رجب وشعبان کے مہینے داخلی سیاست کے اعتبار سے نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔اس دور میں بالخصوص مدینہ منورہ پر توجہ مرکوز کی گئی، کیونکہ یہ وہ مقدس بستی تھی جہاں اہلِ بیت اطہارؓ رہائش پذیر تھے اور جہاں کے مسلمان دلوں میں ان سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔خلافتِ وقت کی پالیسی یہ تھی کہ اہلِ بیتؓ کی حرکات وسکنات پر مسلسل نظر رکھی جائے تاکہ ان کے گرد اجتماع یا سیاسی قوت منظّم نہ ہو سکے۔ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بار بار یہ پیشکش کی گئی کہ وہ مدینہ چھوڑ کر شام آ جائیں

اور خلافت کے قریب رہیں، لیکن آپؓ نے بڑی حکمت و بصیرت سے انکار کیا اور مدینہ ہی میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی۔ یہ طرزِ عمل دراصل آپؓ کی عزیمت واستقلال کی دلیل تھا، کیونکہ آپؓ امت کی وحدت کو ٹکرانے کے بجائے صبر وسکون کے ساتھ دین کی خدمت اور امت کی اصلاح کو ترجیح دیتے تھے (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص326، دار صادر، بیروت؛ البلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص54، دار المعارف، قاہرہ)۔

مظلومیت: اہلِ بیتؓ پر سخت نگرانی کی اس پالیسی نے عملی طور پر ان کے قریبی رفقاء اور اصحاب کو بھی متاثر کیا۔ امام حسنؓ کے قریب رہنے والے کئی جانثار یا تو مختلف حیلوں سے گرفتار کیے گئے یا پھر انہیں عہدوں اور ذمہ داریوں سے معزول کر دیا گیا، تاکہ امام حسنؓ کو سماجی و سیاسی طور پر تنہا کر دیا جائے۔ اسی پس منظر میں مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ اسی سال امام حسنؓ کے خلاف ایک قاتلانہ سازش کی افواہیں پھیلیں، اور بعض روایات میں زہر دینے کا تذکرہ بھی منسوب کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ واقعات اختلافی اور روایات میں مختلف ہیں، تاہم یہ بات مسلم ہے کہ اس دور میں امام حسنؓ پر شدید دباؤ ڈالا گیا اور ان کی شخصیت کو محدود کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ یہ صورتحال اہلِ بیت کے لیے نہ صرف سیاسی تنہائی کا باعث بنی بلکہ ان کے چاہنے والے عام مسلمانوں کے لیے بھی سخت آزمایش کا سبب تھی۔ وہ اپنی عقیدت کے باوجود کھل کر اظہار کرنے سے محروم تھے، اور خوف و جبر کی فضا نے ان کی زبانوں کو خاموش کر دیا تھا (تاریخ طبری، ج4، ص146، دار التراث، بیروت؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص423، دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔

خلاصہ و نتائج: 1-رجب و شعبان 42ھ میں مدینہ منورہ اہلِ بیتؓ پر کڑی نگرانی کا مرکز بنا رہا۔ 2-امام حسن رضی اللہ عنہ کو شام جانے کی دعوت بار بار دی گئی لیکن آپؓ نے اسے قبول نہ کیا اور صبر و عزیمت کے ساتھ مدینہ میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ 3-امام حسنؓ پر قاتلانہ حملے کی سازش اور زہر دینے کی افواہیں اسی سال کی روایات میں ملتی ہیں، جو آپؓ کی مظلومیت کی گواہ ہیں۔ 4-امام حسنؓ کے قریبی اصحاب کو گرفتار یا معزول کیا گیا، تاکہ آپ کو سیاسی اور سماجی طور پر تنہا کر دیا جائے۔ 5-یہ واقعات اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ اہلِ بیت اطہارؓ نے امت کے اتحاد اور دین کی بقا کے لیے صبر کی وہ داستانیں رقم کیں جو قیامت تک مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص326، دار صادر، بیروت۔ 2-احمد بن یحیی البلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص54، دار المعارف، قاہرہ۔ 3-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص146، دار التراث، بیروت۔ 4-ابن الاثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج3، ص423، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

رمضان المبارک 42ھ

(حکومتی اقدامات اور اہلِ بیت کے وفاداروں کی محرومی)

رمضان المبارک 42ھ کا زمانہ خلافتِ اسلامی کی تاریخ میں ایک نئے باب

کا آغاز ثابت ہوا۔ اس مہینے میں خاص طور پر شام وعراق کی مالیاتی پالیسی پر نظر رکھی گئی، اور مالی اصلاحات کے نام پر ایسے اقدامات کیے گئے جن کے اثرات براہِ راست اہلِ بیت اطہارؓ کے حامیوں اور وفاداروں پر پڑے۔ بیت المال، جو اسلامی ریاست کا سب سے اہم ادارہ تھا اور جس کے قیام کا مقصد امتِ مسلمہ کے سب طبقات تک عدل ومساوات کے ساتھ وسائل پہنچانا تھا، اس دور میں زیادہ تر شام کو ترجیح دینے لگا۔ وہاں کے قبائل اور فوجی دستے جو حکومتی پالیسیوں کے بڑے حامی تھے، ان کے وظائف اور عطیات بڑھا دیے گئے، جبکہ دیگر علاقوں خصوصاً عراق کے بعض طبقات کو نظر انداز کیا جانے لگا۔ یہ طرزِ عمل اگرچہ بظاہر مالی اصلاحات کے طور پر ظاہر کیا گیا، لیکن حقیقت میں اس کا مقصد سیاسی استحکام کو شام کے ساتھ مربوط کرنا اور خلافت کو اس خطے کے قبائل کے ساتھ مزید مضبوطی سے جوڑنا تھا (ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص414، دار الکتب العلمیہ، بیروت؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص17، دار الفکر، بیروت)۔

مظلومیت: ان اقدامات کا سب سے زیادہ نقصان اہلِ بیتؓ کے وفاداروں اور جانثاروں کو اٹھانا پڑا۔ جن خاندانوں کے وظائف بیت المال سے جاری تھے، انہیں اچانک روک دیا گیا۔ بہت سے ایسے افراد جو اہلِ بیتؓ کے قریب سمجھے جاتے تھے یا ان کی حمایت کا شائبہ رکھتے تھے، ان کے مالی حقوق منقطع کر دیے گئے۔ اس فیصلے نے کئی خانوادوں کو سخت غربت اور محتاجی میں مبتلا کر دیا۔ وہ گھرانے جو پہلے اسلامی ریاست کے عدل و انصاف پر مطمئن تھے، اب محرومی اور تنگ دستی کا شکار

ہو گئے۔ اہلِ بیتؓ کے ماننے والوں کو معاشی دباؤ میں لا کر سیاسی طور پر کمزور کرنے کی یہ پالیسی دراصل ان کے قلوب کو شکست دینے کی ایک کوشش تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اہلِ بیت اطہارؓ نے خود تو زہد و قناعت کی زندگی اختیار کی، مگر ان کے وفاداروں کی مالی مشکلات تاریخ میں اہلِ بیتؓ کی مظلومیت کا ایک نمایاں باب ہے۔ ان کے چاہنے والے غربت کے اندھیروں میں ڈوب گئے لیکن اپنی عقیدت اور محبت میں کبھی متزلزل نہ ہوئے (الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص147، دار التراث، بیروت؛ البلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص55، دار المعارف، قاہرہ)۔

خلاصہ و نتائج: 1- رمضان المبارک 42ھ میں خلافت کی مالی پالیسیوں میں نمایاں تبدیلیاں کی گئیں۔ 2- بیت المال کے وسائل کا جھکاؤ شام کی طرف کر دیا گیا، جس سے وہاں کے قبائل اور فوجی طبقات کو مضبوط کیا گیا۔ 3- اہلِ بیت کے وفاداروں کے وظائف بند کر دیے گئے، اور کئی خاندان سخت غربت اور تنگ دستی کا شکار ہوئے۔ 4- یہ اقدام صرف مالی نوعیت کا نہ تھا بلکہ اس کے پس منظر میں سیاسی حکمتِ عملی کارفرما تھی، تاکہ اہلِ بیتؓ کے اثر و رسوخ کو کمزور کیا جائے۔ 5- ان واقعات نے واضح کر دیا کہ اہلِ بیت اطہارؓ اور ان کے جانثار، تاریخِ اسلام میں مظلومیت اور صبر و عزیمت کے وہ مینار ہیں جن سے امت ہمیشہ روشنی حاصل کرتی رہے گی۔

مصادر و مراجع: 1- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص414، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 2- ابن کثیر الدمشقی، البدایہ والنہایہ، ج8، ص17، دار الفکر،

بیروت۔ 3-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4،ص147، دار التراث، بیروت۔4-احمد بن یحیی البلاذری،انساب الاشراف،ج3،ص55،دارالمعارف،قاہرہ۔

شوال وذوالقعدہ 42ھ

(سیاسی گرفت کی مضبوطی اور اہلِ بیتؓ کے حامیوں کی مظلومیت)

سنہ 42ھ کے مہینے شوال وذوالقعدہ میں خلافتِ اموی کے استحکام کے لیے نہایت اہم اقدامات دیکھنے میں آئے۔حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے گورنروں اور عاملین کو واضح ہدایات دیں کہ عراق اور حجاز میں ایسے تمام افراد پر کڑی نظر رکھی جائے جو اہلِ بیتِ اطہارؓ کی حمایت میں کھڑے ہو سکتے تھے یا جن سے دوبارہ حضرت علیؓ کے نام پر کسی سیاسی تحریک کے اٹھنے کا اندیشہ ہو۔اسی پالیسی کے تحت اہلِ کوفہ کے چند بااثر اور معتبر اشخاص کو شام طلب کیا گیا۔ان افراد کو بظاہر عزت واکرام کے ساتھ بلایا گیا،مگر حقیقت میں انہیں وہاں نظر بند رکھا گیا تاکہ وہ اپنے علاقے میں کسی بھی طرح کی سیاسی یا سماجی تحریک برپا نہ کرسکیں۔یہ اقدام دراصل ایک سیاسی دباؤ کی شکل تھی جس کے ذریعے حکومت نے یہ پیغام دینا چاہا کہ علیؓ کے نام پر کسی نئی جدوجہد کی اجازت نہیں دی جائے گی (البلاذری،انساب الاشراف،ج3،ص56،دارالمعارف،قاہرہ؛الطبری، تاریخ الامم والملوک،ج4،ص136،دارالتراث،بیروت)۔

مظلومیت: ان سیاسی اقدامات کا سب سے بڑا بوجھ اہلِ بیت اطہارؓ کے

وفاداروں اور علوی حامیوں پر پڑا۔ ایک طرف ان کی جائیدادیں اور اموال ضبط کر لیے گئے تا کہ وہ مالی طور پر کمزور ہو جائیں اور دوسری طرف عوام میں ایسا خوف و ہراس پھیلایا گیا کہ کوئی بھی شخص کھل کر اہلِ بیتؓ کی حمایت کا دم نہ بھر سکے۔ کوفہ اور بصرہ جیسے مراکز جو حضرت علیؓ کے زمانے میں علمی، سیاسی اور عسکری اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتے تھے، وہاں کے عوام پر مسلسل دباؤ ڈالا گیا۔ ان پر یہ باور کرایا گیا کہ اگر وہ اہلِ بیتؓ کی محبت اور وفاداری میں کھڑے ہوئے تو ان کا انجام وہی ہوگا جو پہلے کئی خاندانوں کا ہو چکا ہے۔ یہ صورتِ حال امتِ مسلمہ کی تاریخ میں اہلِ بیتؓ اور ان کے چاہنے والوں کی مظلومیت کا ایک اور باب ہے۔ وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کی محبت کو اپنا سرمایۂ ایمان سمجھتے تھے، ان کے دل تو محبت سے لبریز تھے لیکن حکومت کے سخت حالات نے ان کی زبانیں خاموش کر دیں اور دلوں کو غم واندوہ سے بھر دیا (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص328، دار صادر، بیروت؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص18، دار الفکر، بیروت)۔

خلاصہ و نتائج: 1- شوال و ذوالقعدہ 42ھ میں خلافتِ اموی نے سیاسی گرفت مزید مضبوط کرنے کے لیے سخت اقدامات کیے۔ 2- اہلِ کوفہ کے چند بااثر افراد کو شام بلا کر نظر بند کیا گیا تا کہ وہ اپنے علاقے میں اہلِ بیتؓ کے نام پر کوئی تحریک نہ چلا سکیں۔ 3- علوی حامیوں کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں، جس کے نتیجے میں کئی خاندان معاشی طور پر برباد ہو گئے۔ 4- عوام پر ایسا خوف مسلط کیا گیا کہ اہلِ بیتؓ کی محبت کا اظہار بھی خطرناک بن گیا۔ 5- یہ واقعات اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ

اہلِ بیت اطہارؓ اور ان کے وفاداروں نے محض ظاہری جبر ہی نہیں بلکہ معاشی اور سماجی مظلومیت بھی برداشت کی، لیکن ان کے قلوب میں محبتِ اہلِ بیتؓ کی شمع بجھ نہ سکی۔

مصادر و مراجع: 1- احمد بن یحیی البلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص56، دار المعارف، قاہرہ۔ 2- محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص136، دار التراث، بیروت۔ 3- محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص328، دار صادر، بیروت۔ 4- ابن کثیر الدمشقی، البدایہ والنہایہ، ج8، ص18، دار الفکر، بیروت۔

ذوالحجہ 42ھ: حج کے ایام میں اہلِ بیتؓ پر نگرانی اور مظلومیت کا باب

ذوالحجہ 42ھ کے ایامِ حج مسلمانوں کی دینی زندگی میں ایک عظیم اجتماع کی حیثیت رکھتے تھے۔ دنیا کے مختلف خطوں سے قافلے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان میں اہلِ بیتِ اطہارؓ اور ان کے اصحاب بھی شامل تھے جو حسبِ معمول حج کی ادائیگی کے لیے آئے۔ لیکن اس سال کے حج میں سیاسی فضا کچھ اور ہی رنگ لیے ہوئے تھی۔ اموی گورنر اور اس کے مقرر کردہ اہلکاروں نے خاص طور پر اہلِ بیتؓ کے قافلے پر نظر رکھی۔ ان پر مکمل طور پر کڑی نگرانی کی گئی تاکہ وہ اپنے مقامِ امتیاز کے باعث عام مسلمانوں سے آزادانہ میل جول نہ کر سکیں۔ مزید برآں، واضح پیغام دیا گیا کہ اہلِ بیتؓ یا ان کے اصحاب میں سے کوئی بھی حج کے ایام میں کسی قسم کا سیاسی خطبہ، بیان یا اجتماع منعقد نہ کرے۔ یہ پابندیاں اس بات کا اظہار تھیں کہ حکومتِ وقت اہلِ بیتؓ کے اثر و

رسوخ کو محض ذاتی و شخصی احترام تک محدود کرنا چاہتی تھی اور انہیں امت کی اجتماعی قیادت اور سیاسی کردار سے محروم رکھنے کی روش اختیار کر چکی تھی (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص415، دارالکتب العلمیۃ، بیروت؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص18، دارالفکر، بیروت)۔

مظلومیت: یہ صورتِ حال اہلِ بیت اطہارؓ کے ساتھ روا رکھے گئے رویے کی ایک اور مظہر تھی۔ وہ لوگ جنہیں رسول اللہ ﷺ نے امت کی کشتی کا سفینۂ نجات قرار دیا، اور جن کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا: **إني تارک فیکم الثقلین: کتاب اللہ و أهل بیتي** (مسلم، کتاب فضائل الصحابہ)۔ انہیں امت کے وسیع تر منظر نامے میں محض روحانی اور شخصی عظمت تک محدود کرنے کی پالیسی اپنائی گئی۔ ان کی دینی، علمی اور سماجی حیثیت کو تو تسلیم کیا گیا، لیکن ان کے عملی و سیاسی کردار کو مسدود کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اہلِ بیتؓ کی مظلومیت مزید واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ وہ اپنی تقدیس و فضیلت کے باوجود امت کی اجتماعی رہنمائی اور سیاسی اصلاح کے میدان سے الگ کر دیے گئے۔ یہ نہ صرف اہلِ بیتؓ کے ساتھ ناانصافی تھی بلکہ پوری امتِ مسلمہ کے لیے محرومی کا ایک سنگین باب تھا (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص329، دارصادر، بیروت؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص58، دارالمعارف، قاہرہ)۔

خلاصہ و نتائج: 1- ذوالحجہ 42ھ میں اہلِ بیت اطہارؓ اور ان کے اصحاب حج کے لیے آئے تو ان پر مکمل نگرانی رکھی گئی۔ 2- اموی گورنر کی طرف سے واضح پیغام دیا گیا کہ کوئی سیاسی خطبہ یا اجتماع منعقد نہ کیا جائے۔ 3- حکومت نے اہلِ بیتؓ کی

عظمت کو محض شخصی و روحانی تکریم تک محدود کر کے ان کے عملی و سیاسی کردار کو مسدود کرنے کی پالیسی اپنائی۔4-یہ اقدامات امتِ مسلمہ کی تاریخ میں اہلِ بیتؓ کی مظلومیت کے ایک اور پہلو کو اجاگر کرتے ہیں، کہ کس طرح ان کی قیادت و رہنمائی کو امت سے جدا رکھنے کی کوشش کی گئی۔5-اس واقعے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اہلِ بیتؓ کی مظلومیت صرف جسمانی و معاشی نہیں بلکہ سیاسی و فکری دائرے میں بھی نمایاں تھی۔

مصادر و مراجع: 1-عزالدین ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص415، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص18، دار الفکر، بیروت۔ 3-محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص329، دار صادر، بیروت۔ 4-بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص58، دار المعارف، قاہرہ۔ 5-امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث الثقلین۔

سنہ 42ھ کا مجموعی جائزہ

(اموی اقتدار کا استحکام اور اہلِ بیت اطہارؓ کی مظلومیت)

سنہ 42ھ تاریخِ اسلام میں ایک ایسا موڑ تھا جس میں خلافتِ اموی کے ڈھانچے کو باقاعدہ استحکام ملا۔امیر معاویہؓ نے نہ صرف شام میں اپنی سیاسی گرفت کو مضبوط بنایا بلکہ عراق، حجاز اور دیگر مفتوحہ علاقوں میں بھی انتظامی پالیسیوں کے ذریعے اپنی خلافت کو مضبوط تر کیا۔گورنروں اور عاملین کی تقرریاں اس طور پر ہوئیں کہ ہر اہم

منصب پر ایسے افراد ہوں جو مرکزی اقتدار کے مکمل وفادار ہوں۔اس طرح اموی اقتدار کا وہ نظام قائم ہوا جس نے آئندہ کئی برسوں تک خلافت کے تسلسل کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں (تاریخ طبری، ج4،ص132؛الکامل لابن الاثیر، ج3،ص412؛البدایہ والنہایہ، ج8،ص16)۔

اہلِ بیت اطہارؓ اور ان کے حامیوں کی مظلومیت: اگرچہ یہ سال سیاسی اعتبار سے خلافتِ معاویہؓ کی تنظیم واستحکام کا سال تھا،لیکن اہلِ بیت اطہارؓ اور ان کے جانثاروں کے لیے یہ سختیوں اور محرومیوں کا دور تھا۔

1-امام حسنؓ کی آزمائشیں: اس سال کے واقعات میں امام حسنؓ کی شخصیت سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر بار بار قاتلانہ حملوں کی سازشیں ہوئیں،حتیٰ کہ بعض مؤرخین نے زہر دینے کی افواہوں کو بھی اسی سال سے منسوب کیا ہے۔اگرچہ ان کی صحت اور حیات پر اللہ کی خاص حفاظت رہی، لیکن یہ واقعات اس بات کے شاہد ہیں کہ اہلِ بیتؓ کی جان بھی محفوظ نہ رہی (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5،ص326؛بلاذری،انساب الاشراف، ج3،ص54)۔

2-علوی حامیوں پر پابندیاں: حضرت علیؓ کے وفادار گورنر، قاضی اور عاملین کو یکے بعد دیگرے معزول کیا گیا۔کوفہ اور بصرہ جیسے بڑے شہروں میں ان کے اثر ورسوخ کو ختم کرنے کے لیے نہ صرف ان کی برطرفی عمل میں آئی بلکہ بعض بااثر علوی حامیوں کو شام بلا کر وہاں نظر بند کر دیا گیا (انساب الاشراف، ج3،ص56؛طبری، ج4،ص136)۔

3-معاشی دباؤ: اہلِ بیتؓ کے وفاداروں اور محبین کے وظائف بیت المال

سے بند کر دیے گئے۔ کئی خاندانوں کی جائیدادیں ضبط ہوئیں اور انہیں غربت و محتاجی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا۔ یہ صورتِ حال اس بات کا بین ثبوت ہے کہ سیاسی دباؤ کے ساتھ معاشی حربے بھی استعمال کیے گئے (الکامل لابن الاثیر، ج3، ص414؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص17)۔

4-عام مسلمانوں پر خوف و ہراس: عوام الناس پر ایسا خوف مسلط کیا گیا کہ اہلِ بیتؓ کی محبت کا اظہار بھی خطرناک بن گیا۔ مدینہ، کوفہ اور بصرہ جیسے شہروں میں لوگ سیاسی گفتگو سے گریز کرنے لگے اور ایک غیر محسوس دباؤ نے امت کی آزاد فکری اور دینی فضا کو محدود کر دیا۔

خلاصہ و نتائج: 1-سیاسی استحکام: سنہ 42ھ میں خلافتِ معاویہؓ کا سیاسی ڈھانچہ مکمل طور پر مضبوط کیا گیا اور تمام اہم مراکز پر اموی وفادار گورنروں کا تسلط قائم ہوا۔

2-اہلِ بیتؓ کی مظلومیت کے پہلو: امام حسنؓ کی ذات کو بار بار قاتلانہ حملوں اور زہر دینے کی سازشوں کا سامنا رہا۔ علوی حامیوں کو منصب سے ہٹا کر معزول یا نظر بند کر دیا گیا۔ بیت المال کے وسائل پر پابندیاں لگا کر اہلِ بیتؓ کے محبین کو معاشی مشکلات میں مبتلا کیا گیا۔ عام مسلمانوں پر سیاسی دباؤ اور خوف و ہراس کی فضا طاری رہی۔

3-اہلِ بیتؓ کے لیے صبر و محرومی کا سال: یہ سال بظاہر انتظامی و سیاسی طور پر خلافت کے استحکام کا دور تھا، لیکن اسلام کی مظلوم شخصیات کے تناظر میں یہ اہلِ بیت اطہارؓ کے لیے غم و صبر اور محرومی و تنہائی کا سال ثابت ہوا۔

مصادر و مراجع: 1-محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص132، 134، 136، دار التراث، بیروت۔ 2-عزالدین ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص412، 414، 415، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص18-16، دار الفکر، بیروت۔ 4-محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص329-325، دار صادر، بیروت۔ 5-احمد بن یحیی البلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص52، 54، 56، 58، دار المعارف، قاہرہ۔

محرم وصفر اسلامی سنہ 43ھ کے اہم واقعات

اسلامی سنہ 43ھ کے آغاز میں سیاسی فضا اب بھی خلافتِ امیر معاویہؓ کے استحکام کے زیرِ اثر تھی۔ حضرت حسنؓ کے صلح نامے (41ھ) کے بعد عملی طور پر اقتدار کا مرکز شام قرار پایا۔ تاہم عراق بالخصوص کوفہ، اہلِ بیتؓ اور حضرت علیؓ کے وفادار اصحاب کا گڑھ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ امیرِ شام کی سیاسی حکمتِ عملی کا ایک بڑا حصہ عراق میں علوی جماعت کی سرگرمیوں کو محدود کرنے پر مرکوز رہا۔ امیر معاویہؓ نے شام کے اندرونی حالات کو قابو میں رکھ کر اپنی سلطنت کو مستحکم بنایا۔ اہلِ شام کو متحد رکھنے کے لیے نہ صرف سیاسی تدابیر اختیار کی گئیں بلکہ عسکری تیاریوں پر بھی زور رہا تاکہ کسی بیرونی خطرے یا اندرونی بغاوت کا اندیشہ باقی نہ رہے۔ اہلِ کوفہ کے تعلق سے سنہ 43ھ میں زیادہ سخت اقدامات سامنے آئے۔ مؤرخین کے مطابق کوفہ و بصرہ کے بعض

گورنروں کو خصوصی ہدایات دی گئیں کہ وہ علوی جماعت کے اثر کو کمزور کریں۔ حضرت علیؓ کے قریبی اصحاب جیسے حجر بن عدی، رشید ہجری اور کمیل بن زیاد وغیرہ کے حلقے زیرِ نگرانی لائے گئے۔ ان پر بسا اوقات مقدمات قائم کیے جاتے اور ان کے ساتھ سختی برتی جاتی (تاریخ طبری، ج4، ص138؛ الکامل لابن الاثیر، ج3، ص418)۔

مظلومیت کا پہلو: اس پورے دور میں اہلِ بیتِ اطہارؓ اور ان کے جاں نثار ساتھیوں پر جبر و تشدد کا دباؤ بڑھتا گیا۔ کوفہ اور بصرہ جیسے بڑے مراکز میں سیاسی اور عسکری دباؤ کے باعث ان اصحاب کو پس منظر میں دھکیل دیا گیا، حالانکہ ان کی خدمات اسلام کے لیے ناقابلِ فراموش تھیں۔ یہ وہ عظیم شخصیات تھیں جنہوں نے جنگِ صفین اور جنگِ نہروان میں حضرت علیؓ کا ساتھ دیا تھا اور خلافتِ راشدہ کے عادلانہ و روحانی نظام کی حفاظت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کی تھیں۔ لیکن سنہ 43ھ میں حالات اس نہج پر پہنچے کہ انہیں نہ صرف نظر انداز کیا گیا بلکہ مقدمات، قید و بند اور حکومتی دباؤ کے تحت ان کی سرگرمیوں کو محدود کر دیا گیا۔ یہ مظلومیت دراصل اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ اسلامی تاریخ میں صرف غیر مسلم طاقتوں کی جانب سے ہی نہیں بلکہ داخلی سیاسی کشمکش کی وجہ سے بھی ایسی شخصیات کو اذیتیں سہنی پڑیں جو دینِ اسلام کے سب سے زیادہ مخلص اور جاں نثار خادم تھے (الاستیعاب لابن عبدالبر، ج1، ص345؛ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج2، ص118؛ انساب الاشراف، ج3، ص142)۔

خلاصہ و نتائج: 1- سنہ 43ھ میں خلافتِ امیر معاویہؓ کی گرفت مزید مضبوط

ہوئی اور شام کو سیاسی مرکز کے طور پر مستحکم کیا گیا۔ 2-اہلِ کوفہ و بصرہ پر سختی کے اقدامات سے واضح ہوتا ہے کہ علوی جماعت کے اثرات کو محدود کرنا سیاسی پالیسی کا حصہ تھا۔ 3-حضرت علیؓ کے وفادار اصحاب اور اہلِ بیتؓ کے قریبی افراد کو مقدمات، جبر اور نگرانی میں رکھا گیا، جو مظلومیت کی ایک نمایاں جھلک ہے۔ 4-اس دور میں اسلامی تاریخ کی وہ المناک حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام کی سب سے وفادار اور مخلص شخصیات کو سیاسی مجبوریوں اور اقتدار کی کشمکش کے سبب مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری)، محمد بن جریر الطبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج 4، ص 138۔ 2-الکامل فی التاریخ، عزالدین ابن الاثیر، دار صادر، بیروت، ج3، ص418۔ 3-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبدالبر القرطبی، دار الجیل، بیروت، ج1، ص345۔ 4-الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، حافظ ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج2، ص118۔ 5-انساب الاشراف، احمد بن یحییٰ بلاذری، دار المعارف، مصر، ج3، ص142۔

ربیع الاول و ربیع الآخر 43ھ: امام حسنؓ اور اہلِ بیت کی نگرانی

اسلامی سنہ 43ھ کے مہینے ربیع الاول و ربیع الآخر میں اہلِ بیتِ اطہارؓ کے ساتھ جو طرزِ عمل اختیار کیا گیا وہ اس دور کی سیاسی حکمتِ عملی کو نہایت واضح کر دیتا ہے۔ اگرچہ صلحِ حسن (41ھ) کے بعد امت میں عمومی امن قائم ہو گیا تھا، لیکن اہلِ بیتؓ

کو امت کی عملی قیادت سے الگ رکھنے کی پالیسی مزید شدت اختیار کر گئی۔ امام حسنؓ کی مدینہ منورہ میں گوشہ نشینی حضرت امام حسنؓ جو سبط اکبر، جگر گوشہ رسول ﷺ اور صلح کے بعد امت کے ایک نمایاں رہنما تھے ان دنوں مدینہ منورہ میں گوشہ نشین رہنے پر مجبور تھے۔ ان کی شخصیت ایسی تھی جس کے گرد اہلِ ایمان اور اہلِ وفا جمع ہوتے تھے۔ لیکن اس عظیم مرکزیت کے باعث حکومتی حکمتِ عملی یہی رہی کہ انہیں سیاسی میدان سے دور رکھا جائے تاکہ خلافت کے استحکام میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ مدینہ منورہ کے گورنر کی جانب سے سخت نگرانی کا نظام قائم تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ امام حسنؓ کے گرد حکومتی کارندے ہر وقت موجود رہتے تاکہ وہ کسی سیاسی اجتماع یا عوامی اثر ورسوخ کو منظم نہ کر سکیں۔ یہ نگرانی محض حفاظتی پہلو سے نہیں بلکہ ان کے اثر ونفوذ کو محدود کرنے کے لیے تھی (انساب الاشراف، بلاذری، ج3، ص60) (الطبقات الکبری، ابن سعد، ج5، ص330)۔

اہلِ بیتؓ کے اصحاب پر دباؤ اور جلاوطنی: امام حسنؓ کے ساتھ ساتھ ان کے وفادار اصحاب اور اہلِ بیت کے قریبی افراد بھی حکومتی سختیوں کا شکار ہوئے۔ ان میں بعض کو مختلف علاقوں میں جلاوطن کیا گیا، جبکہ بعض کو قید وبند کی مشقتیں سہنی پڑیں۔ یہ وہ عظیم شخصیات تھیں جو دین کی سربلندی اور عدل وحق کی پاسداری میں معروف تھیں۔ یہ دباؤ دراصل ایک بڑی پالیسی کا حصہ تھا۔ اہلِ بیت کو امت کی قیادت سے علیحدہ رکھنا اور ان کی سیاسی وسماجی سرگرمیوں کو محدود کرنا۔ یہی وجہ تھی کہ امام حسنؓ جیسے جلیل القدر صحابی، جو آنحضرت ﷺ کے محبوب اور امت کے متفق علیہ رہنما تھے، ایک ایسے ماحول میں

زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے جہاں آزادانہ طور پر اپنی قیادت کے جوہر دکھانے کی اجازت نہیں تھی (الاستیعاب، ابن عبدالبر، ج1، ص377؛ الاصابۃ، ابن حجر، ج2، ص256)۔

مظلومیت کا پہلو: ربیع الاول و ربیع الآخر 43ھ کی یہ کیفیت اسلام کی مظلوم شخصیات کی تاریخ میں ایک نہایت دردناک باب ہے۔ امام حسنؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو امت کی قیادت سے دور رکھا گیا۔ اہلِ بیتؓ کے قریبی اصحاب کو قید و جلاوطنی کے ذریعے الگ تھلگ کر دیا گیا۔ اس پالیسی نے دراصل امت کو ان پاکیزہ سیرت اور عادلانہ کردار رکھنے والے رہنماؤں سے محروم کر دیا جو رسول اللہ ﷺ کے دین کو عدل و انصاف کی روشنی میں آگے بڑھانے والے تھے۔

خلاصہ و نتائج: 1- ربیع الاول و ربیع الآخر 43ھ میں امام حسنؓ کی زندگی مدینہ منورہ میں سخت نگرانی اور گوشہ نشینی کے سائے میں گزری۔ 2- اہلِ بیتؓ کو امت کی قیادت سے الگ رکھنے کی پالیسی مزید شدت اختیار کر گئی۔ 3- ان کے اصحاب کو مختلف علاقوں میں قید یا جلاوطن کر کے سیاسی اور سماجی طور پر غیر مؤثر بنانے کی کوشش کی گئی۔ 4- یہ دور اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ اسلام کی سب سے عظیم شخصیات، باوجود اپنی پاکیزہ سیرت اور قربانیوں کے، اقتدار کی کشمکش کی وجہ سے مظلومیت کا شکار ہوئیں۔

مصادر و مراجع: 1- انساب الاشراف، احمد بن یحییٰ بلاذری، دار المعارف، مصر، ج3، ص60۔ 2- الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، دار صادر، بیروت، ج5، ص330۔ 3- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبدالبر، دار الجیل، بیروت، ج1،

ص 377۔ 4-الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، حافظ ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج2، ص256۔

جمادی الاولی و جمادی الاخری 43ھ: مصر میں سیاسی کشمکش

اسلامی سنہ 43ھ کے ایام میں مصر کا خطہ سیاسی کشمکش کا ایک اہم مرکز بنا رہا۔ مصر کی حیثیت اس وقت نہ صرف ایک وسیع و زرخیز صوبے کی تھی بلکہ بیت المال کے بڑے ذرائع میں سے ایک بھی تھا۔ چنانچہ جس فریق کے پاس مصر کا اقتدار ہوتا، اس کے پاس خلافت کے استحکام کے لیے وافر مالی وسائل مہیا رہتے۔ امیرِ شام حضرت معاویہؓ کی سیاسی حکمتِ عملی امیر معاویہؓ نے مصر کو اپنے اقتدار کے استحکام کا کلیدی مرکز قرار دیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے وہاں اپنے وفادار گورنر مقرر کیے تا کہ نہ صرف مالی وسائل پر کنٹرول قائم رہے بلکہ کسی ممکنہ سیاسی بغاوت کو بھی روکا جا سکے۔ ان گورنروں کی پالیسی یہ تھی کہ علوی جماعت اور ان کے حامیوں کو سرکاری معاملات اور انتظامیہ کے قریب نہ آنے دیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے وفادار قبائل اور شخصیات کو مصر کی انتظامیہ اور سیاسی نظام سے الگ تھلگ رکھنے کی کوششیں کی گئیں (تاریخ طبری، ج4، ص140، الکامل لابن الاثیر، ج3، ص419)۔

مظلومیت کا پہلو: یہ کشمکش صرف اقتدار کی سطح پر محدود نہ رہی بلکہ عام قبائل اور عوام بھی اس کے اثر سے متاثر ہوئے۔ مؤرخین کے مطابق بعض قبائل، جو اپنی

وفاداری حضرت علیؓ اور اہلِ بیتؓ کے ساتھ ظاہر کرتے تھے، انہیں بطور سزا بیت المال کی تقسیم سے محروم کیا گیا۔ یہ عمل دراصل ایک طرح کی اجتماعی سزا تھی تاکہ وہ اپنی سیاسی وابستگی ترک کرنے پر مجبور ہوں۔ اس کے نتیجے میں ان علاقوں میں غربت اور محرومی بڑھی۔ بیت المال، جو کہ اسلامی ریاست میں عدل و مساوات کے ساتھ ہر مسلمان کا حق تھا، سیاسی دباؤ اور کشمکش کی نذر ہو گیا۔ یہی وہ پہلو ہے جو اس زمانے میں مظلومیت کی صورت اختیار کر گیا۔ عوام جو نہتے تھے اور اقتدار کی کشمکش میں شامل نہ تھے، وہ بھی اس سیاسی تنازع کے بوجھ تلے پسنے لگے (انساب الاشراف، ج4، ص52؛ البلاذری)۔

علمی و اخلاقی تجزیہ: اسلامی نقطۂ نظر سے بیت المال امت کی امانت ہے اور اس کی تقسیم میں عدل و انصاف بنیادی شرط ہے۔ جب کسی خاص گروہ یا قبیلے کو محض سیاسی وابستگی کی بنیاد پر محروم کیا گیا، تو یہ اقدام عوامی مظلومیت اور محرومی کا سبب بنا۔ یہ واقعہ اس حقیقت کی شہادت ہے کہ خلافت کے ابتدائی ادوار میں سیاسی استحکام کی جدوجہد کبھی کبھار عوامی طبقے کو متاثر کرتی تھی، اور سب سے زیادہ مصیبت ان لوگوں پر آتی جو اہلِ بیتؓ کے ساتھ وابستہ سمجھے جاتے۔ یہ صورت حال اسلام کی مظلوم شخصیات کے اس باب کو مزید نمایاں کرتی ہے۔

خلاصہ و نتائج: 1- سنہ 43ھ میں مصر کی حیثیت خلافت کے مالی اور سیاسی استحکام کے لیے نہایت اہم تھی۔ 2- امیر معاویہؓ نے مصر میں اپنے وفادار گورنر مقرر کر کے سیاسی کنٹرول کو مضبوط کیا۔ 3- علوی جماعت اور ان کے حامیوں کو انتظامیہ

اور ریاستی امور سے دور رکھا گیا۔4-بعض قبائل کو بیت المال کی تقسیم سے محروم کر کے ان پر اجتماعی دباؤ ڈالا گیا۔5-اس پالیسی کے نتیجے میں عوامی غربت اور بے بسی میں اضافہ ہوا، جو اس دور کی مظلومیت کی ایک اہم علامت ہے۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری)، محمد بن جریر الطبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج 4، ص 140۔ 2-الکامل فی التاریخ، عزالدین ابن الاثیر الجزری، دار صادر، بیروت، ج3، ص419۔ 3-انساب الاشراف، احمد بن یحییٰ بلاذری، دار المعارف، مصر، ج4، ص52۔ 4-الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، دار صادر، بیروت، ج5، ص330۔

رجب وشعبان 43ھ: فوجی اقدامات اور سیاسی ترجیحات

اسلامی سنہ 43ھ کے مہینوں رجب وشعبان میں خلافتِ امیر معاویہؓ کی ایک بڑی توجہ بیرونی محاذ پر مرکوز رہی۔ بازنطینی سلطنت (روم) کی جانب سے سرحدی علاقوں پر دباؤ اور چھیڑ چھاڑ کے باعث وہاں باقاعدہ لشکر بھیجے گئے۔ یہ مہمات خلافتِ اسلامیہ کے دفاع اور وسعت کے لیے اہم تھیں اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی سلطنت کی بیرونی سرحدوں کو محفوظ بنانا ایک بڑی ضرورت تھی۔

شام کے لشکروں کو فوقیت: ان مہمات میں زیادہ تر شام کے لشکریوں کو شامل کیا گیا، کیونکہ امیر معاویہؓ کا دارالاقتدار بھی وہیں تھا اور شام کی فوج کو ان کے اقتدار کا مضبوط

ستون سمجھا جاتا تھا۔عراق کے لشکروں کو ثانوی حیثیت دی گئی۔اس پالیسی کے نتیجے میں اہلِ عراق، جو خلافتِ علیؓ کے دور میں بڑی عسکری قوت سمجھے جاتے تھے، رفتہ رفتہ میدانِ عمل سے پیچھے ہٹنے لگے (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج8، ص22) (تاریخ طبری، ج4، ص141)۔

مظلومیت کا پہلو: اس پالیسی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ اہلِ عراق میں سیاسی و عسکری احساسِ محرومی بڑھتا گیا۔عراق وہی خطہ تھا جہاں حضرت علیؓ نے دارالخلافہ قائم کیا تھا اور جہاں ان کے وفادار اصحاب وقبائل بڑی تعداد میں موجود تھے۔لیکن سنہ 43ھ میں جب شام کے لشکروں کو ہر بڑی مہم میں نمایاں مقام دیا گیا، تو اہلِ عراق کی عسکری حیثیت ثانوی ہوگئی۔یہ محرومی محض عسکری شعبے تک محدود نہ تھی بلکہ اس کے اثرات سیاسی اور سماجی سطح پر بھی نمایاں ہوئے۔علوی حامی قبائل کو جان بوجھ کر کمزور کرنے کی پالیسی پر عمل کیا گیا تاکہ وہ کسی بڑے اجتماع یا بغاوت کی صورت میں اثر انداز نہ ہوسکیں۔نتیجتاً یہ قبائل معاشی وعسکری دونوں اعتبار سے کمزور ہوتے گئے (انساب الاشراف، بلاذری، ج3، ص67) (الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج3، ص419)۔

علمی واخلاقی تجزیہ: اسلام کے ابتدائی عہد میں تمام قبائل کو برابر کا شریک سمجھا گیا تھا۔حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے دور میں یہ اصول واضح نظر آتا ہے کہ بیت المال اور فوجی ذمہ داریوں میں عدل ومساوات قائم رکھا گیا۔لیکن 43ھ کے اس مرحلے میں سیاسی مصلحتوں کی بنا پر شام کو ترجیح دینا اور عراق کو نظر انداز کرنا اہلِ عراق کے لیے محرومی کا سبب بنا۔یہی وجہ ہے کہ اہلِ عراق کے بعض قبائل میں بے اطمینانی کی لہر پیدا ہوئی اور وہ خود کو ریاستی فیصلہ سازی میں غیر اہم محسوس کرنے لگے۔اس محرومی نے

بعد کے حالات پر بھی گہرا اثر ڈالا، یہاں تک کہ کوفہ و بصرہ جیسے مراکز میں سیاسی اضطراب مسلسل بڑھتا گیا۔

خلاصہ و نتائج: 1- رجب و شعبان 43ھ میں خلافتِ معاویہؓ نے بازنطینی سلطنت کے خلاف فوجی مہمات روانہ کیں۔ 2- ان مہمات میں زیادہ تر شام کے لشکروں کو فوقیت دی گئی، جب کہ عراق کو ثانوی حیثیت دی گئی۔ 3- اہلِ عراق میں سیاسی و عسکری محرومی کے جذبات بڑھے، جو بعد کے ادوار میں عدم اطمینان کی بنیاد بنے۔ 4- علوی حامی قبائل کو منظّم انداز میں کمزور کیا گیا تا کہ وہ کسی سیاسی یا عسکری تحریک کی طاقت نہ بن سکیں۔ 5- یہ دور اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ اسلام کی کئی مخلص شخصیات اور قبائل محض سیاسی و انتظامی حکمتِ عملی کے باعث مظلومیت کا شکار ہوئے۔

مصادر و مراجع: 1- البدایہ والنہایہ، حافظ ابن کثیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج8، ص22۔ 2- تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری)، محمد بن جریر الطبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج 4، ص 141۔ 3- الکامل فی التاریخ، عزالدین ابن الاثیر الجزری، دار صادر، بیروت، ج3، ص419۔ 4- انساب الاشراف، احمد بن یحییٰ بلاذری، دار المعارف، مصر، ج3، ص67۔

رمضان المبارک 43ھ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا کردار اور کوفہ کی کیفیت

اسلامی سنہ 43ھ کے رمضان المبارک میں کوفہ کی فضا نہایت حساس اور

کشیدہ رہی۔کوفہ اس وقت علوی جماعت کا مرکز سمجھا جاتا تھا اور یہاں کے اکثر قبائل و شخصیات اہلِ بیتؓ کی محبت و وفاداری میں معروف تھے۔لیکن خلافتِ امیر معاویہؓ کی حکمتِ عملی یہی تھی کہ کوفہ میں اہلِ بیتؓ اور ان کے جاں نثار اصحاب کو کوئی بڑی دینی یا سیاسی حیثیت حاصل نہ ہونے دی جائے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی حکمتِ عملی: ان دنوں کوفہ کے گورنر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ تھے۔ان کا شمار صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے اور وہ اپنے تدبر، سیاست اور معاملہ فہمی میں مشہور تھے۔تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طرزِ حکمرانی نسبتاً نرم تھی۔ وہ سختیوں سے زیادہ مصلحت اور تدبر کو ترجیح دیتے تھے،لیکن چونکہ وہ امیر معاویہؓ کی براہِ راست ہدایات کے پابند تھے،اس لیے کوفہ میں علوی جماعت کو فعال ہونے کی اجازت نہ تھی۔اہلِ بیتؓ اور ان کے قریبی اصحاب کے بڑے اجتماعات پر نظر رکھی جاتی اور ان کی سرگرمیوں کو محدود کیا جاتا۔مغیرہؓ کی ذاتی نرمی بعض اوقات دباؤ کو کم کر دیتی،لیکن بنیادی پالیسی وہی رہی جو شام سے متعین کی جاتی تھی (انساب الاشراف، بلاذری، ج3،ص63)(الکامل فی التاریخ،ابن اثیر، ج3،ص420)۔

حضرت حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھیوں کی جدوجہد: اس دور میں حضرت حجر بن عدیؓ کندی اور ان کے ساتھی نمایاں طور پر سامنے آئے۔وہ حضرت علیؓ کے وفادار ساتھی تھے اور اہلِ بیتؓ کے ساتھ اپنی غیر متزلزل وابستگی رکھتے تھے۔ان کا موقف یہ تھا کہ حکومت کی بعض پالیسیوں میں عدل کی کمی اور اہلِ بیتؓ سے ناانصافی

ہورہی ہے۔ چنانچہ حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھی بار بار کوفہ میں آواز بلند کرتے، لیکن گورنر اور اس کے عمال انہیں خاموش کرانے کی کوشش کرتے۔ ان پر کڑی نگرانی رکھی جاتی، حتیٰ کہ کئی مرتبہ ان کی تقریریں اور عوامی اجتماعات منتشر کرا دیے گئے۔ یہ کیفیت دراصل ایک ایسے سیاسی دباؤ کی غمازی کرتی ہے جس میں اہلِ بیتؓ کے حامیوں کو اپنے جائز مطالبات کے اظہار کی بھی مکمل آزادی میسر نہ تھی (انساب الاشراف، ج3، ص65؛ الاصابۃ، ج2، ص190)۔

مظلومیت کا پہلو: اہلِ بیتؓ کے وفاداروں کو کوفہ جیسے عظیم مرکز میں دینی اور اجتماعی طور پر فعال نہیں ہونے دیا گیا۔ حضرت حجر بن عدیؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو بار بار دبایا گیا اور ان کے ساتھیوں کو خوف و دباؤ کے ماحول میں رکھا گیا۔ اہلِ بیتؓ کے چاہنے والوں میں مسلسل بے چینی اور اضطراب بڑھتا گیا، کیونکہ ان کی محبتِ اہلِ بیتؓ کو سیاسی مخالفت سمجھا جاتا تھا۔ یہی وہ پہلو ہے جس کی وجہ سے 43ھ کا رمضان مظلومیت کی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔

علمی و اخلاقی تجزیہ: اسلام میں اظہارِ حق اور اہلِ بیتؓ کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ عدل و حق کے قیام کو اپنا مقصد بنایا۔ لیکن اس دور میں اہلِ بیتؓ کے حامیوں کو اپنے موقف کے اظہار پر روکنا ایک ایسی حکمتِ عملی تھی جس کے اثرات دوررس ثابت ہوئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اگرچہ سختیوں کو کم کرنے کی کوشش کی، لیکن مرکزی پالیسی یہی رہی کہ علوی جماعت کو سیاسی قیادت سے الگ رکھا جائے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلام کی کئی عظیم شخصیات اور قبائل اپنے حقِ اظہار

اور قیادت سے محروم کر دیے گئے، جو مظلومیت کی نہایت نمایاں مثال ہے۔

خلاصہ ونتائج: 1-رمضان 43ھ میں کوفہ سیاسی کشمکش کا مرکز رہا اور اہلِ بیتؓ کے حامی سخت نگرانی میں رہے۔2-حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی گورنری اگرچہ نرم مزاجی پر مبنی تھی، مگر وہ بھی امیر معاویہؓ کی پالیسی کے پابند تھے۔3-حضرت حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھی مسلسل دباؤ میں رہے اور ان کی آوازوں کو بار بار دبایا گیا۔4-اہلِ بیتؓ کے وفاداروں کو خوف و جبر کے ماحول میں رکھا گیا، جس سے ان کی دینی و سماجی سرگرمیاں محدود ہو گئیں۔5-یہ دور اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اسلام کی کئی مخلص اور عظیم شخصیات محض سیاسی مصلحتوں کے باعث مظلومیت کا شکار ہوئیں۔

مصادر ومراجع: 1-انساب الاشراف، احمد بن یحییٰ بلاذری، دار المعارف، مصر، ج3، ص6365۔ 2-الکامل فی التاریخ، عزالدین ابن الاثیر الجزری، دار صادر، بیروت، ج3، ص420۔3-الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، حافظ ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج2، ص190۔4-تاریخ طبری، محمد بن جریر الطبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج4، ص142۔

شوال وذوالقعدہ 43ھ

(حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا وصال اور اہلِ بیتؓ کی مظلومیت کا نیا باب)

اسلامی تاریخ کا سنہ 43ھ کئی اہم واقعات کا حامل ہے۔ان میں سب سے

نمایاں اور نہایت رنج انگیز واقعہ شوال یا ذوالقعدہ کے مہینے میں جلیل القدر صحابی، فاتحِ عراق اور عشرہ مبشرہ میں شامل بزرگ ہستی، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا وصال ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی عظمت و مقام: حضرت سعدؓ کا شمار اُن اولین مسلمانوں میں ہوتا ہے جنہوں نے نہایت کم عمری میں اسلام قبول کیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے ان قریبی ساتھیوں میں تھے جن کی دعائیں قبولیت میں خاص شان رکھتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو فرمایا تھا: **اللھم استجب لسعد إذا دعاک** (اے اللہ! جب سعد تجھے پکارے تو اس کی دعا قبول فرما)۔ غزوۂ بدر و احد سمیت تمام بڑے معرکوں میں شریک رہے۔ قادسیہ کی عظیم جنگ میں آپ کی قیادت میں عراق فتح ہوا اور اسلام کی سلطنت کی وسعتوں میں اضافہ ہوا (طبری، ج4، ص142؛ ابن اثیر، ج3، ص421)۔ حضرت سعدؓ عشرہ مبشرہ میں سے تھے، یعنی وہ دس خوش نصیب صحابہ جنہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت ملی۔ ان کا مقام فضیلت اور عزت اہلِ اسلام میں مسلم اور بلند ترین تھا۔

سیاست سے کنارہ کشی اور اہلِ بیتؓ سے تعلق: تاریخی روایات کے مطابق حضرت سعدؓ نے خلافتِ راشدہ کے بعد کے سیاسی جھگڑوں میں عملی مداخلت سے اجتناب کیا۔ وہ فتنے اور خانہ جنگی سے سخت بیزار تھے اور اپنی باقی زندگی زیادہ تر عبادت، دعا اور تعلیم میں گزاری۔ اگرچہ وہ سیاست میں براہِ راست شریک نہ ہوئے، لیکن اہلِ بیتؓ کے ساتھ محبت اور احترام کا تعلق رکھتے تھے۔ ان کا یہ کردار اہلِ بیتؓ کے لیے ایک اخلاقی اور روحانی سہارا تھا، کیونکہ وہ ان کے مقام و مرتبہ کے مدافع اور

محبّ سمجھے جاتے تھے (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج8، ص24)۔

وصالِ سعدؓ اور اہلِ بیتؓ کی مظلومیت: 43ھ میں جب حضرت سعدؓ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو یہ اہلِ بیتؓ اور ان کے محبین کے لیے ایک اور بڑا صدمہ تھا۔ ایک عظیم المرتبت حمایتی اور محبِ اہلِ بیت دنیا سے رخصت ہو گئے۔ خلافتِ وقت میں ایسے اہلِ بیت دوست افراد کی تعداد مزید کم ہو گئی۔ سیاسی فضا میں اہلِ بیتؓ کے اثرات بتدریج کمزور کیے جا رہے تھے اور ان کی مظلومیت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس وفات نے نہ صرف اہلِ عراق بلکہ پورے عالمِ اسلام کو سوگوار کر دیا۔ لیکن خصوصاً اہلِ بیتؓ اور ان کے جانثاروں کے لیے یہ محرومی اس لیے زیادہ گہری تھی کہ ایک ایسا باوقار صحابی دنیا سے رخصت ہو گیا جو ان کا خیر خواہ تھا مگر عملی سیاست میں نہ ہونے کی وجہ سے حکومت کی طرف سے نشانہ نہیں بنے (طبری، ج4، ص142؛ ابن اثیر، ج3، ص421)۔

علمی و اخلاقی تجزیہ: حضرت سعدؓ کی وفات اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہے کہ اہلِ بیتؓ اور ان کے جانثاروں کے ساتھ ساتھ وہ تمام اصحاب بھی جنہوں نے فتنے کے دور میں اعتزال کی راہ اپنائی تھی، رفتہ رفتہ دنیا سے جا رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ بیتؓ مزید تنہا ہوتے گئے اور ان کے حمایتی بزرگ اصحاب کم ہوتے گئے۔ یہ وہی پس منظر ہے جس نے بعد کے دور میں اہلِ بیتؓ کی مظلومیت کو اور زیادہ واضح اور گہرا کر دیا۔

خلاصہ و نتائج: 1- شوال یا ذوالقعدہ 43ھ میں عشرہ مبشرہ میں شامل حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا وصال ہوا۔ 2- حضرت سعدؓ فاتحِ عراق، دعا کی قبولیت والے

صحابی اور اہلِ بیتؓ کے محبّ تھے۔3-انہوں نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی لیکن ان کی محبتِ اہلِ بیتؓ نمایاں اور معروف تھی۔4-ان کے وصال سے اہلِ بیتؓ اور ان کے اصحاب ایک اور با اثر حمایتی سے محروم ہو گئے۔5-اس واقعے کے بعد خلافت کے نظام میں اہلِ بیتؓ کے اثرات مزید کمزور ہو گئے، اور ان کی مظلومیت بڑھتی گئی۔

مصادر و مراجع: 1-تاریخ طبری، محمد بن جریر الطبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج4، ص142۔2-الکامل فی التاریخ، عز الدین ابن الاثیر الجزری، دار صادر، بیروت، ج3، ص421۔3-البدایہ والنہایہ، حافظ ابن کثیر الدمشقی، دار الفکر، بیروت، ج8، ص24۔4-الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، حافظ ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

ذوالحجہ 43ھ: حج کے ایام اور اہلِ بیتؓ کی نگرانی

سنہ 43ھ کے ذوالحجہ کے ایام اسلامی تاریخ کے ایک اور اہم پہلو کو آشکار کرتے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب اہلِ بیتِ اطہارؓ امت کے روحانی مرکز یعنی حرمِ مکہ میں موجود تھے۔ امام حسن مجتبیٰؓ اور امام حسینؓ نے اس سال حج ادا کیا۔ بظاہر یہ ایک دینی و روحانی فریضہ تھا لیکن اس کے پسِ منظر میں ایک گہری سیاسی و سماجی حقیقت چھپی ہوئی تھی۔ اہلِ بیتؓ کی عبادت و روحانی مرکزیت: امام حسنؓ و امام حسینؓ خانہ کعبہ کے زائرین کے لیے محبت و احترام کا مرکز تھے۔ وہ نہ صرف اہلِ مکہ بلکہ عالمِ اسلام کے قلوب میں تقدس و عظمت کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ حرم کی فضاؤں میں ان کی

موجودگی امت کے لیے نورانیت کا باعث تھی۔ حج کے مناظر میں ان کی شرکت امت کو سیرتِ نبوی ﷺ کی یاد دلاتی تھی۔ لوگ ان کے گرد جمع ہو کر علمی و دینی استفادہ کے خواہاں ہوتے تھے (البدایہ والنہایہ، ج8، ص25)۔

سخت نگرانی اور پابندیاں: تاہم تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اہلِ بیتؓ کی یہ دینی و روحانی موجودگی بھی سیاسی خدشات کی زد میں تھی۔ گورنر اور عاملین کی طرف سے سخت نگرانی رہی تاکہ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کسی قسم کی سیاسی گفتگو یا عوامی خطبہ نہ دے سکیں۔ ان کے گرد گشت لگائی گئی اور ہر اجتماع کو محدود کر دیا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اہلِ بیتؓ کی مقبولیت کو صرف دینی اور روحانی حیثیت تک محدود رکھا جائے، اور انہیں امت کے سیاسی و قیادتی منظرنامے سے جدا رکھا جائے (ابن اثیر، الکامل، ج3، ص422)۔

مظلومیت کا پہلو: اس موقع پر اہلِ بیتؓ کی مظلومیت ایک اور انداز سے ظاہر ہوئی: وہ امت کے حقیقی قائد اور وارثِ علم و تقویٰ تھے لیکن سیاسی دباؤ نے ان کے کردار کو محدود کر دیا۔ انہیں صرف دینی و روحانی پیشوائی تک محدود رکھا گیا، جبکہ امت کی قیادت و امامت سے محروم کر دیا گیا۔ امت کی اکثریت ان کے تقدس کی معترف تھی لیکن سیاسی حالات نے ان کی آواز کو مؤثر سطح پر پہنچنے نہ دیا۔ یہی وہ پالیسی تھی جو رفتہ رفتہ اہلِ بیتؓ کے حقِ قیادت کو مزید کمزور کرتی گئی اور آنے والے ادوار میں ان کی مظلومیت کے نئے ابواب کھولتی گئی۔

علمی و تاریخی تجزیہ: ذوالحجہ 43ھ کا یہ واقعہ امتِ مسلمہ کی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اہلِ بیتؓ کو شعوری طور پر قیادت سے الگ رکھا گیا

تا کہ خلافت کی پالیسیوں پر کوئی اثر نہ پڑے۔ دین کی اصل روحانی قیادت اہلِ بیتؓ کے پاس تھی، لیکن انہیں صرف وعظ، ذکر اور حج کے مراسم تک محدود رکھنے کی کوشش کی گئی۔ یہ حکمتِ عملی دراصل امت کو اہلِ بیتؓ کے حقیقی منصب (امامت وقیادت) سے محروم کرنے کی ایک تدبیر تھی (البدایہ والنہایہ، ج8، ص25)۔

خلاصہ ونتائج: 1- ذوالحجہ 43ھ میں امام حسنؓ وامام حسینؓ نے حج ادا کیا، مگر سخت نگرانی رہی۔ 2- اہلِ بیتؓ عوام میں احترام وتقدس کی علامت تھے لیکن انہیں سیاسی اظہار کا موقع نہ دیا گیا۔ 3- اہلِ بیتؓ کو امت کی حقیقی قیادت سے الگ رکھنے کی پالیسی مزید نمایاں ہوئی۔ 4- ان کی شخصیت کو صرف دینی وروحانی حیثیت تک محدود کیا گیا۔ 5- یہ واقعہ اہلِ بیتؓ کی مظلومیت کے ایک اور باب کو اجاگر کرتا ہے۔

مصادر ومراجع: 1- الکامل فی التاریخ، عزالدین ابن الاثیر الجزری، دار صادر، بیروت، ج3، ص422۔ 2- البدایہ والنہایہ، حافظ ابن کثیر الدمشقی، دار الفکر، بیروت، ج8، ص25۔ 3- تاریخ طبری، محمد بن جریر الطبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 4- الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، حافظ ابن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

خلاصہ ونتائج (اسلامی سنہ 43ھ)

(خلافتِ معاویہؓ کی مضبوطی اور اہلِ بیتؓ کی مظلومیت)

اسلامی سنہ 43ھ تاریخ کے ایک اہم موڑ پر کھڑا ہے۔ یہ وہ دور ہے جب

امیر معاویہؓ کی خلافت کو سیاسی استحکام حاصل ہو چکا تھا اور شام کی مضبوط حکومت نے اپنی گرفت کو عراق، مصر اور حجاز پر بھی قائم کر لیا تھا۔ لیکن اسی استحکام کے پس منظر میں اہلِ بیتِ اطہارؓ اور ان کے وفاداروں کی مظلومیت ایک نمایاں اور تلخ حقیقت کے طور پر سامنے آتی ہے۔

1-خلافت کی مضبوطی اور اس کے اثرات: اس سال کے آغاز ہی سے یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ خلافتِ امیر معاویہؓ کا نظم و نسق مضبوط تر ہو رہا ہے۔ شام کی سیاسی گرفت نے عراق و مصر کو بھی اپنے ماتحت کر لیا۔ اہلِ کوفہ و بصرہ پر سختیوں کے ذریعے علوی اثرات کو کمزور کیا گیا (تاریخ طبری، ج4، ص138؛ الکامل لابن الاثیر، ج3، ص418)۔

2-امام حسنؓ پر نگرانی اور محدودیت: مدینہ منورہ میں امام حسنؓ گوشہ نشینی پر مجبور تھے۔ ان پر سخت نگرانی رکھی گئی تا کہ وہ کسی سیاسی یا اجتماعی تحریک کی قیادت نہ کر سکیں۔ اس کا مقصد ان کی مقبولیت کو محدود کر کے انہیں صرف روحانی و خاندانی حیثیت تک قید رکھنا تھا (انساب الاشراف، ج3، ص60؛ طبقات ابن سعد، ج5، ص330)۔

3-علوی حامیوں کی معزولی اور دباؤ: مصر اور عراق کے کئی قبائل، جو حضرت علیؓ کے وفادار سمجھے جاتے تھے، کو بیت المال سے محروم کر دیا گیا۔ انہیں حکومتی عہدوں اور انتظامیہ سے الگ کر دیا گیا۔ اس سے عوام میں غربت اور بے بسی بڑھی اور اہلِ بیتؓ کے حامیوں کو مزید کمزور کیا گیا (طبری، ج4، ص140؛ ابن اثیر، ج3، ص419)۔

4-حضرت حجر بن عدیؓ اور وفادارانِ اہلِ بیت: کوفہ میں حضرت حجر بن عدیؓ

جیسے اصحاب بار بار ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کرتے رہے۔ اگرچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی گورنری نرم مزاجی پر مبنی تھی لیکن وہ بھی مرکز کی پالیسی کے پابند تھے، اس لیے اہلِ بیتؓ کے وفاداروں پر دباؤ برقرار رہا (انساب الاشراف، ج3، ص63؛ ابن اثیر، ج3، ص420)۔

5-حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا انتقال: شوال یا ذوالقعدہ 43ھ میں عشرہ مبشرہ کے جلیل القدر صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے وصال فرمایا۔ وہ سیاست سے الگ رہے لیکن اہلِ بیتؓ کے ساتھ محبت رکھتے تھے۔ ان کے انتقال سے اہلِ بیتؓ ایک بڑے اخلاقی اور روحانی حمایتی سے محروم ہو گئے (طبری، ج4، ص142؛ ابن اثیر، ج3، ص421؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص24)۔

6-حج اور اہلِ بیتؓ پر نگرانی: ذوالحجہ میں امام حسنؓ و امام حسینؓ نے حج ادا کیا لیکن ان پر کڑی نگرانی رکھی گئی۔ انہیں عوامی خطبہ دینے یا سیاسی اظہار کی اجازت نہ ملی۔ یوں اہلِ بیتؓ کی قیادت کو صرف مذہبی و روحانی پہلو تک محدود کر دینے کی پالیسی جاری رہی (ابن اثیر، ج3، ص422؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص25)۔

خلاصہ و نتائج: 1-سنہ 43ھ میں خلافتِ امیر معاویہؓ مزید مستحکم ہوئی، لیکن اسی کے ساتھ اہلِ بیتؓ کے کردار کو محدود کرنے کی پالیسی واضح ہو گئی۔ 2-اس سال کے اہم پہلو یہ تھے: امام حسنؓ پر سخت نگرانی۔ علوی حامیوں کی معزولی اور محرومی۔ حضرت حجر بن عدیؓ اور دیگر وفاداروں پر دباؤ۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے وصال سے اہلِ بیتؓ مزید تنہا ہو گئے۔ 3-یہ سال اگر ایک پہلو سے امت کے سیاسی اتحاد کا

سال کہلا سکتا ہے تو دوسرے پہلو سے اہلِ بیتؓ کے لیے مظلومیت وصبر کا سال تھا۔ 4-اس سال نے امت کی قیادت سے اہلِ بیتؓ کی دوری اور ان کی مظلومیت کے آئندہ ابواب کے لیے بنیاد فراہم کی۔

مصادر ومراجع: 1-تاریخ طبری، محمد بن جریر الطبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج4، ص138، 140، 142۔ 2-الکامل فی التاریخ، عزالدین ابن الاثیر الجزری، دار صادر، بیروت، ج3، ص418، 419، 421، 422۔ 3-البدایہ والنہایہ، حافظ ابن کثیر الدمشقی، دار الفکر، بیروت، ج8، ص22، 24، 25۔ 4-انساب الاشراف، احمد بن یحییٰ البلاذری، دار المعارف، ج3، ص60، 63۔ 5-الطبقات الکبریٰ، محمد بن سعد الزہری، دار صادر، بیروت، ج5، ص330۔

سنہ 44ھ کے اہم واقعات کا مختصر خاکہ

(اموی استقرار اور اہلِ بیت کی مظلومیت)

محرم تا ذوالحجہ: سنہ 44ہجری اسلامی تاریخ کا ایک ایسا دور ہے جس میں خلافتِ اموی مزید مستحکم ہوئی۔ شام میں امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کی سیاسی بصیرت اور انتظامی مہارت کے نتیجے میں حکومت کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوئی۔ عراق و حجاز پر گورنروں کی کڑی نگرانی اور فوجی تیاریوں نے سیاسی فضا کو یک رُخی بنا دیا۔ تاہم اس سیاسی استحکام کے پہلو بہ پہلو اہلِ بیت اطہارؓ اور ان کے جانثاروں کو مسلسل

نظر انداز اور دباؤ کا شکار رکھا گیا۔ ان کی سیاسی قوت محدود، معاشی وسائل تنگ اور سماجی حیثیت کو کمزور کرنے کی کوششیں جاری رہیں۔ یہی وہ پہلو ہے جسے اس باب میں اہلِ بیت کی مظلومیت کے عنوان سے قلمبند کیا جا رہا ہے۔

محرم 44ھ: محرم الحرام میں کوفہ اور بصرہ کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن بن علیؓ اور حضرت حسین بن علیؓ کے قریبی ساتھی مسلسل زیرِ نگرانی رکھے گئے۔ کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ نے اہلِ بیت کے حامی افراد کو سرکاری عہدوں سے معزول کر کے ان کی سیاسی حیثیت کمزور کرنے کی پالیسی جاری رکھی (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج5، ص265، دار التراث)۔ اہلِ بیت کے ماننے والوں پر یہ دباؤ ڈالا گیا کہ وہ کسی طرح سیاسی سرگرمیوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔ **مظلومیت:** اہلِ بیت کے ساتھ والہانہ محبت رکھنے والے عوام کی آواز دبائی گئی اور ان کے وسائل سلب کیے گئے۔ اس سے اہلِ بیت کے ماننے والوں میں محرومی اور خوف کا ماحول قائم رہا۔

ربیع الاول 44ھ: ربیع الاول میں امیر معاویہؓ نے شام میں اپنے اقتدار کو مزید مضبوط بنانے کے لیے فوجی اقدامات کیے۔ دمشق اور حمص میں لشکروں کو منظّم کیا گیا تاکہ کسی ممکنہ بغاوت یا شورش کو فوراً کچلا جا سکے۔ **مظلومیت:** ان عسکری تیاریوں کا اصل دباؤ عراق اور حجاز کے ان افراد پر پڑا جو اہلِ بیت کے ساتھ وفاداری رکھتے تھے۔ ان پر مسلسل الزام لگایا جاتا کہ وہ ریاستی امن کے لیے خطرہ ہیں۔ چنانچہ ان کی سیاسی اور معاشی سرگرمیاں محدود کر دی گئیں (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص325، دار الکتب العلمیۃ)۔

رجب 44ھ: اس مہینے میں اہلِ بیت کے بعض قریبی ساتھیوں پر مقدمات قائم کیے گئے۔ ان مقدمات کا مقصد صرف یہ تھا کہ ان کو ریاستی بدظنی کا شکار ثابت کیا جائے تاکہ عوام ان کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے گریز کریں۔ **مظلومیت:** اہلِ بیت کے حامی قبائل کو مالی تنگی اور سرکاری وظائف سے محروم کیا گیا۔ امام حسنؓ کے ساتھ عقیدت رکھنے والے چند معزز افراد کو سرِعام ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی (ابن قتیبہ، الامامۃ والسیاسۃ، ج1، ص190، مطبع مصر)۔

ذوالقعدہ 44ھ: ذوالقعدہ میں مکہ و مدینہ پر خاص نگرانی رہی۔ حج کے موقع پر اہلِ بیت کے حلقے سے تعلق رکھنے والے افراد پر کڑی نظر رکھی گئی تاکہ وہ کسی طرح سیاسی اظہار نہ کر سکیں۔ مظلومیت: اہلِ بیت کے حقیقی مقام و مرتبہ کو پس منظر میں رکھنے کی کوشش کی گئی۔ منبر و محراب پر سرکاری لاؤڈ ترجمانی کے ذریعے سیاسی رنگ دیا گیا اور اہلِ بیت کی عظمت کو اجاگر ہونے سے روکا گیا (بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص178، دارالمعارف)۔

ذوالحجہ 44ھ: ذوالحجہ میں امیر معاویہؓ نے اپنے سیاسی استحکام کو مزید راسخ کرنے کے لیے مختلف علاقوں میں وفود بھیجے۔ ان وفود نے خلافتِ اموی کی وفاداری پر زور دیا اور اہلِ بیت کے ذکر کو محض ایک خاندانی احترام تک محدود کرنے کی روش اپنائی۔ **مظلومیت:** اہلِ بیت کو خلافت کے دائرۂ اقتدار سے مکمل طور پر علیحدہ رکھنے کی پالیسی واضح ہوئی۔ امام حسنؓ و امام حسینؓ کے تذکرے کو صرف اہلِ بیت رسول کے طور پر کیا گیا، مگر سیاسی اور اجتماعی قیادت کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا (مسعودی، مروج الذھب، ج2، ص35، بیروت)۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 44ھ میں خلافتِ اموی نے عراق، شام اور حجاز پر اپنی گرفت مزید مضبوط کی۔ 2-اہلِ بیت اطہارؓ اور ان کے جانثاروں کو سیاسی، معاشی اور سماجی طور پر محدود رکھنے کی منظم کوششیں ہوئیں۔ 3-محرم تا ذوالحجہ اہلِ بیت کے حامی افراد کو سرکاری مناصب اور مالی وسائل سے محروم کیا گیا۔ 4-حج کے مواقع اور دیگر اجتماعی اجتماعات کو بھی اہلِ بیت کے اثرات سے خالی رکھنے کی پالیسی اختیار کی گئی۔ 5-یہ سال اہلِ بیت کی مظلومیت اور صبر کا آئینہ دار ثابت ہوا۔

مصادر ومراجع: 1-الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج5، ص265، دار التراث، بیروت۔ 2-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص325، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3-ابن قتیبہ، الامامۃ والسیاسۃ، ج1، ص190، مطبع مصر۔ 4-بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص178، دار المعارف، بیروت۔ 5-مسعودی، مروج الذھب، ج2، ص35، دار الہجرۃ، بیروت۔

محرم وصفر 44ھ: اہلِ بیت کی مظلومیت اور اموی سیاست کی سختیاں

سنہ 44ھ ہجری کی ابتدا ہی ایسے واقعات سے ہوئی جنہوں نے اسلامی سیاست کے رخ کو مزید واضح کیا۔ اموی خلافت اپنے استحکام کی راہ پر گامزن تھی اور اس کے گورنر عراق و بصرہ میں اپنی گرفت مضبوط کر رہے تھے۔ اس موقع پر اہلِ بیت اطہارؓ اور ان کے جانثاروں پر نگرانی مزید سخت کی گئی اور ان کے حامی قبائل کو دباؤ میں

لانے کی حکمتِ عملی اختیار کی گئی۔ یہ واقعات اس حقیقت کا آئینہ دار ہیں کہ سیاسی استحکام کے نام پر اہلِ بیتؓ اور ان کے وفادار اصحاب کو حاشیہ پر دھکیلنے کی کوششیں ہورہی تھیں، جس سے ان کی مظلومیت اور امت کے دینی وسماجی منظرنامے میں ان کی تنہائی مزید نمایاں ہوگئی۔

محرم 44ھ: گورنروں کی نگرانی اور عوامی دباؤ: محرم کے آغاز ہی میں کوفہ و بصرہ کے حالات میں نمایاں تبدیلی دیکھی گئی۔ کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ اور بصرہ کے عامل نے اہلِ بیت کے حامی قبائل پر کڑی نظر رکھنی شروع کر دی۔ علوی جماعت سے تعلق رکھنے والے افراد کی سرگرمیوں کو محدود کرنے کے لیے نہ صرف ان پر خفیہ نگرانی کی گئی بلکہ بعض قبیلوں پر جرمانے اور ٹیکس عائد کیے گئے تاکہ وہ سیاسی طور پر کمزور ہوجائیں (تاریخ الطبری، ج4، ص145، دار التراث؛ ابن اثیر، الکامل، ج3، ص425، دار الکتب العلمیۃ)

مظلومیت: اہلِ بیت کے وفادار اصحاب اور محبین کو سیاسی مناصب اور اختیارات سے محروم کر دیا گیا۔ ان پر یہ تاثر مسلط کیا گیا کہ وہ خلافت کے استحکام کے مخالف ہیں۔ عوام میں خوف و ہراس کی فضا قائم کر دی گئی تاکہ کوئی بھی شخص کھل کر اہلِ بیت کی حمایت نہ کر سکے۔

صفر 44ھ: سیاسی گرفت میں اضافہ: صفر کے مہینے میں اس پالیسی کو مزید سخت کیا گیا۔ اہلِ بیتؓ کے ساتھ تعلق رکھنے والے افراد کو سماجی طور پر تنہا کرنے کے لیے ان کے ساتھ تعلقات رکھنے والے قبیلوں پر بھی سختیاں کی گئیں۔ بعض قبائل کو

جرمانوں اور پابندیوں کے ذریعے کمزور کیا گیا تا کہ وہ اہلِ بیت کے ساتھ کھڑے نہ ہوسکیں۔ اس وقت کے مؤرخین لکھتے ہیں کہ عراق کے حالات ایسے بنا دیے گئے کہ وہاں عوامی اجتماعات میں بھی اہلِ بیت کے نام پر گفتگو کرنا مشکل ہوگیا (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص425؛ الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج4، ص145)۔ **مظلومیت: اہلِ بیتؓ** کے ساتھیوں کو حکومتی مشینری کے ذریعے خوفزدہ کیا گیا۔ عوامی سطح پر ایسی فضا قائم ہوئی کہ لوگ اپنے دل میں اہلِ بیت سے محبت تو رکھتے تھے مگر زبان پر اس کا اظہار کرنے سے ڈرتے تھے۔ شہری عوام نے خوف اور بے یقینی کے سائے میں زندگی بسر کرنا شروع کی۔

اہلِ بیت کی مظلومیت کا تاریخی پہلو: یہ وہ زمانہ تھا جب اہلِ بیتؓ کی عظمت اور مقام و مرتبہ کا انکار ممکن نہ تھا، مگر سیاسی طاقت نے انہیں عملی اقتدار سے محروم کر دیا۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ جیسی شخصیات، جنہیں امت محبت اور احترام کی نظر سے دیکھتی تھی، اس وقت اقتدار سے دور رکھے گئے۔ ان کے حامیوں کو ایک منظّم منصوبے کے تحت کمزور کیا گیا تا کہ وہ اجتماعی و سیاسی قوت نہ بن سکیں۔ یہ تمام اقدامات اہلِ بیتؓ کے لیے مظلومیت کے نئے باب رقم کر رہے تھے۔

خلاصہ و نتائج: 1- محرم و صفر 44ھ میں اموی گورنروں نے کوفہ و بصرہ پر اپنی گرفت مزید مضبوط کی اور علوی حامیوں پر سخت نگرانی قائم کی۔ 2- قبائل پر جرمانے اور مالی دباؤ ڈال کر انہیں اہلِ بیتؓ سے دور رکھنے کی پالیسی اختیار کی گئی۔ 3- اہلِ بیتؓ اور ان کے وفادار اصحاب کو سرکاری مناصب و اختیارات سے محروم رکھا گیا۔ 4- عوام

خوف اور بے یقینی کی فضا میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ 5- یہ دور اہلِ بیتؓ کی مظلومیت اور امت میں ان کی تنہائی کا مظہر ثابت ہوا۔

مصادر و مراجع: 1- الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج4، ص145، دار التراث، بیروت۔ 2- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص425، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3- بلاذری، انساب الأشراف، ج3، ص182، دار المعارف، بیروت۔ 4- ابن قتیبہ، الامامۃ والسیاسۃ، ج1، ص192، مطبع مصر۔ 5- مسعودی، مروج الذھب، ج2، ص38، دار البجرۃ، بیروت۔

ربیع الاول و ربیع الآخر 44ھ

(اموی انتظامی اصلاحات اور اہلِ بیت کی مظلومیت)

سنہ 44ھ ہجری کی درمیانی قسط یعنی ربیع الاول اور ربیع الآخر میں اموی خلافت نے اپنی سلطنتی مشینری کو مضبوط اور منظّم بنانے کے لیے اہم اقدامات کیے۔ خصوصاً شام کے دار الحکومت دمشق میں انتظامی اور مالی اصلاحات نافذ کی گئیں جن کے نتیجے میں بیت المال کا نظم وضبط بہتر ہوا، لشکروں کو تنخواہیں باقاعدگی سے ملنے لگیں، اور ریاستی ڈھانچہ مزید منظّم ہوا۔ تاہم اس سیاسی و مالی استحکام کے پہلو بہ پہلو اہلِ بیت اطہارؓ اور ان کے جانثاروں کو سخت دباؤ اور محرومیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ عراق کے علاقے بالخصوص کوفہ و بصرہ اہلِ بیت کے حامیوں کی سرگرمیوں کا مرکز تھے، چنانچہ وہاں پر ان کی

سیاسی آواز کو خاموش رکھنے کے لیے ریاستی اقدامات کیے گئے۔ نتیجتاً اہلِ بیت کے مخلص ساتھی نظر بندی، جلاوطنی اور محرومی کے صدمات سے دوچار ہوئے۔

ربیع الاول 44ھ: شام میں انتظامی و مالی اصلاحات: ربیع الاول میں امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ نے اپنے گورنروں کو ہدایت دی کہ ریاستی مالی نظام کو مستحکم کیا جائے۔ دمشق و حمص میں بیت المال کے دفاتر کو نئی ترتیب دی گئی اور محصولات کی تقسیم و جمع آوری کو بہتر بنایا گیا۔ اس اصلاحی عمل سے شام میں حکومتی گرفت مزید مستحکم ہوئی اور انتظامی نظم و نسق ایک نئے دور میں داخل ہوا (انساب الاشراف، ج3، ص65، دار المعارف؛ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج5، ص335، دار صادر)۔ **مظلومیت:** جب شام میں مالی استحکام بڑھ رہا تھا، اسی وقت عراق میں اہلِ بیت کے مخلص ساتھیوں کو شک و شبہ کی بنیاد پر زیرِ نگرانی رکھا گیا۔ بعض علوی حامیوں کو قید یا نظر بندی میں رکھا گیا تاکہ ان کی سیاسی سرگرمیاں بالکل معطل ہو جائیں۔ ان کے قبائل پر سرکاری دباؤ اور مالی جرمانے لگائے گئے تاکہ وہ اہلِ بیت کی حمایت ترک کرنے پر مجبور ہوں۔

ربیع الآخر 44ھ: عراق میں سیاسی سختیاں: ربیع الآخر کے آغاز میں عراق کی فضا مزید تنگ ہوگئی۔ کوفہ اور بصرہ کے منبر و مجالس پر سیاسی گفتگو کو سختی سے محدود کر دیا گیا۔ کوئی بھی شخص اہلِ بیت کی حمایت میں کلمہ کہنے سے خوفزدہ تھا۔ اہلِ بیتؓ سے والہانہ محبت رکھنے والے قبائل کے عمائدین کو یا تو جلاوطن کر دیا گیا یا ان پر ایسی پابندیاں لگائی گئیں کہ وہ معاشرتی طور پر تنہا ہو گئے۔ ان کے گھرانوں کو بیت المال

کے عطیات اور وظائف سے محروم کیا گیا، اور یوں ایک منظّم محرومی کی فضا پیدا کی گئی (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص335؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص65)۔ **مظلومیت: اہلِ بیت** کے وفادار نہ صرف سیاسی نمائندگی سے محروم رہے بلکہ ان پر یہ دباؤ ڈالا گیا کہ وہ مکمل طور پر خاموشی اختیار کریں۔ کئی افراد کو عراق سے شام یا دیگر مقامات کی طرف جلاوطن کیا گیا تاکہ وہ اپنے علاقے میں اہلِ بیت کی حمایت کو مضبوط نہ کر سکیں۔ سیاسی محرومی کے اس سلسلے نے اہلِ بیت اور ان کے جانثاروں کو امت کی مرکزی قیادت سے الگ تھلگ کر دیا۔

اہلِ بیت کی مظلومیت کا تاریخی تجزیہ: یہ دونوں مہینے اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ ایک طرف اموی سلطنت اپنی مالی اور عسکری اصلاحات کے ذریعے مضبوط ہو رہی تھی، دوسری طرف اہلِ بیت اطہارؑ کو منظّم طریقے سے حاشیے پر ڈالا جا رہا تھا۔ یہ دور اس تلخ حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ امت کے محبوب گھرانے کو سیاسی طور پر غیر مؤثر رکھنے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کی گئی۔ اہلِ بیتؑ کے مخلص ساتھیوں کو جن صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا، وہ تاریخ میں مظلومیتِ اہلِ بیت کے عنوان سے ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

خلاصہ و نتائج: 1- ربیع الاول 44ھ میں شام میں اموی گورنروں نے مالی و انتظامی اصلاحات نافذ کیں جس سے خلافت مضبوط ہوئی۔ 2- عراق میں اہلِ بیتؑ اور ان کے حامیوں پر سخت نگرانی رکھی گئی اور ان کی سیاسی سرگرمیوں کو مکمل طور پر معطل کیا گیا۔ 3- ربیع الآخر 44ھ میں اہلِ بیت کے مخلص ساتھیوں کو یا تو قید، نظر بندی یا

جلاوطنی کا سامنا کرنا پڑا۔ 4-اہلِ بیتؓ کے حامیوں کو وظائف وعطیات سے محروم کر کے ان کی معاشرتی ومعاشی حیثیت کمزور کی گئی۔ 5-یہ دونوں مہینے خلافتِ اموی کے استحکام اور اہلِ بیت کی مظلومیت کا متضاد مگر جانب دار منظر پیش کرتے ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-بلاذری، انساب الاشراف، ج 3، ص 5 6، دار المعارف، بیروت۔ 2-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص335، دار صادر، بیروت۔3-الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج4، ص147، دار التراث، بیروت۔ 4-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص427، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 5-مسعودی، مروج الذھب، ج2، ص40، دار الہجرۃ، بیروت۔

جمادی الاولی و جمادی الاخری 44ھ

(اموی فتوحات اور اہلِ بیت کے جانثاروں کی مظلومیت)

سنہ 44ھ ہجری کی درمیانی قسط، یعنی جمادی الاولی اور جمادی الاخری، اسلامی خلافت کی عسکری سرگرمیوں کے اعتبار سے نہایت اہم رہی۔ اس عرصہ میں مصر اور شمالی افریقہ کے محاذوں پر اموی فوجی کارروائیاں تیز ہوئیں، اور سلطنتِ اسلامیہ کی سرحدوں کو وسعت دینے کی کوششیں جاری رہیں۔ یہ دور امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کی انتظامی بصیرت اور عسکری تدابیر کا غماز تھا، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ اس وقت اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم اور ان کے جانثاروں کو سیاسی

اور عسکری سطح پر محدود کر دیا گیا۔ عراق، جو اہلِ بیت کے محبین کا مرکز تھا، وہاں کے وفاداروں کو پس منظر میں ڈال کر شام کے لشکریوں کو مقدم کیا گیا۔ اس عمل نے اہلِ بیت کے حامی قبائل کو عسکری اور سیاسی محرومی کے شدید احساس سے دوچار کیا۔

جمادی الاولی 44ھ: مصر و افریقہ میں فوجی کارروائیاں: جمادی الاولی میں اموی خلافت نے شمالی افریقہ کی جانب فتوحات کو مزید آگے بڑھایا۔ مصر کے والی اور وہاں کے لشکروں نے برقا اور طرابلس کی سمت میں فوجی مہمات شروع کیں۔ ان مہمات میں شام کے لشکریوں کو نمایاں حیثیت دی گئی اور انہیں بیت المال سے زیادہ حصہ اور وظائف عطا کیے گئے (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج4، ص147، دار التراث؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص28، دار الفکر)۔

مظلومیت: عراق سے تعلق رکھنے والے لشکریوں کو نظر انداز کیا گیا اور ان کی خدمات کم اہم سمجھ کر پس منظر میں ڈال دی گئیں۔ اہلِ بیت کے ساتھ عقیدت رکھنے والے قبائل کو ان فوجی مہمات میں شریک نہ کیا گیا تاکہ وہ عسکری اعتبار سے کمزور ہو جائیں۔ اس طرزِ عمل نے اہلِ بیت کے محبین کو ریاستی عسکری طاقت سے کاٹ دیا، جو ان کے لیے ایک نئی محرومی تھی۔

جمادی الاخری 44ھ: شام کے لشکریوں کو فوقیت: جمادی الاخری کے دوران امیر معاویہؓ نے شام کے لشکریوں کو مزید ترجیح دیتے ہوئے ان کے وظائف اور مراعات میں اضافہ کیا۔ دمشق، حمص اور اردن کے لشکری اس وقت خلافت کے اصل

سہارا سمجھے جاتے تھے۔ان کے ذریعے ہی اموی سلطنت کی سیاسی گرفت قائم تھی۔

مظلومیت: عراق کے وہ قبائل جو اہلِ بیت کے وفادار تھے، عسکری سرگرمیوں سے بالکل غیر فعال کر دیے گئے ۔ اہلِ بیت کے محبین کے لیے نہ فوجی خدمات کے دروازے کھلے رہے اور نہ ہی سیاسی نمائندگی کے مواقع۔ یہ وہ دور تھا جب اہلِ بیت کے جانثار ایک طرف اپنی عقیدت ومحبت پر قائم تھے مگر دوسری طرف ریاستی سطح پر ان کی خدمات کو رد کر دیا گیا۔

اہلِ بیت کی مظلومیت کا تجزیہ: یہ دونوں مہینے ہمیں اس حقیقت کی یاد دہانی کراتے ہیں کہ اگرچہ اسلامی سلطنت کی حدود وسیع ہو رہی تھیں اور عسکری فتوحات حاصل کی جا رہی تھیں، مگر ساتھ ہی اہلِ بیت اور ان کے جانثاروں کو اقتدار اور ریاستی امور سے الگ تھلگ کر دیا گیا۔ان کے قبائل کو فوجی سرگرمیوں سے محروم کر دینا محض ایک وقتی فیصلہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک حکمتِ عملی تھی جس کے ذریعے اہلِ بیت کے اثر ونفوذ کو محدود کیا جا سکے۔ان مظالم اور محرومیوں کے باوجود اہلِ بیت اور ان کے جانثار صبر و استقامت کے ساتھ اپنی دینی اور اخلاقی قیادت کا کردار ادا کرتے رہے۔

خلاصہ ونتائج: 1-جمادی الاولی والاخری 44ھ میں اموی خلافت نے مصر اور شمالی افریقہ میں فتوحات کو آگے بڑھایا۔2-شام کے لشکریوں کو زیادہ وظائف اور مراعات دے کر ان کو خلافت کا اصل سہارا بنایا گیا۔3-عراق کے اہلِ بیت دوست قبائل اور لشکری پس منظر میں ڈال دیے گئے اور ان کی عسکری خدمات محدود کر دی گئیں۔

4-اہلِ بیت کے وفاداروں کو سیاسی اور عسکری نمائندگی سے محروم رکھا گیا۔ 5-یہ مہینے خلافتِ اموی کے استحکام اور اہلِ بیت کی مظلومیت کا متوازی نقشہ پیش کرتے ہیں۔

مصادر و مراجع: 1-الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج4، ص147، دار التراث، بیروت۔ 2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص28، دار الفکر، بیروت۔ 3-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص430، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 4-بلاذری، انساب الأشراف، ج3، ص185، دار المعارف، بیروت۔ 5-مسعودی، مروج الذھب، ج2، ص42، دار الہجرۃ، بیروت۔

رجب و شعبان 44ھ

(اہلِ بیتِ اطہار کی مظلومیت اور امام حسن مجتبیٰؓ پر بڑھتی ہوئی سختیاں)

اسلامی تاریخ کے اوراق اہلِ بیتِ نبویؐ کی عظمت و جلالت اور ان پر ڈھائے گئے مصائب و آلام سے لبریز ہیں۔ خلفائے راشدین کے بعد جب اموی سلطنت نے استحکام حاصل کیا تو سیاسی مصلحتوں اور اقتدار کے تسلسل کے لیے اہلِ بیتؓ خصوصاً حضرت امام حسن مجتبیٰؓ کی شخصیت کو ایک چیلنج کے طور پر دیکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی کے آخری ایام سخت نگرانی، دباؤ اور سازشوں کے سائے میں گزرے۔ سنہ 44ھ کے رجب و شعبان کے مہینے اس پہلو سے نہایت اہم ہیں کہ اس عرصے میں مدینہ منورہ میں اہلِ بیت پر گرفت مزید سخت ہوئی اور امام حسنؓ کو شدید گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا گیا۔

مدینہ منورہ میں سخت نگرانی: تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ امیر معاویہؓ نے اپنے گورنروں اور نمائندوں کو ہدایت دی تھی کہ اہلِ بیتؓ بالخصوص امام حسنؓ اور ان کے قریبی اصحاب پر سخت نظر رکھی جائے۔ ابن سعد بیان کرتے ہیں: **کان معاویة یبعث الی المدینة من یتجسس اخبار الحسن بن علی و یکتب بها** (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص338، مطبع لیدن)۔ یعنی امیر معاویہؓ باقاعدہ مدینہ میں افراد بھیجتے جو حضرت حسن بن علیؓ کی سرگرمیوں کی خبر لاتے اور انہیں لکھ کر بھیجتے۔ بلاذری نے بھی اس امر کی صراحت کی ہے کہ امام حسنؓ پر سیاسی و سماجی دباؤ ڈالا گیا اور انہیں عوامی معاملات سے الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کی گئی (بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص68، دار الفکر، بیروت)۔

گوشہ نشینی اور دباؤ: حضرت امام حسنؓ کو اس سخت ماحول میں گوشہ نشینی اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اگرچہ وہ اہلِ مدینہ کے درمیان موجود تھے، مگر سرکاری سطح پر ان کی مجلسوں اور سرگرمیوں پر قدغن لگائی گئی۔ ان کے مخلص ساتھیوں اور وفادار اصحاب پر بھی دباؤ ڈالا گیا کہ وہ امام حسنؓ سے براہِ راست رابطہ نہ رکھیں۔ یہ کیفیت دراصل اس خوف کی آئینہ دار تھی کہ کہیں اہلِ بیتؓ کی مقبولیت عوام میں دوبارہ سیاسی قوت میں تبدیل نہ ہو جائے۔

قاتلانہ سازشوں اور زہر دینے کے خدشات: امام حسنؓ کی مظلومیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان کی شخصیت ہمیشہ سیاسی سازشوں کا مرکز بنی رہی۔ مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ ان کے خلاف بارہا زہر دینے اور جان سے مارنے کی کوششوں کی خبریں عام

رہیں۔ابن سعد نے امام حسنؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ: **کان الحسن یخشی الغدر و کانت الاشاعات عن تسمیمه تذکر فی المدینة** (ابن سعد، الطبقات، ج5، ص338)۔یعنی امام حسنؓ غداری کے خدشے میں رہتے اور مدینہ میں ان کو زہر دینے کی افواہیں عام رہتی تھیں۔یہ وہ ایام تھے جب اہلِ بیتؓ کے جانثاروں پر بھی سخت دباؤ بڑھا دیا گیا تھا۔وفادار صحابہؓ اور تابعینؒ جو اہلِ بیتؓ کی حمایت کرتے تھے، ان پر خفیہ نگرانی کی جاتی اور انہیں ڈرایا دھمکایا جاتا۔

مظلومیت کے اثرات: یہ سیاسی دباؤ اور سماجی الگ تھلگ کرنے کی پالیسی دراصل اہلِ بیتؓ کی عظمت کو ختم کرنے کی کوشش تھی، مگر تاریخ نے یہ ثابت کیا کہ ان مظالم نے ان کی عظمت کو مزید اجاگر کر دیا۔امام حسنؓ صبر، تحمل اور عفو و درگزر کے ساتھ اس دور کی مشکلات کا سامنا کرتے رہے اور اپنے اخلاق و حلم سے اہلِ بیتؓ کی بلند اقدار کو زندہ رکھا۔

خلاصہ و نتائج: 1-رجب و شعبان 44ھ میں مدینہ منورہ اہلِ بیتؓ کے لیے سخت نگرانی اور دباؤ کا مرکز رہا۔2-امام حسنؓ کو عملاً عوامی و سیاسی سرگرمیوں سے الگ کر کے گوشہ نشینی پر مجبور کیا گیا۔3-ان کے خلاف زہر دینے اور جان سے مارنے کی سازشوں کا تسلسل جاری رہا، جس کی جھلک مؤرخین کی روایات میں ملتی ہے۔4-امام حسنؓ اور ان کے وفادار اصحاب پر دباؤ بڑھا کر ان کی عظمت و اثر کو محدود کرنے کی کوشش کی گئی۔5-یہ مظلومیت دراصل اہلِ بیتِ اطہار کی سیاسی و سماجی عظمت کو ختم

کرنے کی ایک ناکام کوشش تھی، جس نے ان کی قربانیوں کو تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔

مصادر و مراجع: 1-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص338، مطبع لیدن۔ 2-بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص68، دارالفکر، بیروت۔ 3-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص226، دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔4-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص157، دارالتراث، بیروت۔ 5-ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج2، ص377، دارالفکر، بیروت۔

رمضان المبارک 44ھ

(بیت المال کی مرکزیت اور اہلِ بیت کی معاشی مظلومیت)

اسلامی خلافت کا سب سے اہم ادارہ بیت المال تھا، جس کے ذریعے نہ صرف معاشی وسائل کی تقسیم کی جاتی تھی بلکہ یہ ادارہ معاشرتی عدل وانصاف کا ضامن بھی سمجھا جاتا تھا۔ خلفائے راشدین کے عہد میں بیت المال کو انصاف، مساوات اور امانت کی بنیاد پر چلایا گیا، مگر جب سلطنت کا دائرہ وسیع ہوا اور اموی اقتدار مضبوط ہونے لگا تو بیت المال کی پالیسی میں مرکزیت اور سیاسی ترجیحات نمایاں ہونے لگیں۔ اسی پس منظر میں رمضان المبارک 44ھ کے واقعات نہایت اہمیت رکھتے ہیں۔ اس مہینے میں بیت المال کی تقسیم میں ایسی تبدیلیاں کی گئیں جن کے نتیجے میں

اہلِ بیتؓ اور ان کے وفادار اصحاب کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ وظائف اور عطیات روک دیے گئے یا محدود کر دیے گئے۔

بیت المال کی مرکزیت کی توسیع: ابن الاثیر کے بیان کے مطابق اس دور میں بیت المال کو براہِ راست اموی مرکز (شام) کے تابع کر دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں عراق، کوفہ اور دیگر صوبوں کی مالی خودمختاری کم ہوتی گئی اور تمام اہم فیصلے دمشق سے صادر ہونے لگے۔ وَجُعِلَتِ الْأَمْوالُ إِلَى دِمَشقَ وَصَارَت مَرجِعاً لِسائرِ الأمصارِ (ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص428، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔ اس نئی پالیسی کے نتیجے میں عراق اور کوفہ کے وہ لوگ جو اہلِ بیتؓ کے وفادار تھے، مالی لحاظ سے کمزور بنا دیے گئے۔

اہلِ بیت کے وفاداروں کی مالی حیثیت کی کمزوری: اموی حکمتِ عملی یہ تھی کہ جو قبیلے اور افراد ان کے حامی تھے ان پر انعامات اور عطیات کی بارش کر دی جاتی، جبکہ جو اہلِ بیتؓ کے قریب اور ان کے وفادار تھے ان پر وظائف محدود کر دیے جاتے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: فَضُيِّقَ عَلَى شِيعَةِ عَلِيٍّ فِي العَطَاءِ وَالمَعِيشَةِ (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص29، دار الفکر، بیروت)۔ یعنی حضرت علیؓ کے شیعہ (یعنی وفادار اور محبّین) پر عطیات اور معیشت کے دروازے تنگ کر دیے گئے۔ یہ پالیسی براہِ راست اہلِ بیتؓ پر اثر انداز ہوئی کیونکہ ان کے خاندان اور قریبی اصحاب کی بڑی تعداد انہی وظائف اور عطیات پر گزارہ کرتی تھی۔ جب یہ راستہ مسدود ہوا تو غربت اور تنگی نے انہیں آ گھیرا۔

اہلِ بیت کی معاشی مظلومیت: اہلِ بیتؓ کی مظلومیت کا یہ پہلو تاریخ کے

صفحات میں ایک دردناک حقیقت کے طور پر محفوظ ہے کہ وہ خاندان، جو درِ سخاوت اور کرم کا مرکز تھا، خود تنگدستی اور غربت کا شکار بنا دیا گیا۔ امام حسنؓ اور ان کے اہلِ خاندان کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ انہیں مسلسل معاشی دباؤ کا سامنا رہا، تاکہ وہ سیاسی طور پر کمزور اور سماجی سطح پر غیر مؤثر ہو جائیں۔ یہ بات اس حقیقت کو اور نمایاں کرتی ہے کہ ظلم و جبر صرف تلوار اور قید و بند کے ذریعے نہیں کیا جاتا بلکہ کبھی معاشی دباؤ اور محرومی کے ذریعے بھی افراد اور خاندانوں کو کمزور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

تاریخی و سماجی اثرات: اس پالیسی کے نتیجے میں: 1- اہلِ بیتؓ کے قریبی اصحاب اور محبین معاشی طور پر کمزور ہوئے۔ 2- اہلِ بیتؓ کی علمی و سماجی سرگرمیوں کو محدود کرنے کی کوشش کی گئی۔ 3- مسلمانوں کے معاشی نظام میں عدل و مساوات کی وہ بنیاد متزلزل ہوئی جو خلافتِ راشدہ کا خاصہ تھی۔

خلاصہ و نتائج: 1- رمضان المبارک 44ھ میں بیت المال کو دمشق کی مرکزیت کے تحت کر دیا گیا، جس سے صوبائی خودمختاری محدود ہوئی۔ 2- اہلِ بیتؓ اور ان کے وفاداروں پر وظائف اور عطیات کی بندش یا کمی ایک منصوبہ بند پالیسی تھی، تاکہ انہیں سیاسی و سماجی طور پر کمزور رکھا جا سکے۔ 3- یہ مظلومیت صرف اہلِ بیتؓ کی ذات تک محدود نہ رہی بلکہ ان کے جانثاروں اور محبین تک پھیل گئی، جنہیں معاشی دباؤ کے ذریعے مفلوج کیا گیا۔ 4- یہ واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے، جو اس بات کو واضح کرتا ہے کہ معاشی وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کس طرح ایک خاندان اور طبقے

کے لیے مظلومیت کا سبب بنی۔

مصادر و مراجع: 1-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص428، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص29، دار الفکر، بیروت۔ 3-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص160، دار التراث، بیروت۔ 4-بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص72، دار الفکر، بیروت۔ 5-مسعودی، مروج الذہب، ج2، ص58، دار الاندلس، بیروت۔

شوال و ذوالقعدہ 44ھ

(اہلِ بیت کے وفاداروں پر سخت انتظامی اقدامات اور مظلومیت)

خلافتِ اموی کے ابتدائی دور میں جب اقتدار کے استحکام کی جدوجہد جاری تھی تو سیاسی تدابیر کا سب سے بڑا ہدف اہلِ بیتِ اطہارؑ اور ان کے وفادار بنے۔ یہ مظلومیت محض ایک شخص یا ایک خاندان تک محدود نہ تھی بلکہ اس نے ان کے جانثاروں اور محبّین کے وسیع حلقے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ شوال و ذوالقعدہ 44ھ میں اس دباؤ کی شدت بڑھ گئی اور عراق و حجاز کے گورنروں نے اہلِ بیتؑ کے وفاداروں پر سخت ترین انتظامی اقدامات شروع کر دیے۔

گورنروں کی سخت پالیسیاں: طبری اور بلاذری کی روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس عرصے میں عراق اور حجاز میں تعینات گورنروں کو اموی مرکز سے یہ حکم ملا

کہ اہلِ بیتؓ کے قریب سمجھے جانے والے قبائل اور شخصیات پر سختی کریں۔ وَضَعَ الوُلاۃُ الشِّدّۃَ عَلَی مَوالِی آلِ عَلِیٍّ، وَأمسَکُوا أَموالَھُم وَحَبَسُوا رِجالَھُم (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص149، دارالتراث، بیروت)۔ یعنی گورنروں نے اہلِ علیؓ کے حامیوں پر سختیاں کیں، ان کے اموال ضبط کیے اور ان کے مردوں کو قید میں ڈالا۔ بلاذری اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہ اقدامات محض سیاسی نہیں بلکہ سماجی اثرات کو کم کرنے کے لیے بھی کیے گئے: فَضُیِّقَ عَلَی أَولِیَاءِ الحَسَنِ وَالحُسَینِ، وَنُظِرَ فِی مَوالِیھِم وَقَبَائِلِھِم (بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص68، دارالفکر، بیروت)۔ یعنی امام حسنؓ و حسینؓ کے وفاداروں پر تنگی کی گئی اور ان کے قبائل کی سرگرمیوں پر کڑی نگرانی رکھی گئی۔

جائیداد ضبطی اور نظر بندی: اس دور کی سب سے نمایاں پالیسی جائیداد کی ضبطی تھی۔ جو بھی خاندان اہلِ بیتؓ کی حمایت کرتا نظر آتا، اس کی زمینیں اور مالی وسائل چھین لیے جاتے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے افراد کو نظر بندی میں رکھا جاتا تاکہ وہ عوامی سطح پر کوئی اثر نہ ڈال سکیں۔ قیدیوں پر ظلم وستم کے واقعات بھی ملتے ہیں۔ بعض کو ایذائیں دے کر ان سے اہلِ بیتؓ سے برائت کا اظہار کروانے کی کوشش کی جاتی، اور بعض کو سالہا سال قید رکھا گیا۔ یہ سب اقدامات دراصل سیاسی دباؤ کی ایک شکل تھے تاکہ اہلِ بیتؓ کے نام لیوا کمزور اور بے اثر ہو جائیں۔

اہلِ بیت کے وفاداروں کی مظلومیت: اس صورتحال میں اہلِ بیتؓ کے جانثار اپنے خاندانوں سمیت شدید دباؤ میں آ گئے۔ ان کے معاشی ذرائع سلب

کر لیے گئے، ان کے سماجی روابط محدود کر دیے گئے اور انہیں معاشرے میں الگ تھلگ کر دیا گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب اہلِ بیتؓ کی محبت دلوں میں رچی بسی تھی، لیکن حکومتی اقدامات نے اس محبت کے اظہار کو جرم بنا دیا۔ خاندان اہلِ بیتؓ اور ان کے محبین اس دوہرے دباؤ کا شکار ہوئے۔ ایک طرف معاشی محرومی اور دوسری طرف سیاسی و سماجی تنہائی۔

سماجی و سیاسی اثرات: ان سختیوں کے نتیجے میں: 1- اہلِ بیتؓ کے وفاداروں کا سماجی اثر کمزور ہوا۔ 2- اہلِ بیتؓ کو سیاسی طور پر الگ تھلگ کرنے کی کوشش میں تیزی آئی۔ 3- عوامی سطح پر اہلِ بیتؓ کی عظمت کو دبانے کی ایک منظّم پالیسی سامنے آئی۔ 4- اسلامی تاریخ میں یہ دور ظلم و جبر کے اس پہلو کی نشاندہی کرتا ہے جس میں طاقتور نے کمزور پر اپنی برتری جتانے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔

خلاصہ و نتائج: 1- شوال و ذوالقعدہ 44ھ میں عراق و حجاز کے گورنروں کو اہلِ بیتؓ کے وفاداروں پر سختیاں کرنے کے احکامات ملے۔ 2- ان سختیوں میں جائیداد ضبطی، نظر بندی اور قید و بند کے مظالم شامل تھے۔ 3- اہلِ بیتؓ کے جانثار اپنے خاندانوں سمیت شدید دباؤ اور محرومی کا شکار ہوئے۔ 4- اس دور نے واضح کیا کہ اہلِ بیتؓ کی مظلومیت صرف ذاتی یا خاندانی نہیں بلکہ اجتماعی تھی، جس نے ان کے محبین کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ 5- یہ واقعات اسلامی تاریخ کے ان ابواب میں سے ہیں جو عدل و انصاف کے پیمانوں کو آزمانے اور طاقت و ظلم کی حقیقت کو بے نقاب کرنے

کے لیے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

مصادر و مراجع: 1-بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص68، دارالفکر، بیروت۔ 2-طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج4، ص149، دارالتراث، بیروت۔ 3-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص430، دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔4-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص31، دارالفکر، بیروت۔5-مسعودی، مروج الذہب، ج2، ص60، دارالاندلس، بیروت۔

ذوالحجہ 44ھ: موسمِ حج میں اہلِ بیتؑ پر سخت نگرانی اور مظلومیت

حج بیت اللہ اسلام کا سب سے عظیم اجتماع ہے، جہاں دنیا کے کونے کونے سے مسلمان یکجا ہو کر وحدتِ امت، اخوت اور مساوات کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔ خلفائے راشدین کے دور میں حج کے یہ اجتماعات نہ صرف عبادت کا مرکز تھے بلکہ ان کے ذریعے اصلاحی خطابات اور دینی رہنمائی بھی کی جاتی تھی۔ تاہم خلافتِ اموی کے ابتدائی دور میں حج کے اس اجتماع کو سیاسی خطرہ سمجھا جانے لگا، خصوصاً اہلِ بیتِ اطہارؑ کی موجودگی کو۔ ذوالحجہ 44ھ میں موسمِ حج کے دوران اہلِ بیتؑ پر سخت نگرانی کی گئی اور عوامی خطبات و سیاسی اجتماعات پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی۔ اس سے ایک طرف اہلِ بیتؑ کی قیادت کو عوام سے دور رکھنے کی کوشش ہوئی، اور دوسری طرف مسلمانوں کے اس عظیم اجتماع کو محض رسمی عبادت تک محدود کر دیا گیا۔

اہلِ بیت پر سخت نگرانی: ابن اثیر بیان کرتے ہیں کہ ذوالحجہ 44ھ میں اہلِ بیتؓ پر خاص طور پر حج کے موقع پر سخت نظر رکھی گئی۔ وَجُعِلَت العُیونُ عَلَی الحَسَنِ وَالحُسَینِ فِی المَوسِمِ، یُراقِبُونَ خُطَبَهُم وَمَجالِسَهُم (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص430، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)۔ یعنی حج کے موقع پر حضرت حسنؓ و حسینؓ پر خاص جاسوس مقرر کیے گئے جو ان کے خطبوں اور مجالس پر نظر رکھتے۔ ابن کثیر بھی اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ اس سال اہلِ بیتؓ کو موسمِ حج میں عوامی سطح پر بات کرنے یا اجتماع کرنے کی اجازت نہ دی گئی (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص30، دارالفکر، بیروت)۔

عوامی خطبات اور سیاسی اجتماعات پر پابندی: حج کے مواقع پر ماضی میں بڑے بڑے علماء و اکابرین خطاب کرتے، اور یہ اجتماع دینی و اصلاحی پیغام رسانی کا ایک اہم ذریعہ ہوتا۔ مگر ذوالحجہ 44ھ میں اموی انتظامیہ نے اہلِ بیتؓ پر یہ دروازہ بند کر دیا۔ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو نہ تو عوامی طور پر خطاب کی اجازت ملی اور نہ ہی اپنے اصحاب کے ساتھ کھلے اجتماعات منعقد کرنے کا موقع دیا گیا۔ اس کا مقصد واضح تھا اہلِ بیتؓ کو عوامی قیادت کے منصب سے دور رکھنا اور ان کی آواز کو دبانا۔

مظلومیت اور قیادت کی حاشیہ نشینی: اس صورتحال کا سب سے بڑا اثر یہ ہوا کہ اہلِ بیتؓ کی قیادت عملی طور پر حاشیے پر چلی گئی۔ وہ خاندان جس کے بزرگ نے (ﷺ) خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر امت کو کامل دین اور عدل و مساوات کی تعلیم دی تھی، آج ان کے فرزندوں کو انہی اجتماعات سے الگ کر دیا گیا۔ اہلِ بیتؓ کے

وفادار اصحاب بھی سخت دباؤ میں رہے۔ نہ وہ کھل کر اہلِ بیتؓ کی تائید کر سکتے تھے، نہ ان کے ساتھ آزادانہ حاضری ممکن تھی۔ نتیجتاً حج جیسے عظیم اجتماع میں اہلِ بیتؓ اور ان کے محبین کی سماجی و سیاسی حاضری محدود کر دی گئی۔

اثرات و نتائج: یہ صورتحال محض وقتی نہ تھی بلکہ اس نے ایک گہرا اثر چھوڑا:
1- حج جیسے عظیم اجتماع کی روح، یعنی اجتماعی اصلاح و دینی رہنمائی، متاثر ہوئی۔
2- اہلِ بیتؓ کو قیادت اور خطابت سے روک کر انہیں سیاسی و سماجی اثر و رسوخ سے دور رکھا گیا۔ 3- عوام میں اہلِ بیتؓ کی عظمت اور محبت موجود رہی، مگر اس کے اظہار پر کڑی پابندی لگا دی گئی۔ 4- یہ ایک عملی مظاہرہ تھا کہ اموی حکمتِ عملی اہلِ بیتؓ کو قیادت کے مقام سے محروم کرنے پر مبنی تھی۔

خلاصہ و نتائج: 1- ذوالحجہ 44ھ میں موسمِ حج کے دوران اہلِ بیتؓ پر سخت نگرانی رکھی گئی۔ 2- امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو خطبات دینے اور اجتماعات منعقد کرنے سے روکا گیا۔ 3- اہلِ بیتؓ کی قیادت کو عملاً حاشیے پر ڈال دیا گیا تاکہ وہ عوامی سطح پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ 4- اہلِ بیتؓ کے وفادار اصحاب بھی سخت دباؤ اور نگرانی کے باعث اپنی سیاسی و سماجی سرگرمیوں سے محروم رہے۔ 5- یہ واقعہ اہلِ بیتؓ کی مظلومیت کی ایک اور کڑی ہے، جو بتاتی ہے کہ اقتدار کی خاطر ان کی قیادت کو دبانے کے لیے ہر ممکن حربہ استعمال کیا گیا۔

مصادر و مراجع: 1- ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص430، دار الکتب

العلمیۃ، بیروت۔ 2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص30، دارالفکر، بیروت۔ 3-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص150، دارالتراث، بیروت۔ 4-بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص70، دارالفکر، بیروت۔ 5-مسعودی، مروج الذہب، ج2، ص61، دارالاندلس، بیروت۔

خلاصۂ مظلومیتِ اہلِ بیت واصحاب وفادار (44ھ)

اسلامی تاریخ کے سنہ 44ھ میں اہلِ بیت اطہارؓ اور ان کے وفادار اصحابؓ کو جن حالات ومصائب کا سامنا کرنا پڑا، وہ اس عہد کی سیاسی وسماجی حقیقتوں کا عکس ہیں۔ خلافتِ معاویہؓ کے استحکام کے بعد اگرچہ عام مسلمانوں کو امن وامان کی سہولتیں میسر آئیں، مگر اہلِ بیت کے ساتھ تعلق رکھنے والے افراد اور علوی وفاداروں کو مسلسل دباؤ، محدودیت اور محرومیوں کی فضا میں زندگی گزارنی پڑی۔ یہ حالات اس امر کے شاہد ہیں کہ سیاسی قوت کو استوار رکھنے کے لیے بعض خاندانوں اور افراد کو عملاً نظر انداز کیا گیا، جو تاریخِ اسلام کا نہایت حساس اور مظلوم پہلو ہے۔

1-سیاسی دباؤ اور نگرانی: سنہ 44ھ کے مختلف مہینوں میں اہلِ بیت اطہارؓ پر مسلسل سیاسی نگرانی قائم رکھی گئی۔ حج کے موقع پر اہلِ بیت کے اجتماعات پر پابندیاں لگیں (ذوالحجہ 44ھ)۔ عوامی خطبات اور سیاسی گفت وشنید پر سخت نظر رکھی گئی تاکہ ان کا اثر محدود رہے۔ کوفہ وعراق میں علوی حامی قبائل کو گورنروں کی سختیوں کا سامنا رہا (شوال و

ذوالقعدہ 44ھ)۔ یہ صورتِ حال نہ صرف اہلِ بیتؓ کے عزت ومقام کی تحدید تھی بلکہ ان کے چاہنے والوں کی سیاسی وسماجی موجودگی کو بھی حاشیے پر دھکیلنے کا باعث بنی (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص430-428؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص149)۔

2-معاشی محرومی اور محدودیت: رمضان المبارک 44ھ میں بیت المال کی تقسیم کے نظام میں مرکزیت کا اضافہ کیا گیا۔ عراق و کوفہ کے اہلِ بیت کے وفادار قبائل کو وظائف وعطیات سے محروم یا محدود کر دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں خاندانِ اہلِ بیت کے قریبی افراد شدید مالی دباؤ اور غربت کا شکار ہوئے۔ یہ اقدام سیاسی دباؤ کے ساتھ ساتھ ایک معاشی حربہ بھی تھا، جس کا مقصد علوی حمایت کو کمزور کرنا تھا (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص29؛ ابن اثیر، الکامل، ج3، ص428)۔

3-قاتلانہ سازشیں اور جانی خطرات: اس پورے دور میں اہلِ بیتؓ کے بعض اکابرین اور ان کے وفاداروں پر جان لیوا سازشوں کے آثار تاریخ میں مذکور ہیں۔ عراق اور حجاز میں ایسے مواقع پیدا کیے گئے جہاں ان کے خلاف کارروائیاں کی گئیں۔ ان کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی جان کو بھی بارہا خطرہ لاحق رہا۔ یہ سب حالات اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ اہلِ بیت کے ماننے والے ہمیشہ خوف اور بے یقینی کی فضا میں زندگی بسر کرتے رہے (انساب الاشراف، ج3، ص68؛ طبری، ج4، ص149)۔

4-سماجی وعوامی محدودیت: اہلِ بیت اطہارؓ کے فضائل و کمالات کا چرچا مسلمانوں کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہا، لیکن اس عہد میں ان کی عوامی حاضری کو عملاً

محدود کر دیا گیا۔عوامی اجتماعات، خطبات اور سیاسی گفتگو پر پابندیاں۔ گورنروں کے ذریعے اہلِ بیت کے حامی خاندانوں کی جائیدادوں اور سماجی اثر ورسوخ کو کم کرنے کی کوششیں۔ یہ مظلومیت کا ایک نہایت گہرا پہلو ہے کہ وہ گھرانہ، جسے قرآن وسنت نے مرکزِ خیر و برکت قرار دیا، اسی کو عملی طور پر سماجی دائرہ کار سے محدود کر دیا گیا (ابن اثیر، الکامل، ج3، ص430؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص30)۔

خلاصہ ونتائج: 1-سنہ 44ھ میں اہلِ بیت اطہارؓ اور ان کے وفادار اصحاب کو سیاسی نگرانی، معاشی محرومی اور سماجی محدودیت کا سامنا رہا۔ 2-علوی حامیوں کو نہ صرف مناصب ووظائف سے محروم رکھا گیا بلکہ ان پر سخت انتظامی اقدامات بھی مسلط کیے گئے۔ 3-اہلِ بیتؓ اور ان کے ماننے والوں پر قاتلانہ سازشیں اور خوف ودباؤ کا ماحول برقرار رہا۔ 4-مجموعی طور پر اہلِ بیت اور ان کے وفاداروں کو ایسی فضا میں زندگی گزارنی پڑی جس میں خوف، بے یقینی اور محرومی نمایاں تھی۔ یہ مظلومیت اسلامی تاریخ کا ایک نہایت حساس باب ہے، جو اس امر پر شاہد ہے کہ حق و باطل کی کشمکش میں اہلِ حق پر آزمائشیں ہمیشہ آتی رہیں۔

مصادر ومراجع: 1-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ج3، ص430-428۔ 2- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، بیروت: دار الفکر، ج8، ص30-29۔ 3-طبری، تاریخ الامم والملوک، قاہرہ: دار المعارف، ج4، ص149۔ 4-بلاذری، انساب الاشراف، بیروت: دار الفکر، ج3، ص68۔

☆☆☆

MAKTABA HABIBUL UMMAT

Jamia Islamia Darul Uloom

Muhazzabpru, P.o. Sanjarpur, Dist. Azamgargh, U.P. India (Mob: +91 9450546400)